دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریف اس ابدیت مطلق اور کمال لا یتناہی کے لئے جس نے ''اذن فی الناس بالحج'' کہہ کر نسل آدم کو حج کی دعوت دی اور جسمانی سفر میں اپنی سمت بلا کر ہمیں تاریخ کے جادہ پر ڈال دیا۔

اور درود و سلام ہو

سلسلہ ابراہیم کے اس عبد پر کہ جو پہلی نبوتوں کو ختم کرنے والے، بند دلوں کے کھولنے والے، حق کے زور سے اعلان حق کرنے والے، باطل کی طغیانیوں کو دبانے والے اور ضلالت کے حملوں کو کچلنے والے تھے۔

اور سلام ہو

ابو طالبؑ، اور ان کی برگزیدہ نسل پر کہ جنہوں نے محمدؐ اور ان کے دین کا حصار بن کر کعبہ کو بچایا اور آج یہ مسلمانوں کی شناخت کا مرکز بنا ہوا ہے اور اسی سے ہر مسلمان حاجی بن کر اپنی عزت بڑھاتا ہے۔

مگر اس حج کی صورت معنوی ہونی چاہئے ہر شخص کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے۔۔۔؟

حج کے تمام اعمال اشاریے ہیں ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس طرف اشارہ

کیا جا رہا ہے ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے اعمال کی ظاہری صورت میں کوئی اپنے آپ کو نہ کھودے۔

حج، حج معانی ہو حج مناسک نہیں

حج کے تمام مناسک، اشارے ہیں، علامتیں ہیں، رمز ہیں، انہیں سمجھنے کی ضرورت ہے اور ان ہی باتوں کو ڈاکٹر علی شریعتی نے اس کتاب میں سمجھانے کی کوشش کی ہے اور کہا ہے:

''اگر تم عمل حج کو جاننا چاہتے ہو، مناسک حج سے متعلق فقہا کی کتابیں پڑھو اور اگر حج کے مفہوم کو سمجھنا چاہتے وہ تو اسلام کو سمجھو اور اس میں انسان کو پہچانو''

اور اگر تم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ میں نے حج کو کس طرح سمجھا ہے تو میری یہ تحریر پڑھو، شاید یہ تمہیں حج کو سمجھنے پر تھوڑا سا ابھارے۔

تھوڑا سا۔۔۔۔۔!

علی شریعتی کی حج پر مبنی یہ کتاب اس موضوع پر اس کی اپنی تفسیر و تحلیل ہے یہ کوئی فقہی رسالہ نہیں کہ اس کے مطابق لوگ حج کے رسوم کو ادا کریں بلکہ یہ ایک فکری رسالہ ہے اور اس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ''مناسک حج'' کی تفسیر ہو، وہ بھی ایک عام آدمی کی حیثیت سے، عالم دین اور اسلامی مرجع کی حیثیت سے نہیں۔

تاہم میں سمجھتا ہوں کہ روح حج، مکتب توحید اور پیغام اسلام کو سمجھنے اور سمجھانے

کے لئے اس سے بہتر کوئی کتاب کم از کم میری نگاہ سے نہیں گزری۔اس کو پڑھ کر حج ایک جوش مارتا ہوا زمزم بن جاتا ہے اور حاجی ایک ایسے نور کا حامل ہوتا ہے کہ جو آخر عمر تک اس کے تاریک ماحول میں روشنی بکھیرتا ہے ایک ابدی زندہ رہنے والی اکائی، ایک لامتناہی حرکت بن جاتی ہے، ذہاب مطلق ہو جاتی انسان دار عمل سے دار حساب کی طرف رحلت کرتا ہے، لاشئے سے شئے بن سکتا ہے۔

علی شریعتی کا منفرد انداز اس کتاب میں بھی ہمیشہ کی طرح ہر پڑھنے والے کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے اور اس پر محویت کی وہ کیفیت طاری کرتا ہے کہ جیسے وہ کسی اور عالم کا باسی ہو گیا ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ دل سے نکلی ہوئی بات، دلوں میں گھر کر لیتی ہے اور اسی لیے اس کے پڑھنے والوں کو اس کا انتظار رہتا ہے کہ اس کی کوئی تازہ کتاب منظر عام پر آئے اور وہ اس سے اپنی روح کی پیاس بجھائیں۔

ہم نے زیر نظر کتاب کو کہ جو غالباً پاکستان میں علی شریعتی کی شناخت کا پہلا ذریعہ ہے پہلی مرتبہ اردو پڑھنے والوں کے لئے مکمل صورت میں ترجمہ کی منزل سے گزارا ہے، مگر اسی اسلوب کے ساتھ اور اسی لہجہ کی گرفت میں، بالکل اسی انداز۔۔۔اسی ٹھہراؤ۔۔۔ اسی روانی۔۔۔۔۔اسی سلاست اور اسی ساحرانہ انداز کے ساتھ کہ جو ہر دل و دماغ کو اپنے سے جدا ہر چیز میں ناکارہ اور معطل کر دیتی ہے۔

کتاب کے مختصر سے تعارف کے بعد میں حسب عادت مسلمانوں کے اس عظیم محسن کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے مالک حقیقی سے ان کے ذوات

مقدسہ کے توسط کو جو اللہ کے خزینے ہیں۔۔۔۔علم ومعرفت کے دروازے اور شریعت کی روشن راہیں ہیں، جو بہترین خلائق ہیں۔۔۔۔اشرف کائنات ہیں، خمسۃ النجباء ہیں۔۔۔۔۔چاہتا ہوں کہ حق کے اس متلاشی، منزل عشق کے اس راہ رو، سرمست بادہ صاحب ام الکتاب، پیرو کار حلیف محراب اور دل دادہ خامس آل عبا کو "سراپردہ ستر وعفاف وملکوت" تک پہنچا۔۔۔۔

اور اس تشنہ معرفت کو اپنے کنہ حقیقت سے سیراب فرما۔

سید محمد موسیٰ رضوی

☆☆☆☆☆

پڑھنے والوں سے کچھ باتیں

الٹی پوستین

ایک ''دین شناس'' کی حیثیت سے، خاص طور پر اپنے علمی سبجیکٹ ''تاریخ ادیان'' کے اعتبار سے ۔۔۔۔یعنی (فرانسیس بیکن کی تعبیر میں) میں دینی جذبہ اور فرقہ وارانہ تعصب کی اشک آلود آنکھوں سے ۔۔۔۔۔۔نہیں بلکہ ''خشک علمی آنکھوں'' سے تاریخ کی دینی ''تبلیغات'' اور ہر دین میں ''تاریخی تبدیلیوں کی کیفیت'' اور ''جو کچھ تھا'' ۔۔۔۔اور ۔۔۔۔''جو کچھ اب ہے'' کے درمیان

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شاید یہ تبصرہ مفید ہو کہ میں یہاں ''ادیان'' کی اصطلاح کو ایک تاریخی اور اجتماعی اصطلاح کے عنوان سے اور اس زبان میں استعمال کر رہا ہوں کہ جو ''علم الادیان'' کی زبان ہے اور اس کا اطلاق ہر اس مکتب اور ہر اس دعوت پر ہوتا ہے جو علمی، فلسفی، سیاسی، ادبی اور فنی وغیرہ جیسے مکاتب اور دعوتوں کے مقابل دینی پہلو کا حامل ہو خواہ اس کی جڑیں ماورائی ہوں کہ نہ ہوں کیونکہ ادیان کے برحق ہونے یا نہ ہونے کی بحث موازنے اور پھر اس فاصلے کے موازنے کے بعد کہ جو ''حقیقت'' و ''واقعیت'' ادیان کے درمیان ہے، اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ:

اگر ہر دین کو اس ذمہ داری کی نظر سے جانچا جائے جو انسان کی نجات کے لئے اس کے ذمہ ہے تو ہمیں اجتماعی ترقی ۔۔۔۔۔خود آگاہی ۔۔۔۔۔ارتقا

۔۔۔۔۔۔فرض شناسی۔۔۔۔۔انسانی خواہشات کی تکمیل۔۔۔۔۔اجتماعی طرز فکر۔۔۔۔روح عدالت خواہی اور عزت طلبی۔۔۔۔۔اور پھر مادی قوت کے ساتھ حالات کی بہتری۔۔۔۔۔ طبیعت نگری۔۔۔۔ حقیقت پسندی۔۔۔۔۔۔۔علمی پیش رفت، تعمیر و ترقی۔۔۔۔۔۔امور مدنیت۔۔۔۔ فکری کاوش۔۔۔۔اور عمومی رجحانات کی مرکزیت میں کوئی مکتب، مکتب اسلام سے زیادہ بلند، زیادہ بیدار اور زیادہ مستحکم نہیں ملتا کہ جو رسالت محمدؐ میں ابراہیمی توحید کا آئینہ دار ہے۔

"لیکن اس کے باوجود مجھے کوئی ایسا دین نظر نہیں آتا کہ جو اسلام سے زیادہ انحطاط کا شکار ہوا اور اس نے "جو کچھ تھا" ۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔جو کچھ اب ہے کے درمیان فاصلے کو حد تناقض تک طے کیا ہو۔۔۔۔۔!"

"اگر آپ آج کے موجودہ اسلام کا دنیا کے انحطاط یافتہ یا انحطاط شدہ دیگر ادیان سے موازنہ کریں تو شاید میرے اس فیصلے سے اختلاف کریں، لیکن اس طرح کا موازنہ درست نہیں ہے ہر حقیقت سے روگردانی کے معیار کو خود اس حقیقت کی سرگزشت میں ناپنا چاہئے اور اسے اس کے ابتدائی راہ سیر

حکمت الٰہی اور علم کلام کا کام ہے اور میں ابھی اس منزل میں نہیں ہوں

مہربانی فرما کر ہر جملہ پر توجہ سے کام لیجئے

اور اس نقطہ آغاز سے سمجھنا چاہئے جہاں سے اس نے اپنا پہلا قدم اٹھایا۔"

"اور اگر ہم اس ڈھب سے اسلامی مذاہب کے درمیان تحقیق و تدقیق سے

کام لیں اور انہیں پڑھیں تو ہم تشیع کو اسلام میں اسی طرح پائیں گے جس طرح کہ ادیان میں اسلا۔۔۔۔!''

عجب ہے کہ دوسرے ادیان کے باب میں ''حقیقت'' اور ''واقعیت'' کے درمیان موازنہ میں ''اختلاف'' کا لفظ استعمال ہوسکتا ہے جب کہ یہ لفظ اسلام اور تشیع کی ''سرشت'' کے موازنے میں، اسلام اور تشیع کی تاریخ سرنوشت کو پوری طرح بیان نہیں کرتا اس کے لئے صرف ''تضاد'' ۔۔۔۔۔۔یا۔۔۔۔۔ ''تناقص'' کا لفظ صائب ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور اس سے بھی زیادہ صائب تعبیر، تاریخ میں صرف اور صرف اس شخص کی ہے کہ جو، ہر اسلام شناس سے زیادہ اسلام کو جانتا ہے ہر سماجی علوم کے ماہر سے زیادہ اسلام کی تاریخی سرنوشت کے بارے میں پیش بینی کرسکتا ہے۔ اور ہر سخن شناس سے بہتر تعبیر میں کمال رکھتا ہے اور وہ ہے۔۔۔۔علیؑ۔۔۔۔۔کہ جن باتوں کو اسلام شناس حضرات اور سماجی علوم کے ماہرین تاریخ اسلام کے علمی تجزیے اور بڑی بڑی کانفرنسوں اور کتابوں کی مدد سے کہنا چاہتے ہیں اور اسلام کی ابتدائی حقیقت اور اس کی موجودہ صورت حال یا واقعیت کا ایک دوسرے کے ساتھ موازنہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے تعمیری کردار اور اس کے تباہ کن عمل کو دہرانا چاہتے ہیں، حتیٰ اسلام کے بارے میں حال اور گزشتہ کے بیدار مغز افراد اور فرض شناس روشن خیال لوگوں کے احساس و ادراک کو بیان کرنا اور آپس میں ان کا تقابل کرنا چاہتے ہیں اور اس اسلام کی اچھائی اور جاذبیت اور اس اسلام کی بد

صورتی اور نفرت انگیزی کو واضح کرنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ اسلام کی اس

اور عجیب تر یہ کہ،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام مادی اور معنوی وسائل وعوامل سے لیس کسی طاقت نے کبھی در پردہ اور کبھی کھلم کھلا تاریخ کے ممتاز ترین فلسفیوں، سماجی علوم کے ماہروں ۔۔۔۔۔ مردم شناسوں ۔۔۔۔ منطقیوں ۔۔۔۔۔ علوم انسانی کے ماہروں،

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

خصوصیت کا اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام ان تمام دیگر انحطاط یافتہ ۔۔۔۔۔۔۔ یا ۔۔۔۔ انحطاط پذیر ادیان سے ہٹ کر ایک استثنائی دین ہے اور یہ کہ اسلام تمام ادیان میں پہلا خوبصورت ترین اور پرکشش ترین دین تھا کہ جو تغیر وانحطاط کے عمل سے بدصورت ترین اور ناپسندیدہ ترین دین ہو گیا۔ اور وہی بات جو میں نے کہی کہ بلند پایہ ترین فکری مکتب اور ترقی یافتہ ترین انسانی پیغام، دنیا کے ناپسندیدہ ترین مکتب اور منفی ترین پیغام میں بدل گیا ۔۔۔۔ ان سب کو عامۃ الناس کی زندگی سے متعلق ایک عام سادہ سے استعارے کے ساتھ متین ٹھوس، خوبصورت اور کامل جملے میں بیان کیا ہے:

"لبس الاسلام لبس الفرو مقلوبا"

"اسلام کو الٹی پوستین کی طرح پہنا ہوا ہے"

پوستین لباس ہے مگر دیگر لباسوں سے مختلف جنس میں بھی، شکل میں بھی اور استعمال میں بھی۔ یہ وہ واحد لباس ہے کہ جس کا سیدھا حصہ خوبصورت ترین، دل

کش ترین، اور دیدہ زیب ترین اور الٹا حصہ، بدصورت ترین، سیاہ ترین، ناپسندیدہ ترین ہے خوش نقش ونگار ترین پوستین کو جب کوئی الٹا پہن لے تو بھوت بن جاتا ہے اور بچوں کو اس سے ڈرایا جاتا ہے (مگر آج کی دنیا میں نہیں آج کی دنیا میں بچے اس اسلام سے بھاگتے ہیں؟) پر انسان اس پوستین کو اس رخ سے پہنتا ہے اور بھیڑ اس رخ سے۔

دین شناسوں۔۔۔۔۔ سماجی نفسیات کے ماہروں۔۔۔۔ سیاست مداروں۔۔۔ مستشرقوں۔۔۔ اسلامی علوم کے ماہروں۔۔۔۔۔ قرآنی علوم پر دسترس رکھنے والوں۔۔۔ فقیہوں۔۔۔۔۔ حکمت، عرفان اور اسلامی ادبیات کے ماہروں۔۔۔۔ سماجی روایات اور مشرق وسطے کے لوگوں کی فکری اور باطنی خصائص سے آگہی رکھنے والوں اور ان کمزوریوں۔۔۔۔ جذباتی پہلوؤں۔۔۔ اور اجتماعی اور طبقاتی سلوک سے متعلق خاص رجحانوں کا پتہ لگانے والوں اور ان لوگوں اور ان نظاموں میں شخصیتوں، قابل رشک لوگوں، گماشتوں اور بااثر ہستیوں سے متعلق ایک ٹیم کو اس بات پر مامور کیا ہے کہ وہ گہری اور علمی سطح پر لوگوں کے حالات اور ان کے ماحول کا مطالعہ کریں اور اسلام کا گہرا کھوج لگا کر، اس دین کو حقیقی معنوں میں ''الٹ'' دیں۔

چنانچہ بالکل صاف ظاہر ہے کہ۔۔۔۔

یہ مسئلہ کسی مذہب کے فطری تغیر وانحطاط سے وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ اسلام میں جو چیز رونما ہوئی ہے وہ ''اوندھانے کا عمل'' ہے اور اتنا ٹھوس ہے کہ اسے اتفاقی، حادثاتی، تاریخ میں وقوع پذیر ہونے والے غیر ارادی عوامل یا دوسری ثقافتوں کے

ملاپ کی پیداوار، اسلام میں داخل ہونے والی دوسری قوموں کے روایتی، طبقاتی اور قومی نظریات ۔۔۔۔۔یا۔۔۔۔ دوسروں کے ان سماجی، ثقافتی اور تاریخی اسباب وخصوصیات ومقتضیات کی اثر پذیری نہیں کہا جاسکتا کہ جو عام طور پر ایک مکتب فکری اور مذہبی ایمان پر اثر انداز ہوکر اسے بدل دیتی ہیں اور غلط راہ متعین کرتی ہیں۔

بلکہ بہت صاف انداز میں ظاہر ہوتا ہے کہ۔۔۔۔

بڑی پختگی اور مہارت کے ساتھ عمداً اسلام میں "اوندھانے کے اس عمل" کو جاری کیا گیا ہے، اس طرح کہ اس کے انتہائی ترقی پسندانہ اعتقادی اور عملی پہلو بدترین غیر ترقی پسندانہ معکوس اجتماعی عوامی کی صورت میں بدل گئے ہیں۔

اور دلچسپ بات یہ ہے کہ۔۔۔۔

یہاں بھی تشیع خصوصی طور پر ایک ایسی ہی سرنوشت کا حامل ہے اور یہ بات واضح ہے کہ دو مشابہ سرنوشت یا دو مشابہ طینتیں، دو مشابہ سرنوشت بھی رکھتے ہوں گے۔

زیادہ بہتر تعبیر میں کہنا پڑے گا کہ۔۔۔۔

جس طرح تشیع اسلام کے پیغام کی ترقی پسندانہ ترین تجلی ہے اسی طرح اس اوندھانے کے عمل میں اس کے موجودہ جلووں کی صورت ۔۔۔۔۔مسلماً غیر ترقی پسندانہ ترین ہوگی۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسلام کے ترقی پسندانہ ترین ایمانی یا عملی پہلو، کہ جو اپنے پیروکاروں کو بیداری، آزادی اور حرکت وعزت کی ضمانت دیتے ہیں اور

سب سے زیادہ قوت اور سماجی ذمہ داری کو رو بعمل لاتے ہیں ''توحید''
۔۔۔۔۔۔''جہاد''۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔''حج'' سے عبارت ہیں۔

اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ توحید کا درس اب درس گاہوں میں ختم ہو رہا ہے اور اگر کہیں اس کا ذکر ہے تو وہ صرف حکمائے الٰہی اور عرفائے ربانی کی محفلوں میں، وہ بھی کلامی اور فلسفیانہ صورت میں، فرد بشر سے بیگانہ اور زندگی سے نامانوس ذہنیت کے ساتھ، اور پھر توحید سے زیادہ، اثبات وجود خدا کا اس میں دخل رہتا ہے اور عملاً توحید یعنی ہیچ!

یہ ایک حل شدہ مسئلہ ہے!

کہ جو دشمن کے حق میں زیادہ اور اس کے حق میں کم مفید ہے۔

اور جہاد ایک فراموش شدہ لفظ ہے کہ جسے تاریخ کے حوالے کر دیا گیا ہے اور امر بالمعروف اور نہی از منکر کہ جو فلسفہ جہاد ہے ایک تکفیری تازیانہ ہے کہ جو دشمن کے سر پر نہیں بلکہ دوست کے سر پر برستا ہے۔

اور حج، وہ بد شکل ترین اور غیر معقول ترین عمل کہ جو مسلمانوں کے بیچ ہر سال تکرار ہوتا ہے۔

اور تشیع سے مخصوص ترقی پسندانہ ترین ایمانی اور عملی جہات میں کہ جو نوع بشر کی رہبری، روح حریت طلبی اور انقلابی ذمہ داری کو مسلمانان عالم کے درمیان علیٰ صفت القا کرتا ہے۔

امامت۔۔۔۔۔۔عاشورا۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔انتظار ہے

اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں پہلی جہت، تکلیف یا ذمہ داری کے مقابل آلہ

توسل، دوسری مکتب ''مصائب''اور تیسری فلسفہ تسلیم بن گئی کہ جہاں ظلم وستم اور جبر بدی کی توجیہہ ہونے لگی اور اصلاح عمل اور عدالت کی راہ میں قیام پر اٹھنے والے ہر قدم کو پہلے ہی سے روک دیا گیا!

اور ان سب چیزوں کو ایک سیاست سے حاصل کیا گیا۔اور یہ وہ سیاست تھی کہ جو دعا کی کتاب کو قبرستان سے شہر لائی اور قرآن کو شہر سے عالم زیست سے قبرستان لے گئی اور اسے مردوں کی روح پر وار دیا،اور دینی تعلیم کے مراکز میں ''اصول'' کو اسلامی علوم کے محصلین کے سامنے رکھ کر قرآن کو ان کے ہاتھوں سے لے لیا اور اسے اپنے کمرے کے طاقچہ پر رکھ دیا۔

اور ظاہر ہے کہ جب قرآن نے بھی ملت مسلمہ کی زندگی اور نیز اسلام کو ترک کر دیا اور اس کے غیاب میں سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔۔۔۔جیسا کہ کیا۔۔۔۔!

ایک روشن خیال آدمی اپنے لوگوں کے سامنے ذمہ داری کا احساس کرتا ہے ایک مسلمان شخص اپنے ایمان کی بدحالی کے مقابل اور ایک روشن خیال مسلمان کہ جس کی دگنی ذمہ داری ہے اپنے ایمان کے بلند و بالا اقدار کے بگاڑ کے سامنے بھی۔۔۔۔اور اپنے لوگوں کے انحطاط پر بھی رنجیدہ خاطر ہوتا ہے اس سے بڑا رنج اور اس سے بڑا دکھ اسے یہ ہوتا ہے کہ وہ دیکھتا ہے کہ۔۔۔۔

اس کا معارہ، اس روح و دم مسیحائی کے ساتھ کہ جو مردہ جسموں میں جان ڈالتا ہے۔۔۔۔اور ۔۔۔۔۔نابینا کو بینائی عطا کرتا ہے اس طرح مردہ اور اس طرح نابینا ہو جاتا ہے!

آخر اسلام اور تشیع، مسلمان معاشرے، شیعہ نفوس اور خاص طور پر اسلام اور

تشیع کے ان، اعلیٰ تعمیری خوبیوں سے متصور تین نکاتی جہت کے مقابل اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔۔۔؟ اس کی سوچ اور اس کے احساسات کیا ہیں۔۔۔۔؟

کیا وہ خاموش رہ سکتا ہے۔۔۔۔۔۔!

کیا ایک مغربی آئیڈیالوجی سے تمسک اس درد کی دوا ہے، کیا یہی نجات کا راستہ ہے۔۔۔؟

کیا یہی بہانہ کہ "اسلام اور تشیع کی سرنوشت کے بارے میں علماء ذمہ دار ہیں" ان سے سلب مسولیت کر سکتا ہے؟ اور وہ یوں ہی لا حاصل انتظار میں صدیوں اور بیٹھ کر، روشن خیالانہ بڑبڑاہٹ کے ساتھ اظہار وجود کرتا رہے گا۔۔۔۔؟

اگر اسلام، فلسفے یا سائنس کی کوئی ماسٹر ڈگری نہیں۔۔۔۔۔۔ بلکہ۔۔۔۔ خاص طور پر شیعی اعتبار سے، ایک "پیغام" ہے تو پھر اس کے مخاطب راست طور پر "عوام الناس" ہیں اور بس بیدار و آگاہ روشن فکر ہے کہ جو اس کے سامنے براہ راست ذمہ دار ہے۔

اور تم۔۔۔۔۔۔ اے میرے ہمدرد روشن خیال دوست اور اے میرے ہم مذہب مسلمان! خواہ اپنی توجہ کو خلق خدا کے آگے اپنی ذمہ داری جانو یا خدا کے آگے۔۔۔۔ عمل کی منزل میں ہمارا کام ایک، اور ہماری ذمہ داری ایک ہے۔۔۔۔!

وہ راستہ جو ہمارے دشمن نے ہماری ذلت کے لئے منتخب کیا ہے ہمارے لئے بہترین رہنما ہے تا کہ ہم اسے اپنی عزت کے لئے انتخاب کریں۔

"مراجعت" بالکل اسی راستے سے جس راستے سے وہ ہمیں لے گیا ہے۔

قرآن کو قبرستان سے اٹھا کر شہر لانا۔۔۔۔اور ازیں پس اسے زندوں کے لیے تلاوت کرنا! اور طاقچہ سے اسے اتار کر محل درس میں لانا

وہ قرآن کو مٹا نہیں سکے، انہوں نے اسے بند کر دیا اور ایک ''متبرک شے'' بنا دیا ہمیں چاہئے کہ ہم اسے پھر ''کتاب'' بنائیں اور قرأت کی منزل میں لائیں کیونکہ قرآن کے معنی ہیں ''پڑھی جانے والی کتاب''

کیا وہ دن آئے گا۔۔

جب ہم یہ دیکھیں کہ ہمارے دینی مدارس میں، اسلامی تعلیمات کے لیے متعین کتابوں کے درمیان قرآن کو بھی ایک درسی کتاب کی صورت میں تسلیم کر لیا گیا ہے۔۔۔؟

کیا وہ دن آئے گا کہ۔۔۔۔۔۔

جب ہم یہ دیکھیں کہ اجتہاد کے درجے تک پہنچنے کے لیے قرآن کو بھی ایک دینی کتاب کے عنوان سے پڑھنا ضروری ہو گا۔

اگر ہم قرآن کو اپنی زندگی اور اپنے مذاہب میں واپس لوٹائیں تو وہ توحید کو۔۔۔۔ایک جہاں بینی کی طرح۔۔۔ہمیں واپس لوٹائے گا، اور توحید میں حج، جہاد، امامت، شہادت اور انتظار اپنی حیات آفریں روح کو پالیں گے اور ہم بھی اپنی روح اور اپنی زندگی کو!

اور اب ہم حج کی طرف آتے ہیں۔۔۔۔۔۔!

اس حج کی طرف جو جہاں بینی توحید ہے!

حج کے بارے میں میری گفتگو کا مجموعہ کہ جو میرے غور و فکر اور ان تجربات کا

نچوڑ ہے جسے میں نے تین مرتبہ کے حج اور ایک مرتبہ کے سفر میں حاصل کیا، تین جلدوں میں مدون ہوا ہے:

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

(جلد اول)

تیئس سال تیئس دنوں میں

حج کے لئے وہ 23 دن جسے ہر ایرانی جزیرہ نمائے عرب میں گزارتا ہے، میرے وہ افکار جنہیں میں برسوں مکمل طور پر رسولؐ خدا اور ان کی زندگی کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔

ہماری مذہبی شخصیتوں میں جناب رسالتمآبؐ کی ذات گرامی شناخت کے اعتبار سے اس منزل پر نہیں ہے کہ جو دوسروں کی ہے۔ اگر آپؐ کی زندگی کے

اس کی مثال 28 صفر ہے کہ جو جناب رسالت مآبؐ اور جناب امام حسنؑ دونوں کی وفات اک دن ہے لیکن ہم نے نہیں دیکھا کہ امام حسن علیہ السلام کی عزا داری کے مراسم میں کسی کو جناب رسالت مآب کی یاد بھی آئی ہو بن قرآن اور بن پیغمبرؐ کے

بارے میں گاہے کوئی بات آتی بھی ہے تو وہ فرقہ وارانہ مسائل اور کلامی اور تاریخی جھگڑوں اور شیعہ سنی اختلافات کے ضمن میں ہوتی ہے اور نتیجتاً ہمیشہ ان کی حیرت انگیز اور سبق آموز شرح حال میں صرف خاص اور محدود باتیں ہی بار بار سامنے آتی ہیں اور وہ بھی تحقیقی نقطہ نگاہ سے اور مستقل تحقیق سے نہیں بلکہ پہلے سے متعین شدہ، یک طرفہ اٹل قضاوتوں اور کھینچا تانی کے ساتھ کہ جو تقلیدی اور زیادہ تر

متعصبانہ ہوتی ہیں۔۔۔۔!

یہی وہ باتیں ہیں کہ۔۔۔۔

میں کئی سال سے جناب رسالت مآبؐ کے جذبہ زندگی، عظمت روح اور حیرت انگیز شخصیت کے بارے میں مسلسل سوچ رہا ہوں اور میں نے رسالتؐ کی 23 سالہ زندگی کو۔۔۔۔ مکہ میں ہر ہر سال اور مدینہ میں ہر ہر ماہ کے اعتبار سے تدوین کیا ہے۔

اور جو کچھ میں نے تاریخ میں اس "عظیم امی پیغمبر" کی زندگی کے بارے میں پڑھا ہے اسے پیغمبرؐ کی سرزمین پر ان چار مسلسل اسفار کے دوران جغرافیہ میں پایا ہے، اور آپؐ کی سرگزشت کو آپؐ کی سرزمین پر اتارتا رہا ہے۔

اور اسی بنیاد پر میں نے جناب رسالت مآبؐ کے زمانے سے متعلق جزیرہ نمائے عرب کا ایک نقشہ مرتب کیا ہے اور اس نقشے میں، اس دور کے تمام قبائل کی نشان دہی کی ہے میں نے مکہ اور مدینہ کے شہر سے متعلق نقشے کو

اسلام کو بلوغت تک پہنچانا واقعی شاہکار، اور لوگوں کے ذہنوں میں اتارنا واقعی اعجاز ہے!

(خیال رہے کہ یہ گفتگو ایران کی حد تک امکان صحت رکھتی ہے اردو مترجم)

جناب رسالت مآبؐ کے زمانے کے اعتبار سے مرتب کیا ہے اور جہاں کہیں بھی آپؐ کے اور آپؐ کے ساتھیوں کے نقش قدم ملے ہیں کہ جن کا تعلق آپؐ سے رشتے، دوستی یا دشمنی کی بنیاد پر رہا ہے، ان کی میں نے مکہ، مدینہ، طائف اوران

کے اطراف کے علاقوں میں نشان دہی کی ہے اور آپ ؐ سے متعلق سفر کے تمام راستوں، تمام جنگ کے میدانوں، اور زندگی کے تمام آثار کو۔۔۔۔ جہاں کہیں بھی آپ ؐ گئے اور جہاں کہیں سے آپ ؐ گزرے۔۔۔۔۔کھوج لگایا ہے اور ان تمام علاقوں، ان تمام شہروں اور ان تمام پہاڑوں اور صحراؤں کا پتہ لگایا ہے کہ جن سے آپ ؐ کی نسبت رہی ہے۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔بدر واحد وخندق وبنی قریظہ وخیبر وفتح حنین وطائف وغیرہ اور پھر مکہ اور مدینہ میں محلّہ بنی ہاشم کے ہر ہر گھر کا پتہ یہاں تک کہ اس کا مکمل خاکہ۔۔۔۔علاوہ ازیں مسجد نبوی ؐ ور آپ ؐ کی ازواج کے تمام گھر، مدینہ منورہ میں جناب سیدہ کا خانہ اطہر، جناب خدیجہ اور جناب ابو طالب کی رہائش گاہیں، جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کا مولد، ائمہ اور اصحاب کے گھروں کا مکمل پتہ۔۔۔۔۔مکہ میں آپ ؐ کے بڑے دشمنوں کے ٹھکانے۔۔۔۔ان سب چیزوں کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ آج کے مکہ، مدینہ اور طائف کی بدلی ہوئی صورت میں ان کی شناخت آسانی سے ہو چکے اور جناب رسالت مآب ؐ کے گھرانے، آپ ؐ کی اجتماعی زندگی اور شہر کی کیفیت کا مکمل نقشہ ذہن میں مرتب ہو سکے اور آپ تاریخ کو زندہ رکھ سکیں اور اپنے آپ کو اس زمان ومکان اور اس اوضاع واحوال میں محسوس کریں کہ جس کا تعلق ہماری روح سے ہے۔

اور اس طرح تم، اے حج سے مشرف ہونے والی ایرانی حاجی! ان 23 دنوں میں ہر جگہ جناب رسالت مآب ؐ کے ساتھ رہ سکتے ہو

13 دن مکہ میں گزارو۔۔۔۔۔ان 13 سالوں کی علامت کے طور پر جو

آپؐ نے مکہ میں گزارے۔۔۔۔۔۔۔اور پھر طائف کا سفر اختیار کرو وہیں جہاں کہ آپؐ تشریف لے گئے۔۔۔۔

ایک سفر دعوت کا اور ایک جنگ کا

اور پھر مہاجروں کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کرو اور راستے میں ربذہ اور بدو کو بھی دیکھی اور پھر ''قبا'' میں آؤ اور ازآں پس مدینہ پہنچو اور وہاں کی ہر اس سڑک، ہر اس گلی اور ہر اس جگہ کو ڈھونڈو کہ جو آپؐ کا، آپؐ کے گھرانے کا، اور آپؐ کے دوستوں کا پتہ دیتی ہو۔

اور پھر خیبر کا سفر اختیار کرو۔۔۔۔

اس خاموش اور اجاڑ قلعے کا جو اسی طرح سے باقی ہے جس طرح چودہ صدی پہلے تھا اور اس کے مرطوب نخلستانوں کی انتہائی پر اسرار خاموشی میں تم پیراماؤنٹ کے بلند پہاڑوں کی اونچائی پر یہودیوں کے قلعوں کا مشاہدہ کر سکتے ہو اور ایک ایک کو پہچان سکتے ہو اور۔۔۔علیؑ کی اس گرجدار آواز کو سن سکتے ہو کہ جواب بھیا س درے کی گزشتہ یادوں کے سکوت میں گونج رہی ہے۔

اور آپ کے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو:

چشمہ علیؑ کو۔۔۔۔۔۔مسجد علیؑ کو۔۔کہ جو آپؐ کو فوجی اڈہ رہا ہے، پہاڑ کی تیز ڈھلان میں مرحب کے قلعے او اور دوسرے حصاروں کو کہ جو ابھی تک باقی ہیں۔۔۔ان گھروں کو کہ جو خالی ہیں۔۔۔۔۔اور خیبر کے ان نخلستانوں کو جن میں سکوت اور سناٹے نے گھر کر رکھا ہے۔۔۔۔

اور جنگ کے میدانوں، محاذوں اور صف آرائیوں کے مکمل نقشے کو کہ جو ان

سرگزشتوں میں، بدر و احد و خیبر و حنین و مکہ کی سرزمینوں میں وقوع پذیر ہوئے ہیں ـ ـ ـ ـ ـ

اور مدینہ میں دس دن جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ گزارو، جہاں آپؐ گئے ہیں وہاں جاؤ اور ہر جگہ علیؑ کو بھی دیکھو، انہیں آپؐ کے ساتھ پاؤ اور تمام اصحاب و بھی، یہاں تک کہ اصحاب کے گھروں اور ہر جگہ کو۔

موجودہ مدینہ میں گزشتہ مدینہ کو

اور اس طرح تم اسلام کے ولولہ انگیز، عشق آمیز اور تحریک اور جہاد بھری تاریخ میں اتر جاؤ اور اپنے آپ کو تاریخ آدمی کے ان بابرکت 23 برسوں میں مہاجر و انصار کے درمیان پاؤ اور اس طرح حج کے ضمن میں تاریخ اسلام اور پیغمبرؐ کی سیرت کا بھی مشاہدہ کرو اور ایک مکمل، زندہ اور اسلام میں تبدیلی لانے والے دورے حج کے ساتھ ساتھ گہوارہ اسلام، محترم ترین زمین و زمان، مناسب ترین حالات اور عمر کے آزاد ترین حصے میں ـ ـ ـ ـ ـ ـ کہ جس میں زیادہ تر وقت بے ہودہ باتوں، بے ہودہ انتظاروں، خرید، تماشائے خرید اور خریداروں سے متعلق گفتگو میں ضائع ہو جاتا ہے ـ ـ ـ ـ کچھ حاصل کرو۔

ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ

یہ جو حج کے ساتھ ساتھ مدینہ کی زیارت کی تاکید عمل میں آئی ہے اور پیغمبر اکرمؐ سے یہ روایت ہے کہ ''جو کوئی حج کے لئے آئے اور مدینہ میں میری زیارت نہ کرے اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے'' میرے خیال میں اس لیے ہے کہ تم جو حج میں توحید کو سیکھتے ہو، ابراہیمؑ کو سمجھتے ہو، مدینہ میں اسلام کو سیکھو اور پیغمبرؐ کو پہچانو کہ جو

مداوم تاریخ ابراہیمؑ اور متمم پیغام توحید ہیں اور تم مدینہ میں درس حج کی آخری کڑی کی تاسی اور مکتب حج کی تکمیل کرو وگرنہ جناب رسالت مآبؐ ان باتوں سے کہیں بلند و بے نیاز ہیں کہ وہ ہماری یا تمہاری زیارت کے منتظر ہوں اور ان کا اسلام اس بات سے کہیں زیادہ بلند اور کہیں زیادہ اصولی ہے کہ جو چیز زندگی میں فضول و بے ثمر اور اذہان پر بے اثر ہو۔

(جلد دوم)

ابراہیمؑ کے ساتھ میعاد

آدمؑ، ابراہیمؑ، توحید، فلسفہ تاریخ اسلام کے بشری پیغام اور اس کے فکری، تاریخی، اجتماعی، اخلاقی یا علم الانسان میں توحید شرک سے متعلق قاعدہ عمل اور حج اور فلسفہ حج کا اصلی خطوط پر مبنی خاکہ

(جلد سوم)

مناسک

مناسک ''نسک'' کی جمع ہے یہ نسک اپنے اندر کتنے مفہوم رکھتا ہے؟ پرستش، پارسائی، ریاضت، خدا اور اس چیز کے آگے خشوع جو انسان کو خدا سے نزدیک

کرتی ہے اور جو عمل آدمی اس کے لیے کرتا ہے، پہناوے کو دھونا اور پاک کرنا، گھر پہنچنا، صحیح راہ اور خوبصورت روش پر چلنا اور اس پر قائم رہنا، ہر وہ حق کہ جس کا تعلق خدا سے ہے، ہر وہ چیز جو خدا کے حضور پیش کی جائے، خون اور خوں بہا۔

انسان ناسک: یعنی وہ عبادت گزار انسان کہ جو پارسا ہو

ارض ناسک: وہ سرسبز و شاداب زمین کہ جس پر ابھی بارش برسی ہو

منسک: مانوس اور جانی پہچانی سر زمین، وہ دیار کہ جس سے دل کو کوئی الفت یا وابستگی ہو اور وہ راستہ کہ جسے خداوند عالم نے ہر امت کے

وہ آخرت میں اس کا صلہ دے اور اس کام یا اس عمل میں کہ جس میں نہ خود کے لیے اور نہ خلق خدا کے لیے اصلاح کا پہلو ہو، اس میں ثواب کو رکھے۔

سامنے رکھا ہے تا کہ وہ نجات اور حق کی جستجو میں اس راہ پر چلیں!

اور-----

''مناسک'' نہ تو حج کے آداب و اعمال میں ایک پورا فقہی رسالہ ہے اور نہ ہی اس آداب کے فلسفے اور ان اعمال کی تفسیر و تحلیل میں ایک مکمل فکری رسالہ ہے بلکہ حج میں اس کے آداب و اعمال کا خصوصی نام ''مناسک'' ہے اور یہ وہ نام ہے جسے اسلام نے خود اسے دیا ہے۔

اور یہ بات بتاتی ہے کہ حج کے بارے میں میری تعبیر----کہ حج ''حرکتوں'' کے مجموعے کا نام ہے ''وہ حرکات کہ جن میں انضباط ہو'' اور جن کی ''وقت'' سے وابستگی ہو اور وہ اجتماعی صورت لیے ہوئے ہوں-----اس تسمیہ

کے ساتھ سازگار ہے۔

ان آداب و احکام کے بارے میں یہ تحریر اللہ کے ایک حقیر بندے کی تفسیر و تحلیل ہے اور کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے مطابق حج کے رسوم کو ادا کرے اس لیے کہ یہ مناسک ایک فکری رسالہ ہے فقہی نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ۔۔۔۔۔۔

میں نے صرف اس بات کی کوشش کی ہے کہ ''مناسک حج'' کی تفسیر کروں وہ بھی ایک ''عالم دین'' اور ''اسلامی مرجع'' کی حیثیت سے نہیں ایک عام حاجی کی حیثیت سے کہ جس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ واپسی پر حج کے بارے میں اور ان باتوں کے بارے میں جنہیں اس نے وہاں اخذ کیا ہے گفتگو کرے، اور کرتا ہے اور دوسروں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کی گفتگو سنیں، اور وہ سنتے ہیں

اور یہ صرف ایک '' حق'' نہیں ہے اور شاید یہ رسم کہ جو حج سے واپسی میں۔۔۔۔۔ اس رسم سفر کی طرح نہیں کہ جس میں لوگ مسافر کو دیکھنے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ حج کا زائر خود اپنے رشتہ داروں، محلے والوں اور دوست احبابوں کی دعوت کرتا ہے۔۔۔۔ اس لیے ہو کہ اس طرح ہر سال حج کا مسئلہ لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہو اور اس سے متعلق باتیں گفتگو کا موضوع نہیں اور ہر شخص خدا اور خلق خدا کے ساتھ اپنے معیاد میں حاصل شدہ چیزوں کو اپنی سرزمین پر بطور سوغات لائے اور اسے اپنے مجمع میں تقسیم کرے۔

اور یہ ''حج کا ایک بڑا سبق'' ہے کہ جس میں ہر سال وہ اقلیت کہ جو صلاحیت کی حامل ہے ''عملاً اور وہ اکثریت کہ جو ''صلاحیت کی حامل نہیں ہے'' نظراً شرکت

کرتی ہے"

اور اگر وہاں جس قدر سونے، کھانے، حفظان صحت، تحفے تحائف، بدنما آمرانہ تظاہر اور مزاج حج کے برخلاف تجمل نمائیوں پر توجہ دی جاتی ہے ان لوگوں کی تفہیم و تلقین پر توجہ دی جاتی کہ جو دنیا کے کونے کونے سے دور دراز کی بستیوں سے اور پسماندہ ترین قبائل میں سے حج کے لیے آتے ہیں اور تعصب تکیہ، موشگافی اور وسواس کو اپنے ساتھ لاتے ہیں اور اگر حج کے معنی اور معنویت کی تفہیم کا ایک ہزارواں حصہ بھی عمل میں آتا تو۔۔۔۔

حج، ہر سال تدریس کا ایک ایسا دور ہوتا کہ۔۔۔۔۔

جو ایک ماہ کی عملی اور نظری، اسلام شناسی کے عمل میں لاکھوں آزاد اور مشتاق نمائندوں کو روح حج، پیغام اسلام، مکتب توحید اور مسلمان قوموں کی سرنوشت سے آگاہ کرتا اور پھر وہ؟

بھری جھولیوں کے ساتھ۔۔۔۔

اپنے ملکوں، اپنے شہروں، اپنے دیہاتوں، اپنے کام کاج اور دینی مرکزوں میں واپس آتے اور جو کچھ انہوں نے حاصل کیا ہے اسے اپنے لوگوں کو سکھاتے

اور اس طرح۔۔۔۔۔

حج، ایک جوش مارتا ہوا زمزم ہوتا کہ جو ہر سال مسلم امہ کو اپنے بکھرے ہوئے ایمان و اندیشے سے سیراب کرتا اور ایک حاجی اپنے اس عہد کے ساتھ جسے اس نے حجر اسود کو چوم کر کیا ہے، لوگوں کے درمیان ایک ایسے نور کا حامل ہوتا کہ جو اس کی عمر کے آخری حصے تک اس کے تاریک ماحول میں روشنی بکھیرتا رہتا۔

اس طرح اگر ہر کوئی اپنی سطح ادراک کے مطابق لوگوں کو کم از کم ایسے موقع پر جب وہ بیٹھا ہے اور تین چار سو کی تعداد میں اس کے رشتے دار، دوست احباب اور دفتر یا کاروبار کے ساتھی اسے دیکھنے کی غرض سے اس کے گرد جمع ہیں، سفر سے متعلق عام سی دہرائی جانے والی پست دپوچ سی باتوں کے ساتھ مکتب حج سے آشنا کرے تو ہر سال ساری دنیا کے مسلمان، ایک ملین پانچ لاکھ مدرسین حج کے ذریعے تعلیم پائیں گے اور یہ سنت اسلامی کہ مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود لوگوں کو اپنی ملاقات کے لیے دعوت دے دو موارد میں ہے۔

ایک: حج، اور دوسرے وفات!

حج پر سوچنے یا ذہن کو منتقل کرنے کے لیے، سال میں ایک بار، ایک خاص موقع پر وفات یا موت پر سوچنے کے لیے!

ظاہر ہے موت کا کوئی وقت نہیں ہوتا، موت اپنی قربانی کی اطلاع نہیں دیتی۔۔۔۔۔!

مگر موت کی قربانی تمہیں اطلاع دیتی ہے

خبردار۔۔۔۔!

وقت۔۔۔۔۔! وقت۔۔۔!

حج کو تمام مذہبی یا غیر مذہبی احکام و اعمال میں امتیاز حاصل ہے۔

نماز ''کشش روح ہے، دنیا کے معنوی مرکز کی طرف'' علام وجود کے سب سے بڑے معبود و مطلوب کی طرف اور بقول ''دیکارتھو گو''

''(نماز) ایک ''انتہائی حقیر ہستی'' کی ایک ''انتہائی اعلیٰ ذات'' کے مقابل

ایستادگی ہے۔''

یہ ایک ''مشخص ثابت مفہوم'' ہے البتہ درجات میں متفاوت ہے

جہاد، ایک ''اعتقادی جنگ'' ہے البتہ اس کے فہم کا درجہ مجاہد کی سوچ کی گہرائی سے وابستہ ہے۔

اور یہی صورت روزے اور زکوۃ کی بھی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن

حج۔۔۔۔۔

کون، ایک مشخص عبارت سے اس کی تعریف کرسکتا ہے؟

حج کیا ہے۔۔۔۔۔؟

اس سوال کا جواب شاید ان تمام حاجیوں کی تعداد کے برابر ہو کہ جو اپنی فکر سے کام لیتے ہیں

حج۔۔۔۔۔جس مفہوم میں بھی لیا جائے۔۔۔۔۔ایک حرکت ہے ''خلق'' سے ''ہمگام'' ۔۔۔۔۔''خود'' سے ''خدا'' کی طرف

حج، ایک متشابہ آیت کی طرح، ایک متشابہ حکم ہے!

قرآن میں دو طرح کی آیتیں ہیں محکم اور متشابہ

محکمات ایک پہلو یا ایک مفہوم رکھنے والی آیتیں ہیں اور ایک ایسی گفتگو ہے کہ جس کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہے اور متشابہات کسی پہلو رکھنے والی آیتیں ہیں کہ جو ذہن کو کئی راستوں پر لے جاتی ہیں اور اس سے کئی مفہوم لیے جاسکتے ہیں۔

مگر شاداب ترین اور اساسی ترین مفہوم ان ہی ''متشابہات'' کے ظروف میں پنہاں ہیں اور یہی وہ آیتیں ہیں کہ جو ہر دور میں ہر انکشاف کے ساتھ اپنے بے

شمار بطون میں سے کسی نہ کسی بطن کو ظاہر کرتی ہیں اور افکار و احساسات کے تغیر و تکامل کے ساتھ اسرار بیان کی تہ بہ تہ پیچیدہ بافت بھی کھلتی اور روشن ہوتی رہتی ہے۔

ان متشابہ آیتوں سے متعلق پر اسرار صدف کے سینے میں، وہ کچھ کہ جسے آئندہ صدیوں کے غوطہ زن افکار کو شکار کر کے نکالنا ہے آج کے اور گزشتہ کے لغزاں افکار اور محدود نگاہوں سے چھپا دیا گیا ہے۔

اور یہ کئی رنگوں کی حامل، سو پہلو والے منشور سے وابستہ متشابہ آیتیں ہی ہیں کہ جنہوں نے ایک طرف قرآن کی گفتگو کو ایک ایسے سادہ پیام کی صورت دی ہے کہ جسے ایک صحرا گرد بدوی بھی آسانی سے سمجھ لیتا ہے اور اپنے آپ کو اس کا مخاطب پاتا ہے اور دوسری طرف ایک متمدن فلسفی اس کے فنی اعجاز اور اس کی معنوی شادابی اور فکری پیچیدگی کی گہرائی سے انگشت بدنداں رہ جاتا ہے اور اس کی متجسس فکر اور اس کا معنی یاب دل کبھی اس کی انتہا کو نہیں پاتا اور اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

اور یہی متشابہ آیتیں ہیں کہ جنہوں نے اس کتاب کی دائمی تازگی، اس کی اثر پذیری، جادوانیت اور سبق آموزی کو گزرتے ہوئے وقت میں ـــــ کہ جو ہر چیز کو کہنہ و فرسودہ کو دیتا ہے، مارتا ہے اور نئی تخلیق کو سامنے لاتا ہے ـــــ اس زمین پر ـــــ کہ جو محل "کون و فساد" اور "موت و حیات" ہے ـــــ قائم رکھا ہے ـــــ!

میری نظر میں احکام بھی آیات کی طرح محکم اور متشابہ میں تقسیم ہوتے ہیں ـــــ جہاد ایک "محکم حکم" ہے اور حج "متشابہ"!

اور جس چیز نے اس ''متشابہ حکم'' کے فہم کو زیادہ مشکل کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے بیان کے لیے جس زبان کا انتخاب عمل میں آیا ہے وہ ایک ''اشاریہ زبان'' ہے جسے آج کی اصطلاح میں ''سمبولیک'' کہتے ہیں۔

اور جس چیز نے اس کی دشواری کو اور زیادہ بڑھایا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ''اشاریہ زبان''۔۔۔''لفظ''۔۔۔۔نہیں،۔۔۔۔۔''حرکت'' ہے۔

اور وہ بھی صامت حرکت!

''ایک ایسا متشابہ حکم'' کہ جو ''اشاریہ حرکات'' سے بیان ہوا ہو!

حج میں صرف ''زبان'' نہیں کہ جس نے اسے متشابہ کیا ہے بلکہ اس کی معنویت متشابہ ہے۔

مگر کیوں۔۔۔؟

اس لیے کہ حج اتنا عام اور سادہ نہیں ہے کہ وہ اپنے اندر کی ہر بات کو ایک نسل اور ایک عصر کے لوگوں کے سامنے اگل دے اور اپنے باطن کو ایک ''فہم'' کی ضرورت اور ایک ''احساس'' کی تقویت کے لیے دستر خوان بنائے اور وہ دوسرے اعصار کے لیے ایک تکراری قاعدہ اور دوسری نسلوں کے لیے صرف ایک عبادی حکم، یکساں طور کا ظاہری ضابطہ، بے کار، بے روح، بے نقش، بے ثمر، بے مغز، کہنہ وفرسودہ اور ایک تاریخی چیز بن جائے۔

اور پھر حج نہیں چاہتا کہ وہ ایک عقیدے، ایک دستور، یا ایک ''اہمیت'' کو اجاگر کرے حج ایک پورا اسلام ہے اسلام ''الفاظ'' کے ساتھ ''قرآن'' اور ''انسانوں'' کے ساتھ امام ہے۔

اور حج کے ''حرکات'' کے ساتھ!

اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ خدا نے جو کچھ بھی آدمی سے کہنا چاہا ہے اسے یکجا طور پر حج میں ڈال دیا ہے۔۔۔۔!

فلسفہ وجود اور جہاں بینی سے لے کر خلقت انسان، سیر تاریخ، مراحل تکامل بشر۔۔۔ زمین پر اس کی پیدائش کے آغاز سے منزل کمال کی آخری چوٹی تک۔۔۔ اور پھر وہ سب کچھ جسے اس کو سیکھنا ہے، بندگی کے وہ مراحل جن کو اسے طے کرنا ہے تا کہ وہ اس کے الٰہی معراج کی بلندی کو حاصل کرے۔

اور آخر کار نظام تکوین ''نوع بشر'' ۔۔۔۔ ''مثالی بشری امت'' کی تشکیل تکامل ''فرد بشر'' ۔۔۔۔ دائمی تغیر کی اساس ۔۔۔۔ ''مستحکم نظام'' اور زمانے سے اس کی پوری ہم آہنگی ۔۔۔ ''بلندی اجتماع'' اور کلی طور پر خدا جیسی ابدیت مطلق اور کمال لامتناہی کی سمت ایک گروہ کی اپنے انتخاب اور اپنے ارادے سے حرکت۔۔۔

اور پھر ہدایت کا مسئلہ۔۔۔۔

اخلاقی اقدار۔۔۔ امامت ۔۔ امت ۔۔۔ مکتب ۔۔۔ تاریخی اتصال ۔۔۔۔ بشری ''اجتماع'' ۔۔۔ ثقافتی ''اشتراک'' ۔۔۔۔ سیاسی ''اتحاد'' ۔۔۔ طبقاتی اتحاد ۔۔۔ نسلی اتحاد ۔۔۔۔ اعتقادی اتحاد۔۔۔۔

راستہ ۔۔۔ حرکت ۔۔۔ جہت ۔۔۔ رہبری ۔۔۔ ہدف ۔۔۔۔ ذمہ داری ۔۔۔۔ آئیڈیالوجی ۔۔۔۔ ایثار ۔۔۔ تقویٰ ۔۔۔ بیداری، خود آگاہی ۔۔۔۔ تشکیل لشکر ۔۔۔۔ صف آرائی ۔۔۔ آمادگی ۔۔۔۔

اسلحہ۔۔۔۔اسٹریٹجی۔۔۔۔۔ جہاد۔۔۔۔ شہادت۔۔۔۔

عشق۔۔۔۔ خون۔۔۔۔۔۔کامیابی۔۔۔۔ آزادی۔۔۔۔۔۔ نیز توحیدی جہاں بینی اور فلسفہ وجود سے لے کر لڑائی۔۔۔امتیازی سلوک اور بھوک سے جنگ تک۔۔۔سبھی کچھ اس میں موجود ہے۔

علاوہ ازیں۔

خدا بھی اور روٹی بھی

بندگی بھی اور نجات بھی

اصلاح نفس بھی اور امت میں فرد کا الحاق بھی

پھر مخلوق خدا کے لیے ایثار

لیکن، اپنی خاطر نہیں

خلق خدا کی خاطر بھی نہیں

خدا کی خاطر۔۔۔۔۔!

ان تمام باتوں کو خدا نے حج میں ڈال دیا ہے!

میں نے حج سے کیا سیکھا ہے؟

لیکن اس سے پہلے اس سوال کا جواب ضروری ہے کہ:

بنیادی طور پر حج کیا ہے؟

کلی طور پر دیکھا جائے تو حج اللہ کی سمت، انسان کا جسمانی سفر ہے بنی نوع انسان کے خلقت کے فلسفے کی ایک ایثاریاتی تمثیل ہے اور جو کچھ اس فلسفے میں محل نظر ہے اس کا عینی تجسم ہے اور ایک جملے میں حج تمظیل آفرینش ہے اور ساتھ

ہی ـــــ ''تمثیل تاریخ'' ـــــ ''تمثیل توحید'' ـــــ تمثیل مکتب اور ''تمثیل امت'' ہے (ایک ایسا اعتقادی اور مثالی معاشرہ کہ جسے اسلام، بنی نوع انسان کے لیے قائم کرنا چاہتا ہے)

اور ـــــ بالآخر، حج انسان کی تخلیق کی اور نیز مکتب اسلام کی وہ اشاریاتی تمثیل ہے کہ جس میں، ہدایت کار: خدا ـــــ

تمثیل کی زبان: حرکت ـــــ

اصلی شخصیتیں: آدمؑ، ابراہیمؑ، ہاجرہ ـــ اور ـــــ ابلیس

مناظر: حرم اور مسجد الحرام کے مقامات، مسعیٰ، عرفات اور شعر و منیٰ،

تماثیل: کعبہ، صفا، مروہ، روز و شب، طلوع و غروب، بت، قربانی ـــــــ اور

لباس و حجامت: احرام و حلق و تقصیر ہے

اور اداکار ـــــــ؟

یہ عجیب تر ہے ـــــ

صرف ایک شخص، تم ـــــ! جو بھی ہو، مرد ہو کہ عورت، بوڑھے ہو کہ جوان، کالے ہو کہ گورے، جونہی تم نے اس منظر میں شرکت کی، پہلا کردار تم ہو گے آدمؑ کی شخصیت میں بھی، ابراہیمؑ کی شخصیت میں بھی اور ہاجرہ کی شخصیت میں بھی ـــــ یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ کی تضاد ابلیس ہے! اس لیے کہ یہاں تشخص درمیان میں نہیں ہے یہاں تک کہ جنسیت بھی پیش نظر نہیں ہے فقط ایک ''ہیرو'' ہے اور وہ انسان!

یہ وہ تھیٹر ہے کہ جس میں ایک شخص تمام کرداروں کو ادا کرتا ہے اور یہی داستان کا ''ہیرو'' ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ اسٹیج سب کے لیے کھلا ہے ہر سال روئے زمین کے تمام ابراہیمی انسان اس حیرت انگیز تمثیل میں شرکت کے لیے بلائے جاتے ہیں! دنیا کے جس کونے سے جو کوئی بھی اپنے آپ کو اس ''موسم'' میں پہنچائے گا اس اسٹیج پر قدم رکھے گا۔۔۔ کردار میں پہل اسی کی ہو گی اور وہی اسٹیج کا ''ہیرو'' ہو گا اور کرداروں کو خود کھیلے گا۔

یہاں تجزیہ نہیں، تشخص نہیں، درجہ بندی نہیں۔۔۔! سب ایک ہیں۔۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔وہ ایک سب،

اسلام، انسان کو اس نظر سے دیکھتا ہے

من قتل نفسا...... فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا

کیا ایسا نہیں ہے کہ ایک انسان ''انسان'' ہے۔۔۔۔تم اس مذہب میں انسان کی قیمت اور اس کی منزلت کو دیکھو کہ جس پر دشمن یہ تہمت باندھتا ہے کہ یہ انسان کو نظروں سے گراتا اور ذلیل کرتا ہے۔۔۔!

یہ جھوٹ ہے

اور دوست اسے اپنا آلہ کار بناتا ہے تا اس سے انسان کو خوار کرے۔۔۔! اور یہ سچ ہے!

کیا ہماری تاریخ میں۔۔۔۔۔کہ جو حق تلفی اور ظلم و زیادتی سے بھرپور

ہے۔۔۔۔۔ اسلام سے زیادہ مظلوم شے اور اسلام میں حج سے زیادہ مظلوم اور کوئی شے ہے؟ کہ جو۔۔۔ کعبہ کے فرزند۔۔۔ علی کی خوبصورت تعبیر میں اس طرح ہے کہ:

''حج کی پوستین کو نیز الٹا پہن لیا ہے!''

انسان کا یہ ظالمانہ سلوک۔۔۔۔۔

انسانیت نہیں،

''حیوانیت ہے۔۔۔۔۔!''

میں نے حج سے کیا سمجھا ہے۔۔۔۔۔؟

دامن معنی بہت وسیع ہے، لا یتناہی۔۔۔۔۔ ''بے انتہا عظیم'' اور ایک فرد، یہ ''بے انتہا چھوٹا فرد'' اسے کس طرح سمجھ سکتا ہے۔۔۔؟ اس میں کس طرح نگاہ دوڑا سکتا ہے۔۔۔؟ کس طرح۔۔۔۔۔۔؟ کہاں تک؟

بہر حال میرے عزیز پڑھنے والے، صورت حال یہ ہے

اور میرا دعویٰ یہ۔۔۔۔۔!

اگر تم عمل حج کو جاننا چاہتے ہو تو مناسک حج سے متعلق فقہا کی کتابیں پڑھو

اور اگر حج کے مفہوم کو سمجھنا چاہتے ہو تو اسلام کو سمجھو اور اس میں انسان کو پہچانو

اور اگر تم صرف یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ میں نے حج کو کس طرح سمجھا ہے؟ تو میری یہ تحریر پڑھو۔

شاید کہ یہ تمہیں حج کو سمجھنے پر یا کم از کم اس کے بارے میں سوچنے پر تھوڑا سا ابھارے،

تھوڑا سا۔۔۔۔

بس یہی: اس سے زیادہ نہیں۔۔۔۔!

☆☆☆☆☆☆

حج

حج

حج: ارادہ، قصد، یعنی حرکت اور جہت حرکت بھی سب کچھ اپنے آپ سے، اپنی زندگی سے اور اپنے علائق سے اپنا رشتہ توڑنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔۔۔۔۔!

کیا تم اپنے شہر میں ساکن نہیں ہو؟ کیا تمہارے سکون کی سکونت نہیں ہے؟ مگر حج نفی سکون ہے۔

زندگی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کا ہدف وہ خود ہے یعنی موت، ایک ایسی موت جو سانس لیتی ہے، ایک جاندار موت، مردہ صفت جینا مردہ صفت رہنا۔

حج: رواں ہو، چل نکل، بہاؤ میں آ۔۔۔۔۔۔۔۔!

زندگی: ایک ہی بے کار و بے اثر گھیرے میں گھومنے والی حرکت، ایک بے ہودہ تکراری ایاب و ذہاب

اصلی کام؟ بڑھاپے کی طرف قدم بڑھانا

واقعی نتیجہ؟: سڑنا، ایک یکساں نوعیت کی ابلہانہ جنبش، غیبت، چغلی اور نمامی کا عذاب، دن، رات کا ایک مقدمہ، رات، دن کا ایک مقدمہ کہ جہاں یہ دو سیاہ و سفید چوہے مسلسل اپنے دلچسپ کھیل میں مگن ہیں اور موت کی سرحد تک عمر کی رسی کو کاٹ کاٹ کر چھوٹا کر رہے ہیں۔

زندگی؟: ایک تماشا ہے، ایک لاحاصل صبح وشام کا تماشا، ایک بےمزہ اور بے انجام کھیل، تمہارے پاس وقت نہیں ہے، سارا وقت تم نے تکلیفوں، کوششوں اور انتظار میں گزار دیا۔ اب جب تمہیں ہوش آیا اور تم نے اپنا جائزہ لیا تو تمہارے اپس کچھ بھی نہیں تھا سب کچھ لغو، بے ہودہ، عبث۔۔۔۔اور نیہیلیسم (Nihillisisum) تھا۔

اور حج تمہیں اس بے خردانہ جبر، اس غیبت، چغلی اور نمامی کے عذاب سے نکالتا ہے تمہاری بے مقصد دوڑ کو روکتا ہے، تمہارے تردد کو دور کرتا ہے اور پیداوار برائے مصرف اور مصرف برائے پیداوار کے گرد گھومنے والی زندگی کو حیات نو بخشتا ہے۔

حج، تمہیں اس زندگی سے باہر نکالتا ہے کہ جو اپنی ذات میں گم کوے کی طرح ہے یہ بند دائرہ ایک ''انقلابی نیت'' سے کھل کر افقی ہو جاتا ہے اور چل پڑتا ہے ایک سیدھی اور مستقیم راہ پر، ابدیت کی طرف، دوسری طرف '' اس کی'' طرف۔۔۔۔!

اور یہ ہجرت ہے

اپنے گھر سے'' خانہ خدا'' کی طرف۔۔۔۔'' خانہ بشر'' کی طرف۔۔۔۔۔۔! اور تم کہ جو کوئی بھی ہو کون ہو؟۔۔۔۔انسان ہو، فرزند آدم ہو، لیکن تمہیں تاریخ، زندگی اور انسان دشمن اجتماع نظام نے مسخ کر دیا ہے، تم کو تم سے پھیر دیا ہے، تمہیں تمہارے فطری جوہر سے الگ کر دیا ہے، تمہیں اجنبی بنا دیا ہے۔۔۔۔

تم عالم ذر میں انسان تھے، خلیفہ خدا تھے، خدا سے ہم سخن تھے، خدا کے خاص امانتدار تھے، خدائے فطرت تھے، آل اللہ تھے، خدا کی روح تم میں پھنکی تھی۔ تم اللہ کے خاص دانش آموز تھے تمام ''ناموں'' کو اللہ نے تمہیں سکھایا تھا۔

اللہ نے قلم کے ذریعے تمہیں سکھایا۔۔۔۔۔

اللہ نے اپنی صورت پر تمہیں بنایا اور اپنی تخلیق پر آفرین کہا۔۔۔۔

تم کو بنا کر کھڑا کیا اور تمام فرشتوں کو، دور اور نزدیک کے تمام ملائکہ کو تمہارے قدموں میں ڈال دیا۔ سب کو تمہارا تابع فرمان بنایا زمین و آسمان کی ہر شے کو تمہارے توانا ہاتھوں کے سپرد کیا تمہارے قریب آیا، اپنی خاص امانت کو تمہارے کاندھوں پر رکھا تمہارے ساتھ عہد کیا، تمہیں زمین پر اتارا اور خود تمہاری فطرت میں آبیٹھا اور تمہارا ہم خانہ بن گیا اور تمہارے انتظار میں بیٹھ گیا کہ تم کیا کرتے ہو؟

علامہ طباطبائی کا عقیدہ ہے کہ خلافت اور اسماء کی تعلیم آدم سے مختص نہیں بلکہ اس کے فرزند بھی اس میں حصہ دار ہیں (المیزان، جلد 1)

ان اللہ خلق آدم علی صورتہ (پیغمبر اسلام) اسرار الحکم صفحہ 225

یا پھر: خلق الادم علی صورۃ الرحمن اور نیز عہدین کی ایک آیت بھی اسی مفہوم میں ہے حکیم اسرار نے صورت کو صفت کے معنوں میں تفسیر کیا ہے صفحہ 116

قلب المومن عرش اللہ و عرش الرحمن اسرار الحکم صفحہ 262

اور تم تاریخ کے جادے پر چل پڑے۔

اب تمہارے کاندھوں پر اللہ کی امانت کا بوجھ، ہاتھوں میں پیمان الٰہی، دل میں وہ نام جنہیں اللہ نے تمہیں سکھایا تھا، قالب وجود میں اللہ روح اور۔۔۔۔۔کل سرمائے میں "عصر" ہے۔

اورتم کر کیا رہے ہو۔۔۔۔۔؟

دولت سمیٹ رہے ہو! تم نے اپنی زندگی میں کس چیز کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے۔۔۔۔؟ گھاٹے کو۔۔۔۔۔۔نفع میں نہیں سرمائے میں گھاٹے کو:

"خسران" کو۔۔۔۔!

اورعصر کی قسم انسان ہر آن گھاٹے میں ہے اور اسی کا نام زندگی رکھا ہے! تم نے اب تک کیا کیا ہے؟ زندگی کی ہے!

تم نے کیا حاصل کیا۔۔۔؟

برسوں کھو کر کیا پایا۔۔۔؟

تم کیا بنے؟ اے خدا کے ہم شبیہ! اے اس کی امانت کی ذمہ داری اٹھانے والے، اے اس کے ملائکہ کے مسجود، اے زمین پر اللہ کے جانشین! تم

فلیعلمن اللہ الذین صدقو ولیعلمن الکذبین (سورہ عنکبوت3)

ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب (سورہ الحدید 25)

انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملا (کھف 7)

الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا (ملک 2)

نے اپنی زندگی کا خلاصہ کس چیز کو بنایا۔۔۔؟

پیسے کو، شہوت کو، پیٹ کو، جھوٹ کو، درندگی کو!

تم بودے اور اندر سے کھوکھلے ہو۔۔۔۔۔۔! سر سے پیر تک غلیظ اور سڑے کیچڑ میں لدے ہو اور بس!

کیونکہ آغاز میں تم ایک مردار جسم تھے، کیچڑ تھے "حماء مسنون" تھے ایک بدبودار اور سڑی ہوئی غلیظ مٹی تھے۔۔۔۔۔! خداوند عالم نے اس "تم" میں اپنی روح پھونکی!

کہاں ہے وہ روح۔۔۔؟ کہاں ہے وہ حیات بخش روح،

جان خداوند۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

اے کیچڑ خور کوے! اپنی ہستی کے اس دلدل سے باہر آ اور اپنے آپ کو اپنے وجود کے اس سڑے کیچڑ سے ساحل پر پھینک دے۔

اے غلیظ سڑے بدن، اے جنازہ لجن! (بدبودار کیچڑ) اس شہر و باغ و آبادی سے کہ جو فضیحت و رسوائی و ذلت سے ہم آغوش ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کے صحرائے آفتاب کی طرف نکل۔۔۔۔۔۔ اس خشک تپتے ہوئے ریگستانی صحرا کی طرف کہ جس کے آسمان سے وحی برستی ہے۔۔۔۔۔ اور اپنا رخ اللہ کی طرف کر۔۔۔

اے خشک زرد اور کھوکھلے نرسل!

گریہ وزاری کر، اپنی غربت پر، اپنی جلاوطنی پر۔۔۔۔۔اپنی بے گانگی پر اے دشمنوں اور غیروں کے جوش وجذبے کے آلہ کار، اے دوسروں کے لبوں پر بکھرنے والے ترانہ ساز۔۔۔۔

اپنے نیستان کا قصد کر!

موسم

اب وقت آ گیا ہے، دیدار کی گھڑی آ پہنچی ہے

یہ ذی الحجہ ہے۔۔۔۔۔حج کا مہینہ ہے، حرمت کا مہینہ ہے، تلواروں نے دم سادھ لیا ہے جنگجو انسان کی صدائی یلغار، صف شکن لوگوں کے نعرے، صحرا میں جنگی کارروائیاں سب پر خاموشی چھائی ہے۔

جنگ، عداوت، دشمنی اور خوف نے زمین کو۔۔۔۔۔۔امن و امان، عبادت اور صلح کی مہلت دی ہے۔۔۔۔خلق کا خدا سے وعدہ دیدار ہے۔۔۔۔''موسم'' میں اترنے کی ضرورت ہے، خدا کی سمت، خلق کے ساتھ جانا ہے۔

کیا تم ابراہیمؑ کی آواز کو زمین کی پشت پر نہیں سن رہے ہو؟

واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق

لوگوں میں اعلان حج کرو اور حج کی آواز بلند کرو، پیدل اس لاغر اونٹ کی

پشت پر جو تمہیں لینے آئے گا دور و دراز کے عمیق صحراؤں سے تمہاری سمت رواں ہو گا، تمہارا قصد کرے گا (تم دیکھو گے کہ حج کا منظر۔۔۔اس انداز کے بر خلاف کہ جو آج عمل میں آ رہا ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں۔۔۔عوامی ہے، رئیسانہ نہیں! اس دعوت پر لبیک کہنے والے پہلے درجے میں پیدل آنے والے لوگ ہیں اور دوسرے درجے میں، سوار، لیکن نہ وہ اسوار کہ جو رئیسانہ زریں افسار کے حامل، بڑے تن و توش والے تندور جنگلی اونٹوں والے ہیں بلکہ وہ زائر کہ جن کے مرکبوں کی کمزوری اور لاغری راگبوں کے طبقے کا پتہ دیتی ہے! کیا یہ بات ظاہر نہیں کرتی کہ آج کل جو سمجھا جا رہا ہے اس کے بر خلاف حج سرمایہ دارانہ چہرے کا حامل نہیں، یہ پیسے والوں کی مذہبی ملکیت نہیں اور استطاعت ایک طبقاتی اور اقتصادی

اور تم اے بدبو دار سڑی ہوئی مٹی!

روح خدا کو تلاش کرو۔۔۔۔۔واپس پلٹو اور اس سے اس کا پتہ لو اپنے گھر سے اس کے گھر کا عزم کرو وہ اپنے گھر میں تمہارا منتظر ہے وہ تمہیں بلند آواز سے پکار رہا ہے تم اس کی دعوت پر لبیک کہو!

اور تم۔۔۔۔۔کہ جو کچھ نہیں ہو، صرف اس کا عزم کر کے اپنے اندر، دائمی حرکت و تغیر پیدا کرو اور یہی اس کا موسم اور یہی اس کا وقت ہے اپنی گھٹی ہوئی حقیر، باعث ننگ اور پست زندگی۔۔۔۔دنیا۔۔۔۔۔سے، اپنی فردیت کے تنگ و بستہ حصار۔۔۔۔۔نفس۔۔۔۔سے اپنے آپ کو نجات دو، اس کا عزم کرو، انسان کی ابدی ہجرت کی طرف دوڑو اور لا متناہیت سے رشتہ جوڑنے کے لئے اللہ کی سمت حج کرو۔۔۔۔۔!

مسئلہ نہیں بلکہ منقطی اور عام ہے حج کے لئے اس رئیسانہ چہرے کو صرف ایران نے پیش کیا ہے وگرنہ قرآن نے ہمیشہ حج، حج کرنے والے اور خانہ کعبہ کے سلسلے میں اس لہجہ سے گفتگو کی ہے کہ جو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ حج نہ صرف یہ کہ طبقاتی نہیں بلکہ مکمل طور پر عوامی ہے حتیٰ کہ طبقاتیت کی نقیض اور علی الخصوص ثروت مندانہ بزرگی کے خلاف ہے، یہاں تک کہ واذن فی الناس بالحج کی آیت میں ان لوگوں کے طبقے کو بھی بتایا ہے کہ جو اس دعوت کے جواب میں حج پر آئیں گے اور پھر دیگر اسلامی ممالک کے حجاج کے چہروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ حج پر آنے کو ایک عام مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں اور اس فریضے کو مادی عزت و وقار کا سبب نہیں گردانتے بلکہ استطاعت کو حج پر آنے کے لیے مادی تمکن سمجھتے ہیں ہماری قدیم ادبیات میں بھی حاجی، آج کی طرح معتبر دنیائی چہرے کا نہیں بلکہ ایک پر کشش دینی وجاہت کا مدعی ہوتا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ ''دولت مند'' اور حاجی کی ان دو صفتوں کا ترادف پھر اسی

یہ سفر، قرض کی ادائیگی، دل کے غبار اور کدورتوں کی دوری ناراضگیوں کی برطرفی، حسابوں کی بے باقی، سب سے معافی تلافی، اپنی جمع پونجی، اپنی دولت، اپنے رابطوں اور اپنی زندگی کے حالات اور ماحول کی درستی سے شروع ہوتا ہے ----

یعنی یہاں تم مرجاتے ہو اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم ایک ایسے سفر پر جا رہے ہو جس کی بازگشت نہیں یہ زندگی کے آخری لمحوں کی وداع اور آدمی کی سرنوشت کے

لیے ایک اشاریہ ہے ایک تمثیل ہے ہر چیز سے کٹ کر ابدیت سے رشتہ جوڑنے کے لیے، لہذا اس میں "وصیت" بھی اتی ہے۔۔۔

یعنی کہ موت۔۔۔۔۔۔موت کی مشق، وہ موت کہ جو ایک دن

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مسخ شدہ صفوی تشیع کا شاہکار ہے چونکہ اسی تشیع میں ایسا ہوا کہ "مشہدی" اور "کربلائی" جیسے القاب کو "حاجی" کے مقابل وضع کیا گیا اور امام رضا علیہ السلام کی ضریح کے طوائف کو کعبہ کے طواف سے ہزاروں اور لاکھوں گنا برتر جانا گیا۔

یک طواف مرقد سلطان علی موسی الرضا

ہفت ہزار و ہفت صد و ہفتاد حج اکبر است

(قبر کے لیے طواف کی اصطلاح کا استعمال بھی بڑا معنی خیز ہے اور اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح روح و رفتار و ثقافت و زبان توحید کو امامت کے نام پر درہم برہم کیا گیا ہے تا کہ طبقاتی اور سیاسی شرک کی راہ کھل جائے) بلکہ ان دونوں طوافوں کے طبقاتی ہونے کی تلقین بھی کی گئی ہے کہ:

اغنیا مکہ روند و فقراء پیش تو آیند

جان بقربان تو آقا کہ تو حج فقرائی

جبر سے تمہارا انتخاب کرے گی

اس سے تم حج کرو، ابدیت کا عزم کرو، خدا سے ملاقات کرو روز حساب کا تدارک کرو۔

وہاں پہنچ کر تو عمل سے تمہارا رشتہ کٹ جائے گا وہاں کا محکمہ تمہارے گوشت،

تمہاری آنکھوں اور تمہارے قلب سے باز پرس کرے گا اور ہر ایک کو معرض سوال میں قرار دے گا!

ان السمع والبصر والفوٴد کل اولئک کان عنه مسئولا

تم، یہ جسم، تمہارا بدن سب معرض سوال میں ہوں گے یہ سب مسئول ہیں ان سب سے پوچھا جائے گا اور تم اپنے بے پناہ ترحم ناپذیر اعمال کے ہجوم تلے ایک عاجز بھینٹ بنے کھڑے ہوگے۔

پس اب جبکہ تم ''دارعمل'' میں ہو اپنے آپ کو ''دارحساب'' کی طرف رحلت کے لیے تیار کرو۔۔۔۔مرنے کی مشق کرو موت آنے سے پہلے مر جاؤ۔۔۔۔۔! موت کو، اس وقت موت کی علامت کے طور پر انتخاب کرو، مرنے کی نیت کرو۔۔۔۔۔مرنے کا قصد کرو۔

حج کرو۔۔۔۔۔!

حج علامت ہے اس رجعت کی جو اس کی سمت عمل میں آنے والی ہے اس کی سمت کہ جو ابدیت مطلق ہے جو لا متناہی ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں، کوئی حد نہیں'' تک''نہیں

''اس کی طرف'' بازگشت یعنی کمال مطلق، خیر مطلق، حسن مطلق، قدرت، علم، اور منزلت و حقیقت مطلق کی طرف حرکت یعنی حرکت بجانب مطلق، حرکت مطلق بجانب کمال مطلق، یعنی ایک ابدی حرکت یعنی تم ایک ابدی زندہ رہنے والی اکائی، ایک لامتناہی حرکت بن جاؤ کہ جس کی ''سرمنزل'' خدا نہیں تمہارا مقصد ہے وہ مقصد جو ہمیشہ مقصد رہتا ہے خدا تمہاری راہ سفر کا آخری نقطہ نہیں ہے تمہارا سفر،

تمہاری ابدی ہجرت، ایک ایسی راہ پر اور ایک ایسے صراط پر ہے کہ جس کا کوئی نقطہ آخر نہیں ہے۔۔۔۔۔

یہ وہ راستہ ہے کہ جو کبھی ختم نہیں ہوتا جو ذھاب مطلق ہے اس دائمی ہجرت اور ابدی حرکت میں جو تم اپنی اور دنیا کی ہستی کے بیچ کر رہے ہو خداوند عالم ''منزل'' کی نہیں ''جہت'' کی نشاندہی کرنے والا ہے۔

اسلام، تصوف نہیں:۔۔۔۔۔۔۔۔۔''خدا میں'' مرنا اور۔۔۔۔۔''خدا میں'' جینا نہیں۔۔۔۔۔

اسلام! ''اللہ کی سمت'' جانا ہے

انا لله وانا اليه راجعون....الا الى الله تصير الامور

''فنا'' نہیں۔۔۔۔''حرکت''!

''فیہ'' نہیں۔۔۔۔۔''الیہ''!

خدا تم سے دور نہیں کہ تم اس تک پہنچو۔۔۔۔۔

کس سے۔۔۔۔۔؟ تم سے۔۔۔۔۔۔!

اور پر اس چیز سے دور تر ہے جس تک پہنچا جا سکے۔

یعنی کیا۔۔۔۔۔؟ یعنی جو بھی ہو، اور جہاں بھی ہو۔۔۔۔۔!

''موسم'' نے انگڑائی لی ہے، وقت آ گیا ہے، وعدہ دیدار قریب ہے میعاد جاؤ، میقات جاؤ! اے اللہ کے طلب کردہ مہمان! یہ دیدار کی گھڑی ہے! موسم حج ہے، میقات ہے۔

اے متعفن مٹی سے بنے ہوئے انسان!

اللہ سے ملاقات کرو۔۔۔۔۔۔!

اے ''آل اللہ'' اے مسجود ملائکہ، اے انسان، اے انیس خدا، اے اللہ کی عظیم تنہائی کے جلیس!

تاریخ نے تمہیں مسخ کر دیا ہے، زندگی نے تمہیں ایک جانور کی صورت دی ہے اے وہ کہ جس نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ صرف اس کا پرستار ہو گا اور ہر اس سے منہ پھیرے گا جو اس کا غیر ہو گا آج تو طاغوتی کا پرستار ہے۔ بندہ بت ہے'' جس کو تو نے خود تراشا ہے۔''

تو زمین کے خداؤں کا پجاری ہے، عالم کے خدا، ناس کے خدا، اور اپنے خدا کا پرستار نہیں، اے ظلوم! اے جہول، اے سودائے عمر کے ''زیاں کار''۔۔۔۔ اے جور و جہل و خسران بندگی اور ذلت و احتیاج کے مارے انسان، اے خوف اور لالچ کے اسیر،

اے وہ کہ جس کو زندگی، معاشرے اور تاریخ نے ''بھیڑیا'' بنایا ہے یا پھر'' لومڑی''۔۔۔۔۔ چوپایا ''بھیڑ''

''موسم'' آ گیا ہے، حج کرو! میقات جاؤ، انسان کے عظیم دوست کے ساتھ تمہارا وہ دیدار ہے، اس کے ساتھ کہ جس نے تمہیں انسان خلق کیا۔

طاقت کی چھاپ والے محلوں سے، گنجینہ ہائی ثروت سے، ضرار اور ذلت کی عبادت گاہوں سے اور ان چوپالوں کے ریوڑ سے فرار اختیار کرو کہ جن کا چرواہا بھیڑیا ہے اور اللہ کے گھر اور افراد بشر کے گھر کے طواف کو نکلو، حج کرو۔

فی مقعد صدق عند علیک مقتد (سورہ قمر کی آخری آیت)

احرام در میقات

تمثیلی نظارہ کی پشت پر لحہ آغاز تمثیل، اور تم کو کہ جس نے خدا کا قصد کیا ہے اور اس سے میقات میں آئے ہو، چاہئے کہ اپنا لباس تبدیل کرو۔۔۔۔۔!

لباس! جس نے تمہارے آدمی ہونے کی حقیقت کو اپنے اندر چھپا لیا ہے، کیونکہ لباس، آدمی کو پہنتا ہے اور یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ آدمی لباس کو پہنتا ہے۔۔۔!

آدمی کا آدمی ہونا چھپ جاتا ہے۔

وہ بھیڑیے، بھیڑ، چوہے اور لومڑی کے لباس میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔

لباس ایک فریب ہے، ایک کفر ہے۔۔۔۔کفر حقیقت کو چھپانا ہے۔۔۔!

لباس کا لفظ اپنے اندر ایک پر معنی مفہوم بھی رکھتا ہے کہ جسے باب ''افتعال'' میں سمجھا جا سکتا ہے۔

التباس، یعنی اشتباہ! دھوکہ کھانا!

لباس علامت ہے، حجاب ہے، نمود ہے، اشاریہ ہے، درجہ ہے، عنوان ہے، امتیاز ہے اس کا رنگ، اس کا ڈھنگ، اس کی جنس،

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

اہل مدینہ کی میقات۔۔۔۔کہ جہاں سے خود رسول خداؐ نے حج کیا ہے ذوالحلیفہ ہے کہ جو مدینے کے جنوب میں 12 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے آبادِ علی کے قریب جہاں بلند مرتبوں والے علی نے خود اپنے ہاتھ سے پانی کے کنویں کھودے ہیں۔

اس کی ہر شے یعنی:۔۔۔۔۔۔۔"میں"!

اور "میں" یعنی:۔۔۔۔۔۔"تم" نہیں۔۔۔۔۔"آپ" نہیں۔۔۔۔"ہم" نہیں!۔۔۔یعنی تشخص

اور بنابرایں "امتیاز" یعنی "سرحد" اور پھر اس بنیاد پر "تفرقہ"

اور یہ "میں" نسل ہے، قوم ہے، طبقہ ہے، گروہ ہے۔۔۔۔۔خاندان ہے، درجہ ہے، وضعیت ہے، اہمیت ہے، فرد ہے۔۔۔۔۔مگر "انسان" نہیں۔

سرحدیں ملک انسان میں بہت ہیں بنی قابل کی سہ رخی تاریخ کے جلادوں کی تلواریں، بنی آدم کی جان کو آ گئی ہیں اور انہوں نے توحید بشری کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں، مالک۔۔۔۔نوکر، حاکم۔۔۔۔۔محکوم، سیر۔۔۔۔۔بھوکا، غنی۔۔۔۔فقیر، آقا۔۔۔۔غلام، ظالم۔۔۔۔۔مظلوم، استعمار گر۔۔۔۔استعمار شدہ، استحصال گر۔۔۔۔۔۔۔استحصال شدہ، زورمند۔۔۔۔ ضعیف، زرمند۔۔۔۔۔کارمند، فریب کار۔۔۔۔۔فریب خوردہ، شریف۔۔۔۔رذیل،

روحانی۔۔۔۔۔۔۔جسمانی، خواص۔۔۔۔۔۔عوامی،

مالک۔۔۔۔۔۔مملوک، حاکم۔۔۔ مزدور، سعید۔۔۔شقی،

سفید۔۔۔۔سیاہ، مشرقی۔۔۔۔۔غربی، متمدن۔۔۔۔پسماندہ،

عرب۔۔۔۔۔۔عجم۔۔۔۔۔

انسانیت نسلوں میں نسلیں قوموں میں، قومیں طبقوں میں طبقے، قبیلوں، گرہوں اور خاندانوں میں تقسیم ہو گئے اور ان میں پھر مراتب، درجے، حیثیت اور القاب کے اعتبار سے ٹکڑیاں بنیں اور آخر میں ریزہ ریزہ ہو کر ایک ''فرد''۔۔۔۔۔''ایک میں'' ہو گئے۔

اور اس پر یہ غرور، یہ لباس، یہ دکھاوے!

انہیں میقات میں اپنے سے دور کر دو۔

کفن پہنو

تمام رنگوں کو دھو دو۔۔۔۔۔

سفید پہنو۔۔۔اجلے بن جاؤ، وہی رنگ اختیار کرو جو سب کا ہے۔۔۔۔۔سب بن جاؤ۔

اس سانپ کی طرح جو اپنا چھلکا اتار لیتا ہے تم بھی اپنی ''منیت'' سے ''اپنے میں'' ہونے سے باہر آؤ۔۔۔۔لوگ بن جاؤ، ذرہ بن جاؤ، ذروں میں مل جاؤ، دریا میں قطرے کی طرح گم ہو جاؤ۔

شخصیت بن کر نہیں

خس بن کر میقات میں آؤ۔۔۔۔۔۔

وہ وجود بنو کہ جو عدم کا احساس کرتا ہے یا پھر وہ عدم بنو جو اپنے وجود کا احساس کرتا ہے۔

''مرجاؤ قبل ازیں کہ موت آئے''

زندگی کے لباس کو اتار پھینکو

موت کا لباس زیب تن کرو

یہاں میقات ہے۔

تم جو کوئی بھی ہو۔۔۔۔اپنی شان وشوکت، اپنی شخصیت اور ان تمام رنگوں اور صورتوں کو جنہوں نے تمہارے دست زندگی کو تمہارے بدن سے باندھ دیا ہے۔۔۔اور تمہیں۔

____

مو ا، ن تموتوا (حدیث)

بھیڑیا۔۔۔۔

لومڑی۔۔۔۔۔

چوہا۔۔۔

یا پھر بھیڑ بنا دیا ہے۔ان سب کو میقات میں اپنے سے دور کر دو۔۔۔۔!

انسان بنو۔۔۔۔۔

اس طرح جس طرح کہ تم آغاز میں تھے۔

ایک مکمل:

آدم۔۔۔۔!

اور جس طرح کہ تم انجام میں ہو گے

ایک مکمل: موت۔۔۔۔۔!

ایک لباس پہنو، دو ٹکڑوں میں: ایک ٹکڑا کاندھوں پر اور دوسرا کمر پر ان سلا، سفید، یک رنگ، بلا ڈیزائن، بلا رنگ، بلا کسی علامت کے، بلا کسی تشخص کے کہ جو اس بات کی نشاندہی کرے کہ یہ ''تم'' ہو اور بلا اس علامت کے کہ جو اس بات کو ظاہر کرے کہ تم ''اور'' نہیں ہو

ایک ایسا لباس پہنو کہ جو سب کا پہناوا ہے جو میقات میں تمہیں سب کے لباسوں سے ہم آہنگ کرتا ہے اور سب کی پہچان مٹ جاتی ہے۔

جو لباس تم نے اللہ کی سمت اپنے آغاز سفر میں پہنا تھا اب خانہ خدا کی طرف اپنے آغاز سفر میں پہنو۔

یہاں میقات ہے

زمین کے مختلف حصوں سے خانہ خدا کا قصد کرنے والے کاروانوں کی راہ پر معین شدہ نقطوں کا نام میقات ہے۔

عجیب ہے۔۔۔۔۔! اسم زماں، بر مکاں۔۔۔۔۔!

یعنی کیا۔۔۔۔۔؟ مکاں نیز حرکت۔۔۔؟

یعنی کہ ہر چیز گویاں زماں۔۔۔۔؟

یعنی کہ مکاں بھی زماں۔۔۔؟

یعنی کہ سکون کہیں نہیں۔۔۔۔؟

کیا ایسا نہیں ہے کہ انسان بھی ایک رہنے والی شئے نہیں، ''روانہ'' ہونے

ولای شے ہے، اللہ کی سمت روانہ ہونے والی

''والی اللہ المصیر''

تعجب ہے! حرکت، کمال، موت وحیات، حیات وموت، تضاد وتغیر، جہت ہر شئے کو فنا ہونا ہے۔

''کل شئی ھالک الا وجھہ''

ہر شئے فنا ہونے والی ہے مگر وہ کہ جس کا رخ اس کی طرف ہے اور خدا وجود مطلق، کمال مطلق، خلود مطلق۔۔۔۔۔۔اور مطلق مطلق بھی ہے!

''کل یوم ھو فی شان''

ہر روز وہ ایک نئے عمل میں ہے۔

اور حج: حرکت، مقصدیت کا عزم کرنا

اللہ کی سمت انسان کے رجعت کی علامت

اپنی تمام ''منیت'' (میں ہونے کو) کو ذوالحلیفہ میں گاڑ دو خود کو اس میں دفن کر دو اپنی موت کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو اپنی قبر کے زائر بنو، اپنی حیات کی فیصلہ کن تقدیر کو خود اپنے ہاتھوں سے معرض وجود میں لاؤ۔ میقات میں مر جاؤ اور میقات ومیعاد کے درمیانی صحرا میں مبعوث ہو کہ یہ صحرائے محشر ہے، افق سے افق تک کفن پوش ہی کفن پوش، لوگوں کا ایک ''سفید'' موجیں مارتا ہوا سیلاب! سب رنگت میں ایک، سب کا ایک ہی انداز، کوئی کسی کو نہیں پہچانتا اور اس بنا پر ہر کوئی اپنے آپ سے بیگانہ ہے ''میں'' میقات میں مر چکا ہے اور اب یہ ارواح ہیں جو اٹھائے گئے ہیں نہ کسی کا نام نہ نسب، نہ خاندان نہ نسل، نہ ذات نہ طبقہ، ان بے

نام ونشان لوگوں نے جسد پکڑا ہے۔

ایک بھیڑ ہے، ایک محشر ہے، وحدت الٰہی کا ایک انسانی تجسم ہے قیامت ہے، ہر طرف ہراس وحیرت وشوق وولولہ وجذب واشتیاق کا عالم ہے ہر کوئی ایک طاقت ور مقناطیسی کشش کے دائرہ عمل میں ذرہ بے مقدار بنا ہوا ہے۔

خدا قبلہ میں ہے، سب کچھ ہیچ ہے اور بس ایک انسان ہے کہ جس کی کوئی شناخت ہے تمام جہتیں ہیچ ہوگئی ہیں اور بس ایک جہت اس کی ہے تمام قوموں، تمام گروہوں، ساری بشریت اور صحرا میں تنہا ایک ''قبیلہ'' کی بشریت کا اپنے حیات اور اپنے وجود میں ایک ''قبلہ'' ہے۔

اپنا لباس تن سے اتار پھینکو ان تمام علامتوں کو اپنے سے دور کر دو کہ جو تمہاری نشاندہی کرتی ہیں اور خلقت کے محشر میں گم ہو جاؤ، جو کچھ بھی زندگی نے تم سے وابستہ کر رکھا ہے اور تمہاری نشاندہی کرتا ہے، اور تمہارے نظام کو اجاگر کرتا ہے ان سب کو خلقت کے غوغائے قیامت میں بلا دو۔ سب کو اپنے اوپر حرام کرو۔

احرام پہنو۔۔۔۔۔۔!

احرام؟ ''حرام کر لینا'' مصدر ہے اور یہاں اسم، وہ بھی ایک طرح کے لباس کا نام۔

تمام ''میں'' میقات میں مر جاتے ہیں اور سب ''ہم'' ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔! ہر کوئی اپنی کینچلی بدل کر ''انسان'' ہو جاتا ہے۔

اور تم بھی اپنی انفرادیت اور شخصیت کو دفن کر کے ''لوگ'' بن جاتے ہو، ''امت'' بن جاتے ہو تا کہ جب تم منیٰ سے باہر آؤ تو اپنی نفی کرو ''ہم'' میں حلول کرو

ہر کوئی ایک معاشرہ ہو جاتا ہے فرد خود ایک ''امت'' بن جاتا ہے، جس طرح کہ ابراہیمؑ ایک امت بن گئے تھے۔ اب تم جا رہے ہوتا کہ ''ابراہیم'' بنو۔

سب آپس میں ایک ہو جاتے ہیں ایک سب ہو جاتا ہے اور سب ایک، اور معاشرہ شرک، توحید سے ہمکنار ہوتا ہے اور امت بن جاتا ہے امت ایک ایسا معاشرہ ہے جو حالت راہ میں ہے ام یعنی عزم، قصد، کسی مقصد کی سمت حرکت، ایک قبلے کی طرف عزیمت، اجتماعی صورت میں۔

''رہنے کے لیے نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔'' آگے بڑھنے کے لیے'' ۔۔۔

سعادت کے لیے نہیں، کمال تک پہنچنے کے لیے، راحت نہیں، حرکت''

اور نتیجتاً: ''ریاست'' نہیں، ''رہبری'' اور پھر ''حکومت'' نہیں، ''امامت''!

ان ابراهيم كان امة قانتا لله حنيفا ولم يك من المشركين

(نحل 120)

اور اب تم اور تم جیسے بے شمار لوگ ۔۔۔۔۔۔ مجھ جیسے اور لوگ،

میں کیا کہہ رہا ہوں؟ دیگر خارج از طلب (ہیچ و پوچ) لوگ، چار سوئے عالم سے اپنے جیسوں سے رخ موڑے، اللہ سے رشتہ جوڑے، سڑیل مٹی کی طرف پشت کیے، روح خدا کو مرکز نگاہ بنائے، دنیا کے دور و دراز کے علاقوں سے توجہ موڑے، آخرت کا قصد کیے نسبتوں اور مصلحتوں کو پس پشت ڈالے، مطلقوں اور حقیقتوں کو گلے لگائے، جہل و جور سے منہ موڑے، آگاہی و عدل کی سمت قدم بڑھائے اور انجام کار شرک کو اپنے پیچھے چھوڑے، توحید کی طرف قدم بڑھائے میقات پہنچ گئے ہیں، احرام کا جامہ پہن لیا ہے۔

اب ایک دوسرے کو پہچاننے میں دھوکہ ہو رہا ہے، ایک محشر ہے، ایک قیامت ہے! ہر کوئی دوست کے دھوکے میں کسی اجنبی کو اور رشتہ دار کے عوض کسی انجانے کو مخاطب کر رہا ہے ہر کوئی دوسرے کے جوتے میں پاؤں دھر رہا ہے اور ہر احرام پوش تمہارا احرامی ہو سکتا ہے۔

یہ سب لوگ کہ جنہوں نے برسوں سے اپنے انسان ہونے کو بھلا دیا تھا اور ایک جناتی طاقت بن گئے تھے زور میں یا زر میں یا کرسی میں یا نام میں، یا خاک میں، یا خون میں۔۔۔۔اور اپنی ان بظاہر عظمتوں کو اپنا وجود اور اپنی ہستی سمجھتے تھے اور اپنے مناصب اور اپنے القاب کو اپنی شناخت جانتے تھے، اب وہ سب جیسے ہو گئے ہیں، بس ایک انسان کی صورت میں،

سب ایک۔۔۔۔۔انسان اور کچھ نہیں۔

سب ایک صفت کے حامل:

حاجی۔۔۔۔!

قصد کنندہ۔۔۔۔اور بس

نیت

اب آستانہ ورودی میں، آغاز پیش نظر ہے، سب سے پہلے تمہیں چاہیئے کہ نیت کرو۔

نیت۔۔۔۔۔؟

اس بنیاد سے کتنے مفہوم نکلتے ہیں؟

کسی چیز کا قصد کرنا۔۔۔کہیں جانے کا عزم کرنا ''نواک اللہ'' خدا تمہارا ہمسفر ہو اور نگہبان۔۔۔ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔۔۔ایک حالت سے دوسری حالت میں آنا، مسافر: دوریوں تک جانا۔۔۔۔۔ناقہ: پروردہ ہونا۔۔۔۔۔نیاز: پورا کرنا۔۔۔۔کھجور یا خرما: گٹھلی پکڑنا (قابل غور!) منزل بٹھرنا۔۔۔۔۔دوری: وہ جہت کہ جو مسافر کے سامنے ہے۔

نیت: قصد، عزم قلب، قلب کا وہ میلان کہ جو اسے اس کے ارادے سے ہم آہنگ کرے، نیاز، امر،

جہاز راں: وہ کہ جو اپنے آپ کو تبدیلی کے لیے آمادہ کرے، جو ایک قوم اور ایک اجتماع کی سرنوشت کے عقیدے کو تھامے رہے۔۔۔۔۔!

اس وقت تم میقات میں ہو، ایک بڑی تبدیلی لانے والی سرحد پر، ایک انقلابی تغیر وتحول والی حد فاصل پر، ایک ''انتقال''! اپنے گھر سے عامۃ الناس کے گھر کی طرف، زندگی کی آسودگی سے، عشق کی طرف، خود سے خدا کی طرف، غلامی سے آزادی کی طرف، نفاق، رنگ وریا، درجہ ونشان اور نسل وطبقہ وغیرہ سے، صدق و صمیمیت کی طرف، پہناوے سے عریانی کی طرف، ہر دن کی موت سے ابدی حیات تک، خود پرستی، لاابالی پن اور بے باکی کے لباس سے ایثار ووفا شعاری و'' احرام'' کی ردا کی طرف!

نیت کرو اس کھجور کی طرح جو گٹھلی پکڑتی ہے۔۔۔۔۔اے پولے، اے پھوک! اس خود آگاہی کے بیج کو اپنے ضمیر میں دابو، اپنے درون خالی کو اس سے پر کرو، خود پرور نہ بنو دانہ پرور بنو! اپنی ہستی کو اپنے ایمان کی گٹھلی کے گرد بکلی بناؤ،

ہستی بنو، ہست ہو جاؤ، سرتاپا حباب نہ بنو، اپنے تاریک دل میں شعلہ کوفروزاں کرو، چمکو، اپنے درون کو روشن کرو اتنا کہ وہ لبریز ہو جائے اور پھر تم جگمگاؤ اور تمہارے پرتو ذات کی کرنیں تمہیں بے خودکردیں اورتم آپے میں آؤ۔

اے سرتاپا ''جہل'' اورغفلت مدام! خدا شناس بنو،خلق شناس بنو،خود شناس بنو۔

اے وہ کہ جو ہمیشہ آلہ کار رہے ہو، اے وہ کہ جس کے ساتھ ہمیشہ لاچاری رہی ہے اور کام تمہیں انتخاب کرتا رہا ہے،تم کام کرتے رہے ہومگر بطریق عادت، بطریق رسم، بحالت جبر۔۔۔۔۔اب تم آزادانہ طور،علم وادراک اور خودآگاہی کے ساتھ نیت کرو اور انتخاب کرو:

ایک نئے راستے کو

ایک نئی سمت کو

ایک نئے کام کو

ایک نئی زندگی کو

اور۔۔۔۔۔ایک نئے خودکو!

☆☆☆☆☆☆

نماز درمیقات

میقات میں،نیت کرکے حج کا آغاز کروگے،یعنی جس کا تم نے آغاز کیا ہے اس کا تمہیں احساس بھی ہے اس نظامت اور بندوبست سے تم اس بات کو سمجھوگے

کہ تم کیا کر رہے ہو اور کیوں کر رہے ہو، تم اپنا لباس اپنے تن سے اتارتے ہو، اپنے آپ کو جھاڑتے ہو، عریانی اختیار کرتے ہو۔ احرام پہنتے ہو اور پھر نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہو، نماز احرام، اپنی ہستی کو نئے لباس میں اللہ کے حضور پیش کرتے ہو، گویا کہ:

اس وقت میں اے خدا! نہ بردہ نمرود، نہ بندہ طاغوت، بلکہ صورت ابراہیمی میں، نہ زور آور بھیڑیے، نہ فریب کار لومڑی، نہ سکہ پرست چوہے اور نہ ذلت و تسلیم والے بھیڑ کے جامہ میں بلکہ صورت انسان میں، اس جامہ میں کہ جس میں کل مجھے بستر خاک سے تیرے دیدار کے لیے اٹھنا ہے پیش ہو رہا ہوں۔

یعنی میں اپنی سرنوشت سے آگاہ ہوں کہ سب کچھ رکھتے ہوئے ہیچ ہوں۔ اب میں اطاعت پر تیری بندگی میں آ گیا ہوں اور تیرے ماسوٰی سے آزاد ہو گیا ہوں اور ہر برائی سے میں نے کنارہ کر لیا ہے۔ یعنی میں نے اپنی زندگی کی اختتامی سرنوشت کے بارے میں یہاں تک آگاہی حاصل کر لی ہے۔ تقدیر نے انسان کے لیے جو کچھ لکھا ہے میں خود اب اس کو اپنے لیے انتخاب کر رہا ہوں اور اس کی مشق کر رہا ہے۔

اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ احرام کے سفید کفن میں آستانہ میعاد پر منزل میقات میں نماز کچھ اور مفہوم رکھتی ہے! گویا ہم نئی بات سن رہے ہیں؟ ایک فریضے کی تکرار نہیں ہے ہم ''اس'' سے بات کر رہے ہیں، اپنے اوپر اس کی حضوری کے وزن کو محسوس کر رہے ہیں۔

اے وہ رحمٰن! کہ جو اپنے دوست کو نوازتا ہے! وے وہ رحیم کہ جس کا

آفتاب رحمت ہمارے کفر و ایمان، اہلیت و نا اہلیت، پاکی و ناپاکی حتیٰ کہ دوستی اور دشمنی کی سرحدوں تک سے گزرتا ہے بے شک میں تیرے سوا کسی کی تحمید نہیں کرتا اس لیے کہ حمد صرف اور صرف تیرے ہی لیے سزاوار ہے۔ میں تیرے سوا کسی کو اپنا آقا قرار نہیں دوں گا اس لیے کہ تو سب کا رب ہے، ملک و مالک یوم دین تو ہے، میں اپنے تمام بتوں کو توڑتا ہوں اور سوا تیرے کسی کے آگے سجدہ ریز نہیں ہوں گا۔ سوا تیرے کسی طاقت سے مدد کا طالب نہیں ہوں گا، اے میرے تنہا اور خالصتاً معبود، اے میرے تنہا اور خالصتاً مستعان، ہم سب کو کہ جس اس طرح جہاں کی گمراہیوں میں پڑے ہیں، اپنے ظلم و جور کی جن بے راہ رویوں میں ہمیں ڈال دیا گیا ہے، اپنی کمزوری کی بنیاد پر ہم جن ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں اور تیرے اور اپنے غیر کے ہاتھوں کا کھلونا بنے ہوئے ہیں ہمیں راہ پر لا، اور ہم سب کو سچائی، آگاہی، حقیقت، کمال، عشق و زیبائی اور خیر کی پاک راہ پر گامزن فرما، ہمیں ان کے ساتھ کر کہ جنہیں تو دوست رکھتا ہے اور نعمتوں سے نوازا ہے، ان کے ساتھ نہیں کہ جن پر تو غضبناک ہے اور نہ ان کے ساتھ کہ جو گمراہ ہیں۔

میقات کی منزل پر، قیامت کے سفید لباس، احرام میں ملبوس ہر رکوع، ہر اس سر کا احرام ہے کہ جسے ہم نے کسی خوف، کسی لالچ یا کسی تقدس کے آگے جھکایا ہے۔ اور ہر سجدہ، ہر اس پیشانی کا انکار ہے جسے ہم نے ذلت کی چوکھٹ پر کسی زور آور کے آگے زمین پر رکھا ہے۔

نماز میقات! اس کا ہر قیام اور ہر قعود ایک پیغام ہے اور یہ پیمان بھی کہ اے

خدائے توحید! اب کوئی قیام اور کوئی قعود سوائے تیرے لیے اور سوائے تیری سمت اور کہیں نہیں ہوگا۔

سلام ہو تم پر اے محمدؐ، اس کے بندے اور اس کے بھیجے ہوئے، اللہ کی رحمت اور برکت ہو تم پر کہ تم نے اس زندگی کے اندر اور اس زمین کے اوپر اس طرح کی رحمت اور برکت کو انسان کے لیے عام کیا۔

سلام ہو ہم پر اور اللہ کے پاک اور پاک کردار بندوں پر،

سلام ہو تم پر۔۔۔۔۔

یہ جملے وہاں (میقات میں) جان پکڑتے ہیں

یہ ضمیر تمام کے تمام اپنے مرجع کی سمت واپس لوٹتے ہیں

یہ اشارے تمام نزدیک ہیں،

وہاں سب حاضر ہیں

کوئی بھی میقات میں، غائب نہیں، خدا، ابراہیمؑ، محمدؐ، لووگ، روح، قیامت، جنت، نجات، آزادی اور عشق وغیرہ۔۔۔۔۔

اور تم اب آدم کے لباس میں، عوام کے لباس میں، وحدت کے لباس میں، بے رنگی کے لباس میں، سادہ سفید اور تقویٰ کے لباس میں، موت کے لباس میں، ایک دوسری پیدائش کے لباس میں اور بالآخر روز حشر کے لباس "احرام" میں ہو۔

اور اب تم اے آدم! خدا کے دھتکارے ہوئے، بازیچہ ابلیس، زمین کی جلا وطنی اختیار کرنے والے، غربت و تنہائی کے محکوم، خاک کی اذیتیں جھیلنے والے، اس کی سمت اپنی طلب میں پھر پشیمان اور معذرت خواہ لوٹ آئے ہو۔

اس وقت تم لا ابالی نہیں، ایک ''قید'' میں آزاد ہو، اس قید میں جسے تم نے خود اپنی آزادی اور آگاہی کی بلندی پر اپنے لیے انتخاب کیا وہ جبر کہ جسے تم نے خود اپنے لیے چنا، اور اب تم مقید ہو، مسئول ہو، ایک ''احرام'' میں ہو، ایک حریم میں ہو، راہی حرم ہو، ایک مکان حرام کے عازم ہو، ایک حرام وقت میں، ایک حرامی لباس میں! اور محرمات کے ایک حریم میں۔۔۔۔

احرام؟ حرام کرنا! ممنوع کرنا۔۔۔۔۔۔

احرام کن چیزوں سے تم کو روکتا ہے؟ کن چیزوں کو تم پر حرام کرتا ہے؟

☆☆☆☆☆

محرمات

ہر وہ چیز کہ جس کی تمہیں یاد آتی ہو، ہر وہ چیز جو دوسروں کو تم سے جدا کرتی ہو، اور ہر وہ چیز کہ جو یہ ظاہر کرتی ہو کہ تم اپنی زندگی میں کون ہو؟ کیا ہو اور بالآخر ہر وہ چیز جس سے تمہاری شناخت ہوتی ہو جو تمہاری زندگی اور تمہارے معاشرے کے نظام کو ظاہر کرتی ہو، ہر وہ چیز کہ جو یادگار ''دنیا'' ہے ہر وہ چیز جس کے بارے میں تم یہ سمجھتے ہو اپنی زندگی میں تم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔ ہر وہ چیز جو انسانی نہیں ہے ہر وہ چیز جو بجز انسان کے یاد آتی ہو، ہر وہ چیز جو روزمرہ کی چیزوں کی یاد دلاتی ہو، ہر وہ چیز جو میقات سے پہلے کی زندگی سے معمولی سا تعلق بھی رکھتی ہو اور ہر وہ چیز جو تمہیں اپنے مدفون ماضی کی طرف لوٹا دے!

1 آئینہ نہ دیکھو تا کہ تمہاری نظر تم پر نہ پڑے، اسے بھلا دو، اپنے ماضی کو

یاد سے ہٹا دو

2 عطر نہ سونگھو، خوشبو کی مہک نہ لو تا کہ تمہارے دل میں زندگی کی یاد نہ آئے، تمہارے دل میں میلانات سر نہ اٹھائیں، ہوس کی بو تمہارے سر میں نہ سمائے اور لذتوں کو دعوت نہ دے کیونکہ یہاں فضا کسی اور ہی عطر سے سرشار ہے، اللہ کی مہک کو استشمام کرو، اپنی مستی کے بوئے عشق کو سوکھنے دو۔

3 کسی کو حکم نہ دو، بھائی چارگی کو زندہ کرو، برابری کی مشق کرو۔

4 کسی جانور کو تکلیف نہ دو، یہاں تک کہ حقیر شے۔۔۔ حشرات الارض کو بھی نہ مارو۔ انہیں آزار نہ پہنچاؤ، حتیٰ کہ ان کے ساتھ زبردستی نہ کرو اس نظام قیصری میں، کچھ دن مسیحانہ طرز زندگی اختیار کرو۔

5 حرم کی زمین سے گھاس کا تنکا بھی نہ توڑو، صلح کو اپنی طبیعت میں بسانے کی مشق کرو، تخریب اور جارحیت کی عادت کو اپنے اندر کچل دو۔

6 شکار نہ کرو، قساوت کو اپنے باطن میں مار دو۔

7 مقاربت ممنوع ہے، ہوس کے پاس بھی نہ پھٹکو تا کہ عشق تمہاری پوری ہستی پر خیمہ زن ہو۔

8 نہ خود سامان ازدواج مہیا کرو اور نہ کسی دوسرے کے نکاح اور شادی میں شرکت کرو

9 بناؤ سنگھار سے دور رہو تا کہ اپنے آپ کو اس طرح دیکھو جس طرح کہ ہو

10 بدزبانی، جنگ وجدال، جھوٹ اور ڈینگیں مارنا مطلقاً نہیں!

11 سلاہوا کپڑا یا اس کی شبیہ کو نہ پہنو، تمہارے احرام پر دھاگے کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی نہ ہوتا کہ ہر طرح کے تشخص اور نمود کی راہ مسدود ہو جائے۔

12 اسلحہ ہرگز ساتھ نہ لو اور اگر اس کی کوئی اشد ضرورت ہو تو ضروری ہے کہ وہ دکھائی نہ دے۔

13 دھوپ سے بچنے کے لیے اپنے سر پر سایہ نہ کرو چھتری، کجاوہ اور ڈھکی چھت والی سواری۔۔۔۔۔۔ممنوع!

14 اپنے پیروں کے اوپری حصے کو جراب یا جوتے سے نہ ڈھانپو۔

15 زیب وزینت سے بچو اور زیورات کا استعمال نہ کرو۔

16 اپنے سر کو نہ ڈھانپو

17 بالوں کو نہ مونڈو

18 سایہ کے نیچے نہ جاؤ

19 ناخن نہ کاٹو

20 کریم نہ لگاؤ

21 اپنے یا دوسرے کے بدن کو زخمی نہ کرو، خون نہ نکلواؤ

22 دانت نہ نکالو

23 قسم نہ کھاؤ

حج کا آغاز ہو گیا ہے محرمات کے ایک حریم میں، لبیک لبیک کی صداؤں کے ساتھ جامہ احرام کے اندر اللہ کی سمت تیزی سے قدم آگے بڑھ رہے ہیں کعبہ کا سفر درپیش ہے۔

یعنی اللہ نے تم کو دعوت دی ہے، تمہیں آواز دی ہے کہ آؤ، اور اب تم آ گئے ہو اور لبیک کہہ کر اس کا جواب دے رہو ہو۔

لبیک اللھم لبیک، ان الحمد و النعمة لک و الملک، لا شریک لک لبیک

ہاں خداوند، ہاں تحمید و نعمت صرف تیرے لیے ہے اور سلطنت بھی! تیرا کوئی شریک نہیں ہے، ہاں۔

حمد، نعمت اور ملک! پھر وہی تین حاکم قوتوں کی نفی سرمایہ داری استحصال اور استبداد، تاریخ پر حاکم تثلیت، لومڑی، چوہا اور بھیڑیا۔۔۔۔ان مخلوقات پر مسلط کہ جو سب بھیڑ ہیں اور اغنام اللہ!

خدا کی آواز صحرا میں کانوں تک پہنچ رہی ہے، ہر ذرہ سے یہ آواز آ رہی ہے، زمین و آسمان کے درمیان کی تمام فضا اس آواز سے معمور ہے ہر کوئی اسے سن رہا ہے، ہر کوئی اسے اپنے سے خطاب سن رہا ہے، سن رہا ہے کہ خدا اسے آواز دے رہا ہے اور وہ تہ دل سے چیخ رہا ہے:

”لبیک اللھم لبیک!“

اور تم لوہے کے برادے کے ذرہ حقیر کی طرح ایک طاقتور مقناطیس کی طرف

کھنچ رہے ہو تمہیں ایسا لگ رہا ہے کہ تمہارے یہ پیر تمہیں نہیں لے جا رہے ہیں بلکہ تمہیں لے جایا جا رہا ہے اور تمہارے پیر تمہارے عقب میں کھنچے چلے جا رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ تمہارے دونوں بازو دو بھاری شہپروں میں بدل گئے ہیں اور تم سفید پرندوں کے کسی دل کے ساتھ فضائے بسیط میں اڑ رہے ہو، تمہیں معراج ہو رہی ہے اور تم سیمرغ کی طرف جا رہے ہو۔۔۔۔۔

کعبہ نزدیک آرہا ہے اور زیادہ نزدیک، تمہارے جوش وجذبے میں ابال آرہا ہے اور زیادہ ابال تم اپنے دل کی دھڑکن کو صاف سن رہے ہو، ایسا لگتا ہے جیسے کوئی وحشی زخمی جانور اندر سے، اپنا سر، تمہارے سینے کی دیوار سے ٹکرا رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے توڑ کر نکل بھاگے!

تمہیں محسوس ہو رہا ہے کہ تم اپنے سے زیادہ بڑے ہو رہے ہو تمہیں لگ رہا ہے کہ تم لبریز ہو رہے ہو اور اپنے وجود میں نہیں سما رہے ہو۔ جوتے تمہیں تنگ محسوس ہو رہے ہیں، تمہارے بدن ہستی پر لباس کو تنگی ہو رہی ہے، اشک آنکھوں میں تھم نہیں رہے ہیں، گویا تم آہستہ آہستہ خدا کے نور سے مملو فضا میں سمائے جا رہے ہو۔ اس کے وجود کو اپنی کھال پر، اپنے قلب پر، اپنی عقل پر، اپنی فطرت کی گہرائی میں، ہر سنگریزہ کی چمک میں، ہر چٹان کی پیشانی پر، ہر پہاڑ کی کمر پر، ہر افق کے ابہامی فاصلے میں اور صحرا کی گہرائیوں میں محسوس کر رہے ہو، تمہاری آنکھیں دیکھ رہی ہیں مگر صرف اس کو، بس وہی وہ ہے جسے تم پا رہے ہو، اس کے سوا ہر چیز موج ہے، کف ہے، جھوٹ ہے۔

"صحرا میں عشق برسا ہے اور زمین تر بہ تر ہوگئی ہے۔ اگر کسی شخص کا پاؤں

گلزار میں دھنس رہا ہےتو تمہارا پاؤں عشق میں دھنسے گا۔‘‘

تم جا رہے ہو اور تمہیں محسوس ہو رہا ہے کہ تم نیست ہو رہے ہو، اپنے آپ سے دور ہو رہے ہو اور اس سے قریب، ہر شے ’’وہ‘‘ ہو رہی ہے اور تم بھی سرتاپا وہ اور خود کچھ نہیں۔ ایک بھولی ہوئی یاد کہ جسے تم نے میقات میں اپنے کندھے سے اتار کر اپنے آپ کو ہلکا کر لیا ہے۔ اور اب میعاد کو جا رہے ہو۔

تمہیں محسوس ہو رہا ہے کہ اب تم نہیں ہو، ذوق وشوق کا ایک پارہ ہو اور بس صرف ایک ’’حرکت‘‘ ہو صرف ایک ’’جہت‘‘ ہو تم آگے بڑھ رہے ہو اور تمہیں حق نہیں کہ ایک قدم پیچھے ہٹو تمہارا رخ اس کی طرف ہے، تم اس میں محو ہو رہے ہو، صحرا کے اس ابر کی طرح کہ جسے دھوپ چوس لیتی ہے۔

قلب ہستی دھڑک رہا ہے، فضا نور الٰہی سے معمور ہو چلی ہے اور تمہارا دل اس کے عشق سے لبریز ہو چکا ہے۔

مالک دینار

’’صحرا میں عشق برسا ہے اور زمین تر بتر ہو گئی ہے اگر کسی شخص کا پاؤں گلزار میں دھنس رہا ہےتو تمہارا پاؤں عشق میں دھنسے گا۔‘‘

اب تم مکہ کی حدود میں قدم رکھتے ہو، شہر قریب ہے، یہاں تم ایک نشانی پر پہنچتے ہو، یہ نشانی اس بات کی ہے کہ اب تم حرم کے حدود میں داخل ہو رہے ہو۔

مکہ، علاقہ حرم ہے۔

اس علاقے میں جنگ اور جارحیت حرام ہے، جو بھی دشمن کے ہاتھ سے بھاگ کر اپنے آپ کو ’’حرم‘‘ میں پہنچا ئے اسے امان حاصل ہے۔ اس علاقے میں

شکار، جنگلی جانور کا قتل، یہاں تک کہ گھاس کا ایک تنکا بھی زمین سے توڑنا حرام ہے۔

کعبہ کو بت پرستی سے آزاد کرانے کے لیے پیغمبر اسلامؐ نے مکہ پر جو حملہ کیا تھا اس کے بعد خود آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اس علاقے کی حدود کی تجدید کی اور اس علاقے میں جنگ وخونریزی کے حرام ہونے اور حرام کے تقدیس کی قدیم روایت کو مستحکم کیا۔

تم اس سرحد کو پار کر کے حرم کے علاقے میں داخل ہوتے ہو۔ اچانک لبیک، لبیک کے وہ ولولہ انگیز نعرے کہ جو فضا کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھے، تھم جاتے ہیں۔

سکوت ــــــ!

مالک دینار

گویا کہ: تم پہنچ گئے ہو

محضر الٰہی میں، حدودِ امن میں، حرم خدا میں ایک سکوت! تمہارے قدم رکتے نہیں ہیں، کعبہ کا شوق تمہیں تڑپا رہا ہے،

اور اب شہر،

بالکل پیالہ نما ــــــ ایک بڑا پیالہ کہ جس کے اطراف کی دیواریں پہاڑی پہاڑی، ہر شاہراہ، ہر سڑک، ہر گلی یا کوئی درہ ہے یا کسی پہاڑ کا شگاف ہے یا گھاٹی ہے جو ہر طرف سے اپنے آپ کو اس عظیم کوہستانی نشیمن کی سطح سے ملاتی ہے، یہ مسجد الحرام ہے، اور اس کے بیچ کعبہ!

شہر کے کوہستانی پیچ وخم سے گزر کر تم قدم بہ قدم کعبہ سے قریب تر ہوتے ہو نشیب میں اترتے ہو اور ایک بے رنگ اور بے نام ونشان جم غفیر میں کھو جاتے ہو بالکل اس سیلاب کی طرح جو درہ کی بالائی سطح پر واقع شاہراہ کے راستے درہ کی گہرائی میں مسجد الحرام سے گزر رہا ہے اور تم ایک قطرہ ہو!

قدم بہ قدم نیچے اتر رہے ہو اور عظمت قدم بہ قدم تم سے نزدیک ہو رہی ہے، بقول، میرے ایک ذی فہم صاحب ادراک ہمنوا کے:

ہمیں ہمیشہ اس بات کی عادت ہو گئی ہے کہ ہم اونچائی کی سمت، صعود میں، بالائی اور بلندی کی طرف حرکت میں عظمت پائیں، خاص طور پر اس وقت جب عظمت، الٰہی ہو، جب بات ملکوت الٰہی سے ہو۔۔۔۔۔ مگر یہاں، اس کے برعکس تم جتنا نیچے اترو گے، بلندی سے جتنا نیچے آؤ گے، خدا سے نزدیک تر ہو گے۔

یعنی فروتنی اور خشوع میں یہ سب کچھ ہے کہ تم شکوہ وجلال تک پہنچو، یعنی بندگی سے بلندی تک، یعنی تم خدا کو آسمانوں اور اس سے پرے نہ ڈھونڈو، اسی خاک میں، اسی زمین پست میں، سنگ وسخت مادیت کے عمق میں اسے ڈھونڈا اور دیکھا جا سکتا ہے، بس صرف صحیح راستہ تلاش کرنا ہو گا۔ صحیح نظر پیدا کرنی ہو گی۔۔۔۔۔ اور شاید آدمی کی سرنوشت، مٹی تلے اس کا دبنا اور پھر اللہ کے سامنے اس کے سر اٹھانے کا اشاریہ بھی اس سلسلے میں مددگار ثابت ہو۔

کعبہ قریب ہے،
سکوت، سوچ، عشق!

ہر قدم شیفتہ تر، ہر نفس ہراساں تر، اس کے حضور کا وزن لمحہ بہ لمحہ سنگین تر،

جرأت نہیں کرتے کہ پلک تک جھپکو، کھینچی ہوئی سانس باہر نہیں نکلتی، تم اپنے مرکب پر، اپنی گاڑی کی سیٹ پر جمے کے جمے رہ گئے ہو، منہ سے کچھ بولا نہیں جاتا۔ سکوت، حیرت، شوق، اور کسی قدر اگلی منزل کی طرف متمایل، سراپا محو تماشا، آگے کی سمت آنکھیں جمی ہوئیں اور سامنے قبلہ!

دیدار کا صبر اور اس وقت کا جھیلنا کتنا بھاری ہے۔ اتنی بلند عظمت کا دیدار کتنا دشوار ہے تمہارے احساس کے یہ نازک کندھے، تمہارے قلب کے یہ کم جرأت یا کم ہمت والے پردے بھلا کس طرح اس کی تاب لا سکتے ہیں؟

تم دروں کے پیچ و خم سے گزرتے ہوئے نیچے آ رہے ہو، راہ میں آنے والے ہر موڑ پر دل بلیوں اچھلتا ہے کہ:

لو وہ رہا کعبہ!

یہ کعبہ ہمارے وجود، ہمارے ایمان، ہمارے عشق، ہماری عمر، اور ہماری روز و شب کی نمازوں کا قبلہ ہے، ہر صبح، ہر دوپہر، ہر شام، ہر مغرب اور ہر عشا ہم اسی کی سمت نماز ادا کرتے ہیں، اسی کی سمت چلتے ہیں، اسی رخ پر دفن ہوتے ہیں ہماری موت اور ہماری حیات اسی کے رخ پر ہوتی ہے، ہمارے گھر اور ہمارے گور کی سمت بھی وہی ہوتی ہے، اور اب چند قدم اور، چند لمحے اور، میں اس کے سامنے اور وہ میرے پیش نگاہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆

کعبہ

اب تم مسجد الحرام کے آستانے پر ہو، اس وقت کعبہ تمہارے سامنے ہے!

کشادہ صحن اور اس کے بیچ میں ایک خالی مکعب اور بس!

اچانک تم پر ایک لرزہ طاری ہوتا ہے! حیرت اور استعجاب تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے!

یہاں ۔۔۔۔۔کوئی نہیں، یہاں ۔۔۔کچھ بھی نہیں ۔۔۔۔۔۔حتیٰ کہ بعنوان نظارہ بھی کوئی چیز نہیں!

ایک خالی کمرہ! اور بس!

تمہارا احساس ایک ایسے باریک پل پر آجاتا ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوتا ہے! ہمارے ایمان، ہمارے عشق، ہماری نمازوں، ہماری حیات اور ہماری موت کا قبلہ یہی ہے؟ کھردرے سیاہ رنگ کے ایک دوسرے پر چنے ہوئے پتھر کہ جن کی جھریوں کو اناڑی پن کے ساتھ ناہموار طور پر چونے سے بھر دیا گیا ہے۔اور بس!

اچانک اس کی توڑ میں ایک تردید تمہارے دل میں لپکتی ہے یہ کہاں ہے؟ ہم کہاں آگئے ہیں؟ قصر ہماری سمجھ میں آتا ہے!

ایک ہنر مندانہ تعمیراتی زیبائی! معبد کی سمجھ بھی ہمیں آتی ہے: سراپا حسن و زیبائی کی حامل پر جلال اونچی چھتوں کے نیچے ایک روحانی سکوت اور پاکیزہ متبرک شام والی عمارت اور آرام گاہ بھی ہمارے کاسہ فہم میں ہے کسی بڑی شخصیت کا مدفن، کسی بڑے رہنما، پیغمبر یا امام کا مقبرہ ۔۔۔۔!

لیکن یہ ۔۔۔۔۔۔؟ کھلے میدان کے وسط میں، ایک خالی کمرہ ۔۔۔۔!

نہ اعلیٰ تعمیر، نہ کوئی خوبصورتی، نہ زیبائی، نہ پتھر پر کوئی نقش، نہ کاشی نہ کچکاری، حتیٰ کہ کسی پیغمبر یا کسی امام کی ضریح، کوئی مرقد مطہر، کوئی عظمتوں والا مرقد۔۔۔ کہ جس کی زیارت کی جا سکے اور ذہن میں اس کا نقشہ مرتب کیا جا سکے اور یہ کہا جا سکے کہ ہم اس کے لیے آئے ہیں اور وہ کسی نقطے، کسی چہرے، کسی واقعیت، کسی عینیت کا احساس دلائے اور بالآخر کسی چیز اور کسی جگہ سے تعلق پیدا کرے، اس سے مناسبت رکھے یا رشتہ قائم کرے ایسا کچھ بھی نہیں!

یہاں اس طرح کی کوئی چیز نہیں، کوئی نہیں،

اچانک تمہارے ذہن میں یہ بات آئی ہے کہ واہ کیا بات ہے! کیا خوب کہ کوئی نہیں، کچھ بھی نہیں، کوئی چیز تمہارے احساس کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیتی اور پھر ناگہانی طور پر تم یہ محسوس کرتے ہو کہ کعبہ ایک بام (چھت) ہے، بام پرواز، اور پھر تمہارا جوہر احساس کعبہ کو چھوڑ کر فضا میں پر کھول دیتا ہے اور تم ''مطلق'' کو محسوس کرتے ہو۔

ابدیت کو درک کرتے ہو

وہ جو اس زندگی میں پھانک پھانک ہے، اس دنیا میں نسبی ہے اسے تم نہیں پا سکتے، محسوس نہیں کر سکتے، فقط فلسفہ جھاڑ سکتے ہو۔۔۔۔ یہاں تم اسے دیکھ سکتے ہو، مطلق کو، ابدیت کو، بے سوئی کو،

''اس کو''

اور کیا خوب کہ یہاں کوئی نہیں، کیا خوب کہ کعبہ خالی ہے!

آہستہ آہستہ تمہاری سمجھ میں یہ بات آنے لگتی ہے کہ تم ''زیارت'' کو نہیں

آئے، تم نے حج کیا ہے یہ تمہاری منزل نہیں ہے کعبہ وہ نشان راہ ہے وہ علامتی پتھر ہے کہ راستہ کھو نہ جائے۔

یہ صرف ایک نشان تھا، ایک علامت تھی، ایک "فلش" تھا کہ جو صرف تمہیں "جہت" کی نشاندہی کرتا تھا۔

تم نے حج کیا، قصد کیا، مطلق کا عزم کیا، ابدیت کی سمت چلے، حرکت ابدی کو اپنایا، اس کی سمت بڑھے، کعبہ تک نہیں! کعبہ آخر راہ نہیں آغاز راہ ہے۔

یہاں "انتہا" تمہارا غدار، تمہاری موت اور تمہارا توقف ہے۔ وگرنہ یہ منزل حرکت اور جہت کی ہے اور بس!

یہ جگہ میعادگاہ ہے، خدا، ابراہیمؑ محمدؐ اور اولاد آدم! کی میعادگاہ اور تم اس وقت تک جب تک کہ "تم" ہو یہاں غائب ہو، جیسے سب ہیں ویسے ہو جاؤ، خلق بنو، "لوگ" بنو اے وہ کہ جس نے لوگوں کا یکساں لباس پہن رکھا ہے، اس لیے کہ لوگ ناموس خدا ہیں، خانوادہ خدا ہیں (الناس عیال اللہ) وہ اپنے خانوادہ کی نسبت ہر کسی سے زیادہ غیرت مند ہے۔۔۔!

اور یہاں اس کا حرم ہے، اندرون حرم اس کا گھر ہے! یہ "لوگوں کا گھر" ہے۔

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکتہ مبرکا وھدی للعلمین

اور تم جب تک "تم" ہو حرم میں تمہارا داخلہ بند ہے (عام انسان بنو)

یہ "بیت عتیق" ہے۔ عتیق، "عتق" سے، بندے کو آزاد کرنا،

عتیق: آزاد۔۔۔۔!!

وہ گھر کہ جو ذاتی مالکیت اور جابر حکمرانوں کے تسلط سے آزاد ہے، کسی کا اس

پر تصرف نہیں، گھر کا مالک خدا ہے اور گھر والے، لوگ

اور یہی وجہ ہے کہ جب تم اپنے شہر، اپنے دیہات اور اپنے گھر سے چار فرسخ کا راستہ طے کرتے ہو تو مسافر بن جاتے ہو اور تمہاری نماز قصر ہو جاتی ہے، آدھی، مسافر کی نماز! اور یہاں دنیا کے جس کونے سے بھی آئے ہو، پوری پڑھو گے، اس لیے کہ اپنے گھر آئے ہو، مسافر نہیں ہو، اپنے وطن، اپنے دیار، اپنی حریم امنیت اور اپنے گھر میں ''لوٹے ہو'' اپنے **ملک** میں تم اجنبی تھے، مسافر تھے یہاں تم، اے بڑارے گئے کٹے نرسل، اے پردیسی زمین کے جلاوطن انسان! اپنی نیستان میں واپس آئے ہو، اپنی حقیقی زادگاہ کی طرف واپس لوٹے ہو۔

خدا اور اس کا گھرانہ: بنی نوع انسان! دنیا کا یہ عزیز القدر کنبہ اس وقت اپنے گھر میں ہے اور تم جب تک ''تم'' ہو، بیگانے ہو، بے جوڑ ہو، بے سہارا انقطاع یافتہ ہو، بے ٹھکانے کے خراب وخستہ اور بے خانماں وجود ہو! تم اپنے ''تم پن'' سے باہر نکلو اور اسے چھوڑ کر گھر میں آؤ اور اس گھر کے فرد بنو۔

اگر تم نے میقات میں خود کو دفن کر دیا ہوتا تو ''انسان بن گئے ہوتے''

فرسخ یا فرسنگ ایک کوس یا تین میل کی مسافت کو کہتے ہیں (اہل فارس کے حساب سے ان کے ہاں کا میل چار ہزار گز کا ہوتا ہے اور زمانہ حال میں انگریزی میل 1860 گز کا مانا گیا ہے) اردو مترجم

اور یہاں، ایک دوست، ایک آشنا اور خاندان خدا کے ایک قریبی عزیز کی طرح گھر میں تمہارا داخلہ ہوتا۔

تم ابراہیمؑ کو آستانے پر کھڑے دیکھتے، تاریخ کے اس مقصر سن رسیدہ انسان

کو کہ جو زمین کے تمام خداؤں سے برگشتہ تھا، اس اعلیٰ مراتب پر فائز عاشق کو کہ جو خدائے توحید کا بندہ ناچیز تھا!

اسی نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس گھر کو بنایا۔

زمین پر کعبہ، اس عالم ہست و بود میں اللہ کا ایک اشاریہ ہے ایک رمز ہے۔

اس کا مٹی گارا، اس کی زینت، اس کا زیور؟ (کیا ہے)

مکہ کے قریب واقع کوہ ''عجون'' کے سیاہ پتھروں کے ٹکڑوں کو کاٹ کر بڑی سادگی کے ساتھ بغیر کسی ٹیکنیک، بغیر کسی نقش و نگار اور بغیر کسی خوبصورتی کے ایک دوسرے پر چنا گیا ہے اور بس!

اس کا نام؟ اس کے اوصاف؟ اور اس کے القاب؟ (کچھ نہیں بس-----)

''کعبہ''!

ایک ''مکعب''! اور بس!

مگر کیوں ''مکعب''؟ کیوں اتنا سادہ؟ کیوں اتنا بے تشخص اور بے تزئین ؟-----

(اس لیے کہ) خدا بے ''شکل'' ہے۔ بے ''رنگ'' ہے-------، بے ''شبیہہ'' ہے اور انسان جو بھی اسکیچ تیار کرے، جو بھی صورت سامنے لائے جس تصور کو بھی حقیقت کا رنگ دے، خدا نہیں ہے۔

خدا ''مطلق'' ہے

بے ''جہت'' ہے

یہ تم ہو کہ جو اس کے سامنے ''جہت'' پکڑتے ہو

یہی سبب ہے کہ تم کعبہ کی جہت میں ہو اور کعبہ کی خود کوئی جہت نہیں۔

اور انسان کا ذہن ''بے جہتی'' کو نہیں سمجھ سکتا۔

جس چیز کو بھی تم اس کے وجود۔۔۔۔۔ مطلق بے سوئی۔۔۔ کا اشاریہ بناؤ گے وہ خواہ ناخواہ جہت پکڑے گا اور خدا کا اشاریہ نہیں ہوگا۔

کس طرح زمین پر اس کی ''بے جہتی'' کو دیکھا جا سکتا ہے؟

صرف اس طرح کہ:

''تمام متناقص جہات، کو ایک ساتھ جمع کر دیا جائے۔''

تا کہ ہر جہت، اپنے نقیض جہت کی نفی کرے اور تب ذہن اس سے ''بے جہتی'' کو سمجھے۔

کل جہات کتنی ہیں۔۔۔۔۔؟

چھ،

اور وہ تنہا صورت جو ان چھ جہتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، کیا ہے۔۔۔؟

مکعب!

اور مکعب، یعنی ساری جہات،

اور ساری جہات یعنی بے جہتی!

اور اس کا عینی اشاریہ:

کعبہ۔۔۔۔!

فاینما تولو افثم وجہ اللہ

جس طرف بھی رخ کرو، اب اسی کی جہت اور اسی کی سمت میں ہوگی

اور یہی وجہ ہے کہ کعبہ کے اندر تم جس جہت سے بھی نماز پڑھو اسی کی سمت ہو گی اور بیرون کعبہ جس سمت کو اختیار کرو تمہارا رخ اس کی طرف ہوگا۔

کیونکہ ہر شکل۔۔۔۔۔بجز کعبہ۔۔۔یا شمال کے رخ پر ہے یا جنوب کے رخ پر یا مشرق کی سمت یا مغرب کی سمت، یا زمین کی طرف مایل ہے یا آسمان کی طرف۔

اور کعبہ سب کے رخ پر ہے اور کسی کے رخ پر نہیں، ہر جگہ ہے اور کہیں نہیں،

''ہمہ رخی'' یا ''بے رخی''، خدا!

اور اس کا اشارہ: کعبہ!

لیکن۔۔۔

حیرت ہے! کعبہ اپنے مغربی حصے میں ایک افزودگی یا ضمیمہ رکھتا ہے کہ جس نے اس کی شکل میں تبدیلی پیدا کی ہے اور اسے ''جہت'' دی ہے۔

یہ کیا ہے؟

کعبہ کے رخ پر، ہلالی شکل کی ایک نائی دیوار

نام۔۔۔۔۔۔؟

''حجر اسمعیل''

''حجر''، یعنی کیا؟

یعنی: دامن!

اور سچ مچ یہ ایک ''دامن'' کی طرح ہے، دامن پیراہن، ایک عورت کا

پیراہن!

ہاں،

ایک حبشی عورت کا

ایک کنیز کا!

ایک سیاہ رنگت والی باندی کا،

ایک عورت کی لونڈی کا دامن،

ایک ایسی بے قدر لونڈی کا کہ جسے ایک عورت نے اپنے شوہر کی ہمبستری کے لیے منتخب کیا ہے۔

یعنی اسے اتنی بھی اہمیت حاصل نہیں کہ وہ اس کی سوکن کہلائے

اور اس کا شوہر صرف بچے کی خاطر اس سے قربت حاصل کرتا ہے،

ایک ایسی عورت کہ جو انسانی نظام میں ہر افتخار سے عاری رہی ہے اور اب خدا نے اس کے دامان پیراہن کے اشاریہ کو اپنے وجود کے اشاریہ کے ساتھ ملا دیا ہے۔

یہ ہاجر کے پیرہن کا داماں ہے!

وہ داماں کہ جس نے اسماعیلؑ کی پرورش کی ہے،

یہ "ہاجر کا گھر" ہے

ہاجر، یہیں، کعبہ کے تیسرے پائے کے قریب دفن ہے،

حیرت ہے، کسی کو بھی ۔۔۔۔ حتیٰ کہ پیغمبروں کو بھی ۔۔۔۔۔۔ مسجد میں دفن نہیں کرنا چاہئے۔

اور یہاں، خانہ خدا، دیوار بہ دیوار ایک کنیز کے گھر سے متصل؟

اور خانہ، ایک ماں کا مدفن؟

میں کیا کہہ رہا ہوں ۔۔۔۔۔؟

اللہ کی بے جہتی نے ،صرف اس کے دامن میں ''جہت'' اختیار کی ہے کعبہ نے اس کی سمت دامن بچھایا ہے۔

اس ہلالی دائرہ اور خانہ خدا کے درمیان آج بہت کم فاصلہ ہے۔

اور خانہ خدا کے گرد گھومتے ہوئے اس فاصلے سے گزرا جا سکتا ہے۔

مگر ہاجرہ کے دامن بنا۔۔۔۔ کعبہ۔۔۔ اشاریہ توحید! کے گرد گھومنا طواف نہیں، یہ طواف قبول نہیں!

حج نہیں!

حکم ہے ،فرمان خدا ہے،

ان سب لوگوں پر کہ جن کا توحید پر ایمان ہے، ان سب افراد پر کہ جو اللہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں، ان تمام صاحبان روح و نفس پر، کہ جو دائرہ بشریت میں آتے ہیں لازم ہے ،خدا کے گرد طواف عشق میں، کعبہ کے گرد گھومنے میں اس کے دامان پیرہن کو بھی اپنے طواف میں شامل کریں۔

کیونکہ اس کا گھر ،اس کا مدفن اور اس کا دامن بھی مطاف ہے۔

یہ بھی کعبہ کا ایک حصہ ہے

اس لیے کہ کعبہ یہ ''مطلق بے جہتی' صرف اس دامن کی جہت سے جہت کا حامل ہوا ہے۔

ایک افریقی کنیز اور ایک اعلیٰ اوصاف کی حامل ماں کے دامان پیراہن کی جہت میں۔دامان کعبہ عالم بشریت کے لیے ابدی مطاف بن گیا ہے۔

خدائے توحید اپنے کبریائی جلال کے عرش پر تنہا بیٹھا ہے۔اس نے ساری کائنات کو اپنے ماسویٰ کی طرف ہنکایا ہے، وہ جس ماوریٰ میں بھی ہے تنہا ہے اور اپنی خدائی ملکوت میں، یکتا ہے۔

لیکن۔۔۔۔۔۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی اس خلقت کے لامتناہی سلسلے میں تمام مخلوقات کے درمیان سے ایک مخلوق کو چنا ہے، اپنی اعلیٰ ترین مخلوق، انسان کو۔

اوراس میں، عورت کو:

اورعورت میں بھی۔۔۔۔۔

سیاہ فام عورت کو،

اوراس میں بھی۔۔۔۔۔۔

سیاہ فام کنیز خاتون کو،

اوراس کے اندر بھی۔۔۔۔

ایک عورت کی سیاہ فام کنیز کو۔۔۔۔۔۔۔!

اپنی حقیر ترین مخلوق کو۔۔۔۔۔۔۔!

اوریہی نہیں اسے اپنے پہلو میں بٹھایا ہے،

اپنے گھر میں جگہ دی ہے۔۔۔۔یا پھر

خدا خود اس کے گھر آیا ہے،

اس کا ہمسایہ بنا ہے،

اس کا ہم خانہ بنا ہے،

اور اب اس ''گھر'' کی چھت کے نیچے دو ہستیاں ہیں!

ایک خدا،

اور دوسری ہاجرہ!

ملت توحید میں گمنام جانباز کو اس طرح انتخاب کیا ہے!

پورا حج، جناب ہاجرہ کی خاطر قائم ہے،

اور ہجرت، عظیم ترین عمل، عظیم ترین حکم، ''ہاجرہ'' کے نام سے مشتق ہے

اور مہاجر، عظیم ترین الٰہی انسان، ایک ہاجر صفت آدمی ہے۔

'' المهاجر ، من صار کهاجر '' !!

مہاجر ایک ہاجر صفت انسان ہے!

پس ''ہجرت''؟ (کیا ہے)

ہاجر صفت کام! اور اسلام میں، وحشی پن سے تمدن کی طرف جانا ہے! اور یہ سیر یا یہ سفر کفر سے اسلام کی طرف آنے کے مفہوم میں ہے، چونکہ ''تعرب بعد الھجر ہ'' بشر کی زبان میں توحشش بعد از تمدن اور اسلام کی زبان میں، ایمان کے بعد کفر کی طرف واپس لوٹنے کو کہتے ہیں! پس کفر یعنی توحش اور دین یعنی تمدن!

اور ''ہجر'' ۔۔۔۔ زبان ہاجرہ کا ۔۔۔۔ ایک حبشی لفظ یعنی ''شہر'' یعنی ''مدینہ''

اور ہاجرہ، ایک سیاہ فام حبشی کنیز، ایک افریقی عورت، وحشی انسان کی مظہر، یہاں، اساس مدنیت!

ہاجر صفت انسان، یعنی ایک متمدن انسان! اور ہاجر صفت حرکت، یعنی مدنیت کی طرف انسان کی حرکت!

اور اب، خدا کے گرد انسان کی حرکت میں بھی، پھر ہاجر!

اور اے خدا کا عزم کرنے والے مہاجر تمہارا مطاف کعبۃ اللہ ہے اور "دامان ہاجر"!

ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟

ہماری "سمجھ میں" نہیں سماتا

ہیومنیزم اور عصر آزادی کے انسان کا احساس اس مفہوم کو پانے کی تاب نہیں رکھتا!

خدا ایک افریقی سیاہ فام کنیز کے گھر میں۔

☆☆☆☆☆☆

طواف

اس وقت کعبہ ایک گرداب کے بیچ ہے، ایک پر جوش وخروش گرداب کہ جو چکر کاٹ رہا ہے اور کعبہ کے طواف میں مصروف ہے ایک نقطہ ثابت درمیان میں اور اس کے گرداگرد دائرہ در دائرہ ہر کوئی متحرک،

ابدی ثبوت یا ابدی استقلال اور ابدی حرکت!

ایک آفتاب بیچ میں اور اس کے گرد ہر کوئی اپنے **فلک** میں ایک ستارہ کہ جو آفتاب کے گرد، دائرہ در دائرہ گھوم رہا ہے۔

ثبات، حرکت و نظم! = طواف

یعنی کہ ایک ذرہ سے متعلق اشارےیہ؟ ایک منظومہ کا تجسم، یا جہاں بینی تو حید میں سارا عالم؟

خدا قلب عالم ہے، محورِ وجود ہے، مرکز کائنات ہے کہ جس کے گرد تمام عالم طواف کر رہا ہے اور تم اس منظومہ میں، خواہ کعبہ میں ہو کہ عالم میں ایک ذرہ ہو، اور ایسا ذرہ کہ جو عالم حرکت میں ہے، ابھی یہاں تو ابھی وہاں، ایک دائمی حرکت ہے کہ جس میں تم سفر کر رہے ہو، ایک کیفیت کے ساتھ مگر ہر دم ایک نئی صورت میں، ہمیشہ تغیر کے عالم میں ہمیشہ ''ہوتے رہنے'' کے عمل میں، طواف میں مگر ہمیشہ اور ہر جا ''اس'' سے اور ''کعبہ'' سے تمہارا فاصلہ ثابت تمہاری دوری اور نزدیکی کا انحصار اس بات پر ہے کہ تم اس گھومنے والے دائرہ میں کس پٹی کو انتخاب کرتے ہو، دور والی کو یا نزدیک والی کو لیکن تم ہرگز اپنے آپ کو کعبہ سے نہیں چپکاؤ گے، ہرگز اس کے پاس کھڑے نہیں ہو گے اس لیے کہ اس سے توقف نہیں، تمہارے لیے رکنا نہیں کیونکہ وحدت، وجود نہیں، توحید ہے۔

انسانوں کا گرداب، کعبہ کے گرد چکر لگا رہا ہے اور جہاں تک نظر جاتی ہے انسان ہی انسان نظر آ رہے ہیں یہ وہ مقام ہے کہ جہاں تم، لوگوں کو دیکھ سکتے ہو، مرد و زن کو نہیں۔۔۔ اس کو، اس کو نہیں، مجھے اور اسے نہیں، اور تمہیں اور ان کو بھی نہیں۔

کل کو دیکھ سکتے ہو جز کو نہیں۔۔۔۔

فرد، کل میں مل گیا ہے فنا۔۔۔۔

فرد ہے مگر خدا میں نہیں ۔۔۔۔۔ ہم میں نہیں ۔۔۔۔۔ انسان میں نہیں ۔۔۔۔لوگوں میں نہیں، بہتر ہے کہہ دوں: ''امت'' میں! لیکن وہ فنا کہ جو جہت خدا میں ہو، خدا کے لیے ہو اور خدا کے طواف میں ہو!

یعنی فرد کی فنا مخلوق خدا میں اور فرد کی بقا مخلوق خدا میں، کیونکہ خدا اور مخلوق خدا ایک جہت میں ہیں، ایک صفت میں ہیں، یعنی کہ یہاں اللہ کی طرف راہ مخلوق خدا سے ہو کر گزرتی ہے فردیت سے تنہائی کی راہ ادھر نہیں جاتی۔

تمہاری رہبانیت ''خانقاہ'' میں نہیں ''اجتماع'' میں ہے، ''میدان عمل'' میں ہے کہ تم ایثار میں، اخلاص میں، اپنی نفی میں، تکلیفوں، محرومیوں، اسارتوں اور تشددوں کے عذاب کو جھیل کر، خطروں کا مقابلہ کر کے، جدوجہد کے میدان میں، خلق خدا کو ملحوظ خاطر رکھ کر خدا تک پہنچتے ہو۔ کیونکہ:

''ہر مذہب میں ایک رہبانیت ہے اور میرے مذہب کی رہبانیت جہاد ہے''(رسول اکرمؐ)

یہی وجہ ہے کہ طواف میں تمہیں کعبے کے اندر نہیں جانا ہے، اس میں جا کر اٹھنا بیٹھنا نہیں ہے، مجمع میں قدم رکھنا ہے اور طواف کرنے والوں کے اندر گم ہو جانا ہے، انسانوں کے اس گرداب میں غرق ہونا ہے، اپنے آپ کو طواف کرنے والی خلاقت کے سپرد کرنا ہے اور خود سے گزر کر مجمع سے متصل ہونا ہے۔

اور اسی کا نام حج ہے۔

اور یہی عمل تمہیں حاجی بناتا ہے اور اسی کو پیش نظر رکھ کر تم اللہ کی دعوت کو لبیک کہتے ہو اور اس کے حرم کی راہ پاتے ہو۔

تم کیا دیکھ رہے ہو؟

کعبہ ایک جگہ ساکت ہے اور اس کے گرد؟ ایک سفید ریلا یکساں، یک رنگ، یک صورت اندامیں، بلا تشخص، بلا شناخت، بلا کسی ایسی علامت کے کہ جو کسی کو کسی سے ممتاز کرے، بہ رہا ہے، یہاں کسی کی شناخت نہیں ہوسکتی۔

صرف یہی وہ جگہ ہے جہاں تم ''کل ہونے'' کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو بیرون کعبہ فرد، واقعیت کا حامل ہے، ایک دکھائی دینے والا جز ہے، کلیت ایک ذہنی مفہوم ہے، ''انسان'' ایک معنی، ایک تصور، ایک عقلی، ذہنی اور منطقی مفہوم ہے۔

باہر کی دنیا میں صرف ''انسان'' ہے وہ جو بھی ہو، حسن ہو کہ حسین، مرد ہو کہ عورت، مشرقی ہو کہ مغربی لیکن یہاں حقیقتیں سب مٹ چکی ہیں، کلی مفہوم، عقلی یا ذہنی حقیقت، بیرونی عینی واقعیت بن گئی ہے۔ اس وقت کعبے کے گرد صرف ''انسان'' ہے جو طواف کر رہا ہے، عامۃ الناس اور بس ۔۔۔!

اور تم جب تک ''تم'' ہو، طواف سے باہر ہو، تماشائی ہو اور ''انسانوں'' کے اس گرداب کے ''ساحل'' پر ایستادہ ہو اور ''ایستادہ رہو گے''! پس تم نیست ہو، بیگانے ہو، ایک فرد ہو، کچھ نہیں ہو، منظومہ کا وہ ذرہ ہو کہ جسے فضائے بسیط میں پھینک دیا گیا ہو اور اس کا کہیں پتہ نہ ہو۔

لازم ہے کہ ہست بنو۔

یہاں تمہیں یہ سکھایا جاتا ہے کہ تم صرف اپنی ''نفی'' میں اثبات کو پہنچو گے'' اپنے آپ کو ذرہ ذرہ، اندک اندک دوسروں پر قربان کر کے، امت پر اپنے آپ کو وار کے'' ذرہ ذرہ، اندک اندک ''اپنے آپ'' کو پاؤ گے، خود کو دریافت کرو گے اور

تمہیں اپنی صحیح حقیقت معلوم ہو گی۔

اور پھر ''اچانک انقلابی طور پر اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنے اور سرخ موت میں فنا ہونے کی بات'' تمہیں شہادت کی طرف کھینچ لائے گی اور تم شہید ہو جاؤ گے اور شہادت کے معنے ہیں حضور، یعنی حیات یعنی وہ کہ جو ہمیشہ پیش نظر ہے، محسوس ہے۔ اور شہید یعنی ہمیشہ حی، ہمیشہ حاضر و ناظر اور زندہ جاوید کا مرئی اور عینی نمونہ!

'' ولاتحسبن الذین قتلو فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون''

سبیل اللہ یعنی سبیل الناس دونوں ایک ہیں فردیت سے اللہ کی طرف کوئی راہ نہیں ہے اگر یہاں تم یہ سوال کرو کہ پھر فرادی عبادتیں کیوں؟ تو میں کہوں گا اس لیے کہ تم اپنی تعمیر کرو، اپنے آپ کو پروان چڑھاؤ تا کہ تم ایثار کے آستانے تک پہنچ سکو، اپنے اندر اجتماع کے لیے جی سے گزرنے کی شائستگی پیدا کرو، انسان بنو، اس لیے کہ فرد، فانی ہے اور انسان باقی، انسان اس دنیا میں اللہ کا خلیفہ ہے اور جب تک خدا، خدا ہے، اس کا خلیفہ ہے، اس کا سایہ ہے، اس کی آیت ہے، یعنی آدم ہے اور تم اس جاوید میں اپنے آپ کو مار کر، زندہ و جاوید رہو گے۔ اس لیے کہ دریا یا سمندر سے جدا قطرہ، شبنم ہے اور رات کی حد تک ہے، اس کی عمر ایک شب کی ہے وہ ساکن ہے اور نور کی پہلی مسکراہٹ اسے محو کر دیتی ہے۔

دریا میں سما جاؤ تا کہ زندہ رہو اور بڑھتے بڑھتے سمندر تک پہنچو۔

اس خوش رفتار موجیں مارتے ہوئے گرداب کے کنارے کہ جو نظام خلقت کو

سمجھا رہا ہے تم کھڑے کیا کر رہے ہو اے شبنم صفت انسان؟ اپنے آپ کو اس گرداب میں ڈال دو اور آگے بڑھو!

اب جب کہ تم نے لوگوں کے ساتھ رشتہ جوڑنے کا قصد کیا ہے تو پہلے ''نیت'' کرو تا کہ خود آگاہ بنو تا کہ تمہیں یہ معلوم ہو کہ تم کیا کر رہے ہو؟ اور کیوں کر رہے ہو؟ خدا کے لیے کر رہے ہو، اپنے لیے نہیں، حقیقت کے پیش نظر کر رہے ہو، سیاست کے پیش نظر نہیں۔

ہر کام کا یہاں ایک طریقہ ہے اس دائمی حرکت میں ایک باقاعدہ نظام کارفرما ہے، اور یہی دستور عالم ہے۔

حجر الاسود، بیعت

''رکن حجر الاسود'' وہ مقام ہے کہ جہاں سے تمہیں داخل طواف ہونا پڑے گا یہیں سے تم منظومہ عالم میں قدم رکھو گے اور لوگوں کے ہجوم میں اترو گے اور گرداب خلقت میں مثل ایک قطرے کے کھو جاؤ گے اور کسی قدر تامل کے بعد اپنے فلک سیر کو ڈھونڈ لو گے ورپھر اپنی حرکت کا آغاز کرو گے اور اپنے مدار پر قائم رہو گے، تمہارا یہ سفر مدار خدا ہو گا لیکن اس کا راستہ خلق کی طرف سے کھلے گا۔۔۔۔۔۔!

آغاز میں تمہیں حجر الاسود کو چھونا ہوگا، اور اس کے لیے سیدھا ہاتھ استعمال کر کے فوراً اپنے آپ کو گرداب کے حوالے کرنا ہوگا۔

یہ پتھر ایک اشارہ یہ ہے ''ہاتھ'' کا، سیدھے ہاتھ کا، مگر کس کا؟ اللہ کے سیدھے

ہاتھ کا

'' الحجر الاسود یمین اللہ فی ارضہ!''

ایک تنہا شخص اس لیے کہ اکیلا زندگی گزار سکے، ایک تنہا قبیلہ اس لیے کہ صحرا میں کوئی اس کا حمایتی ہو، کسی قبیلہ کے سردار یا کئی قبیلوں کے ساتھ معاہدہ کرتا تھا اور اس طرح وہ اس کا یا ان کا حلیف بن جاتا تھا اور اس طرح یہ سب ایک دوسرے کے اچھے معاھد اور اچھے حمایتی بن جاتے تھے، لوگ کسی کام یا کسی بڑی بات کے سلسلے میں کسی بڑی شخصیت کے ساتھ معاہدہ کرتے تھے اور اس معاہدہ کا نام بیعت تھا اور اس کی شکل؟

تم جب کسی قبیلے کے سردار یا کسی رہبر و رہنما کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے تو اپنا سیدھا ہاتھ آگے لاتے تھے اور وہ اپنے سیدھے ہاتھ (یمین) کو تمہارے سیدھے ہاتھ پر رکھتا تھا اور اس طرح تم اس کی بیعت میں آجاتے تھے اور اس کے حلیف بن جاتے تھے۔

اور رواج تھا کہ جب تمہارا ہاتھ بیعت کے لیے کسی اور کے ہاتھ میں جاتا تھا تو وہ پچھلی بیعتوں سے آزاد ہو جاتا تھا۔

اور اب اس عظیم انتخاب کی گھڑی میں کہ جو تمہارے ہدف اور تمہاری سر نوشت کو متعین کرتی ہے اور اس سمے جب کہ تم اپنے اقربا کو چھوڑ کر دوسروں میں ڈوب جانے، لوگوں میں اپنے آپ کو ملانے اور مجمع سے ہم آہنگ ہونے کا عزم کر رہے ہو تو آغاز میں یہ ضروری ہے کہ تم اللہ کے ساتھ بیعت کرو۔

خدا نے اپنے سیدھے ہاتھ کو تمہارے سامنے کھول دیا ہے۔ اب تم بھی اپنا

ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ بیعت کر لو اور اس کے معاہد بن جاؤ۔ اپنے تمام پچھلے عہد و پیان کو توڑ دو، ان سب کو منسوخ کر دو، اپنا ہاتھ زر، زور، مکر و فریب، زمین کے خداؤں، قبائلی سرداروں، اشراف قریش، ''مالکان بیوت''! اور ان سب کی بیعت سے اٹھا لو اور آزاد ہو جاؤ!

يد الله فوق ايديهم!

اللہ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر محسوس کرو، اسے مس کرو، یہ ہاتھ ان ہاتھوں پر ہے جنہوں نے تمہارے ہاتھ کو اپنی بیعت پر باندھ لیا ہے!

اب جب تم نے دوسروں کی بیعت سے آزادی حاصل کر لی، خدا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا، اپنے میثاق فطرت کی تجدید کی، ''مسئول'' بنے اور خدا کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو گیا تو اپنے آپ کو خلقت میں سمو دو، رکو نہیں، چلو دو اور اپنے مدار کو ڈھونڈو، اس کا انتخاب کرو اور مجمع میں کود پڑو اور طواف کی منزل میں آؤ۔

اس چھوٹی سی نہر کی طرح کہ جو ایک عظیم اور طاقتور ندی سے ملتی ہے تم بھی قدم بہ قدم اپنے ٹھہرے ہوئے وجود اور الگ رہ جانے والی ذات سے دور ہونے لگو گے اور مجمع میں شمولیت اختیار کرو گے، تمہارا طواف شروع ہو گا اور تم یہ کوشش کرو گے کہ اپنے دائرہ طواف کے مدا کو ''گھر'' سے قریب تر کر لو، تمہیں محسوس ہو گا کہ تم ''اکیلے نہیں جا رہے ہو'' ''پورا مجمع تمہارے ساتھ جا رہا ہے'' اور پھر آہستہ آہستہ تم پر ظاہر ہو گا کہ ''تم خود نہیں جا رہے ہو'' ''مجمع تمہیں لے جا رہا ہے'' جن پاؤں نے تمہیں فردیت پر قائم رکھا تھا انہوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ بیکار ہو گئے ہیں مجمع کی قوت، مجمع کی حرکت، مجمع کے عزم، مجمع کے کھچا کھچ اور

قانون عالم نے تمہیں سختی سے اپنی آغوش میں جکڑ رکھا ہے اب تم اپنے پیر پر نہیں ہو، غیر کے ہاتھ میں نہیں ہو سرے سے ہو ہی نہیں! فقط مجمع ہے جس قدر اندر آنے کی کوشش کرو گے لوگوں کا دباؤ تم پر زیادہ ہوتا چلا جائے گا اور تم کھنچتے چلے جاؤ گے۔

مجمع تمہیں، جو ابھی تک اپنی ''میں'' پر قائم ہو، برداشت نہیں کرسکتا، وہ تمہیں ختم کرے گا، جذب کرے گا، ہضم کرے گا اور پھر تم اس کے متحرک اور زندہ و جاوید پیکر میں خون کا قطرہ بن کر دوڑو گے۔

لیکن اب تمہارا یہ سفر ''اپنے میں'' نہیں ہوگا، ''مجمع'' میں ہوگا
تم مجمع میں شمولیت اختیار کرو گے،
لیکن ''سیاست'' کی بنیاد پر نہیں، ''عشق'' کی اساس پر!

اور پھر خدائے ابراہیم کو دیکھو کہ اس نے اپنی ذات سے بندے کے ملاپ کو، اجتماع سے فرد کے ملاپ کے ساتھ کس طرح متصل کیا ہے، کس خوبصورتی اور کتنے لطیف اور عمیق انداز کے ساتھ وہ تمہیں اپنے عشق کی کشش پر، اجتماع کی طرف کھینچ رہا ہے۔

تم اس کے دیدار کے لیے آئے ہو اور اپنے آپ کو لوگوں کے مجمع میں پا رہے ہو۔ اس نے تمہیں اپنے گھر دعوت دی اور تم اس کی خلوت دیدار کے عشق میں اتنی دور سے یہاں آئے ہو۔

اور وہ کہہ رہا ہے کہ:

مجمع میں اتر جاؤ، مجمع کے ساتھ چلو، ''گھر میں داخل نہ ہو'' ''گھر'' کے پاس

کھڑے نہ ہو، یہاں تک کہ ''گھر'' کا رخ اختیار نہ کرو، ''گھر'' کے رو در رو طواف نہ کرو، مجمع کے کندھے سے کندھا ملا کر چلو، رخ آگے کی طرف رکھو، کعبہ قبلہ ہے، اگر تم نے طواف میں اپنا رخ مدار سے ہٹا کر کعبہ کی طرف کیا تو اپنے طواف کو تباہ کیا! توقف نہ کرو، دائیں یا بائیں جانب نہ جاؤ، نہ پلٹو، اپنا سر پیچھے کی طرف نہ پھیرو، تم ''کعبہ کے پاس'' ہو اس کی زیارت نہ کرو، قبلے کے قریب ہو، قبلہ کو نہ دیکھو اس لیے کہ قبلہ تمہارے منہ کے سامنے ہے۔

اس وقت تم نظام آفرینش کا ایک حصہ بن گئے ہو، تمہارا قدم اس منظومہ کے مدار میں ہے، تم خورشید عالم کے دائرہ جذب میں آ گئے ہو اور ایک ستارہ کی طرح بائیں جانب سے داہنی طرف طواف کر رہے ہو۔ تمہارا یہ طواف خدا کے گرد ہے، تم چکر پر چکر لگا رہے ہو، آہستہ آہستہ تمہیں احساس ہو رہا ہے کہ تم ہیچ ہو گئے ہو، تم نے اپنے آپ کو بھلا دیا ہے اور اپنی حالت پر واپس نہیں آ رہے ہو، بس عشق ہے، کشش عشق ہے اور تم ایک مجذوب!

طواف پر طواف کا عالم ہے اور تمہیں ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کہیں کوئی شے نہیں، صرف ''وہ'' ہے اور تم عدم ہو ''ایک ایسا عدم کہ جو اپنے وجود کا احساس کر رہا ہے۔''

یا: وہ وجود کہ جو اپنے عدم کو محسوس کر رہا ہے!

تمہارا یہ طواف ابھی باقی ہے اور تم محسوس کر رہے ہو کہ تم ایک نقطہ ہو اور اس طواف نے اسے ایک خط بنا دیا ہے، تم اب ایک مدار بن گئے ہو اور تمہارا پورا وجود ایک حرکت، ایک طواف اور ایک حج ہے اس کا طواف، اس کا حج اور تم ایک مکمل ''

تسلیم"! ایک توکل، ایک تفویض، آزادی سے کہیں بلند، اور یہ وہ جبر ہے جسے تم نے خود اختیار کیا ہے!

عشق اپنی معراج پر پہنچ گیا ہے، عشق کو مطلق تک رسائی حاصل ہو گئی ہے اور تم نے اپنی ذات سے تجرید اختیار کی ہے تم مجرد ہو گئے ہو اور تمہیں محسوس ہو رہا ہے کہ تم ذرہ ذرہ اس کے اندر پگھل رہے ہو، ذرہ ذرہ اس میں محو ہو رہے ہو، سراپا عشق ہو رہے ہو، فدا ہو رہے ہو!

اگر عشق کو حرکت کے عمل میں بیان کرنا چاہیں تو یہ حرکت کیسی رہے گی ۔۔۔۔۔

پروانہ نے کب کا، یہ سبق ہمیں سکھایا ہے

کعبہ مرکز عشق ہے اور تم اس حیران کن دائرہ میں ایک پرو کار و فعال نقطہ ہو!

ہاجرہ نے ہمیں سکھایا ہے

بلند پایہ معشوق، انسان کا عظیم معاہد ۔۔۔۔۔ خدائے بزرگ و برتر ۔۔۔ اسے حکم دیتا ہے کہ اپنے شیر خوار بچے کو اٹھاؤ اور شہر و دیار و آبادی سے ہجرت اختیار کرو اور اس ہولناک درہ میں آؤ کہ جہاں گھاس، تنکا حتیٰ کہ بیابان کی خاردار جھاڑی بھی سر اٹھاتے ہوئے ڈرتی ہے۔

اور وہ سراپا تسلیم، اس حکم کی تعمیل کرتی ہے وہ حکم کہ جسے صرف عشق مان سکتا ہے اور صرف عشق ہی سمجھ سکتا ہے!

ایک تنہا عورت، ایک تنہا بچہ، اس غضبناک، خشک اور برستی ہوئی آگ والے کوہستانی سلسلے میں واقع درہ کی گہرائی میں کہ جو آبادی سے بہت دور کے فاصلے پر

ہے اور جس کے پتھر گویا پگھلی ہوئی آگ کے منجمد ٹکڑے ہیں، بھلا کس طرح اور کیونکر رہ سکتے ہیں۔

نہ وہاں پانی ہے اور نہ آبادی اور نہ لوگ!

لیکن۔۔۔۔۔اس کا حکم ہے، اس نے چاہا ہے، توکل، اور توکل مطلق۔۔۔۔ یہ وہ بات ہے جسے عقل، قانون اور منطق سمجھ نہیں سکتی زندگی۔۔۔۔پانی مانگتی ہے، بچہ دودھ چاہتا ہے، انسان کو انیس کی ضرورت ہوتی ہے، عورت ہر پرست کی خواستار ہوتی ہے، ماں کو حامی چاہئے ہوتی ہے تنہا بے یارو ناتواں کو مددگار کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔۔۔

مگر یہ عشق ہے کہ جو تمام نفیوں کی جانشین ہوتی ہے عشق کے ساتھ جیا جا سکتا ہے اگر روح، عشق کو سمجھ لے تو خالی ہاتھوں سے لڑا جا سکتا ہے اگر مجاہد عشق سے مسلح ہو تو کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

اے تنہا کنیز، اے عاجز و ناتواں، اے طفل، اے ماتا، اس پر تکیہ کر، اس پر اعتماد کر، اس پر توکل کر۔۔۔۔۔۔!

☆☆☆☆☆☆

سات چکر پورے کر کے تم طواف سے باہر آتے ہو،

سات چکر؟ ہاں

یہاں سات، چھ جمع ایک نہیں، یعنی میرا طواف خدا کے گرد، یعنی میرا ایثار خلق خدا پر، ابدی ہے، لا یتناہی ہے میں خلق خدا کی راہ میں اس کے گرد گھومتا رہوں گا یہ حج ہے، زیارت نہیں۔

اور یہاں سات کا عدد ''دنیا کی خلقت'' کو یاد دلاتا ہے کیا تم طواف میں اپنے آپ کو دنیا کے ذروں میں سے ایک ذرہ نہیں سمجھ رہے تھے؟

کیا ایک مرکز کے گرد طواف، عالم وجود کی ایک تمثیل نہیں ہے؟

جہاں بینی توحید، اور اس کی تفسیر، ''حرکت'' میں!

اور اب ''مقام ابراہیمؑ'' میں دو رکعت نماز

یہ کون سی جگہ ہے؟

اس جگہ وہ پتھر نصب ہے کہ جس پر ابراہیمؑ کے پیروں کے نشان ہیں اور اس پر کھڑے ہو کر ابراہیمؑ نے حجر الاسود۔۔۔۔کعبہ کی سنگ بنیاد۔۔۔۔کو رکھا ہے۔

آپؑ نے اس پر کھڑے ہو کر کعبہ کی تعمیر کی ہے۔

یہ انسان کو ہلا دینے والی بات ہے!

کوئی بات سمجھ میں آئی۔۔۔۔۔؟

یعنی کہ ''ابراہیمؑ کے نقش قدم پر پاؤں''! کس کا؟ تمہارا!

واہ، یہ توحید انسان کے ساتھ کیا کچھ کرتی ہے! کتنی دشوار منزل ہے! کبھی یہ تمہیں کچھ کی منزل سے بھی باہر نکال دیتی ہے اور کبھی ''سب کچھ'' کر دیتی ہے، کبھی تمہارے ''تم ہونے'' کو برداشت نہیں کرتی، تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑتی اور کبھی ملکوتی بلندیوں کی انتہا تک لے جاتی ہے اور خدا کے زانو بہ زانو بٹھا دیتی ہے، حرم خلوت خدا میں تمہارا داخلہ کرتی ہے، خانوادہ خدا کے نام سے تمہیں یاد کرتی ہے اور خدا کے روپ میں تمہیں دیکھتی ہے۔

اور یہ بھی کرتی ہے کہ تمہیں مارتی ہے، کوٹتی ہے، تمہاری نفی کرتی ہے، تمہیں

تحلیل کرتی ہے، تحقیر کرتی ہے، تمہارے سر کو بندگی پر پابند کرتی ہے، تمہاری پیشانی کو سجدے کی خاک پر گراتی ہے اور پھر کہتی ہے:

اے دوست! اے رفیق، میری تنہائی کے ہمدم، میرے حرم اور میرے اسرار کے محرم، میرے امانتدار، میرے مخاطب، میرے مقصد خلقت، میرے مونس خلقت۔۔۔۔

ابھی کچھ دیر پہلے، ساحل گرداب طواف میں اس نے تمہیں اپنے عتاب کا نشانہ بنایا تھا، اس وقت جب تم اپنے "تم ہونے" کو لیے کھڑے تھے اور تم نے اپنی فردیت کے پاؤں کو قائم رکھا ہوا تھا اور خلق کے پاس کھڑے ہو کر ان کا تماشا دیکھ رہے تھے وہ تمہیں ایک بے مقدار ذرہ "بدبودار کیچڑ" "خشک مٹی" "سیلاب کی تہ نشین گادکی پپڑی" ایک ٹھیکرا اور کوزہ گر کی مٹی کا ایک قطعہ کہہ رہی تھی یہ بہتا ہوا سیلاب۔۔۔۔ کہ جس میں حرکت بھی ہے اور مقصد بھی، جو حج کر رہا ہے، جو رکتا نہیں ہے، جو گندگی سے پاک ہے۔۔۔۔ چلتا جا رہا ہے، صاف ستھرا، پر جوش و خروش، راہ کی ہر رکاوٹ کو توڑتا ہوا، صخرہ شکن، سد شکن، اور پھر باغ و آبادی بھی اس سے سیراب ہو رہے ہیں، صحراؤں کو بہشت بھی بنا رہا ہے اب اگر تم نے اس سیلاب سے اپنے آپ کو توڑ کا تو گاد بن کر زمین پر چپک جاؤ گے اور پھر خشک ہو کر سخت ہو جاؤ گے، پپڑی بن جاؤ گے اور تم پر دراڑیں پڑ جائیں گی:

"صلصال کالفخار"!

تم زمین کو، کھیتوں کو اور پھول پودوں کو ڈھک دو گے کفر اور ان ہزار ہا ہزار بیجوں کو قلب خاک میں دفن کر دو گے، سڑا دو گے، مار دو گے، مٹا دو گے کہ جن میں

اگنے، بڑھنے، پھوٹنے، خاک سے سر اٹھانے کھلے آسمان کے نیچے پنپنے، برگ و بار دینے اور آفتاب کے نیچے لب کھولنے کا شوق وولولہ موجیں مارتا ہے۔

''وقد خاب من دسعھا''

سیلاب اپنی رو میں ہے، مست اور صاف وشفاف، حیات بخش اور مسیحا دم!

اور تم ایک گڑھے میں، فردیت اور رہبانیت کے ایک گوشے میں، اپنی خودی کے جوہڑ میں، ساکن ومحبوس تنہائی میں اور فردیت کے حصار میں پڑے ہو کہ اس سے لذت حاصل کرو یا پھر ریاضت کو اپنا شغف بناؤ۔۔۔۔۔۔

سڑ جاؤگے، متعفن جوہڑ بن جاؤگے، سینکڑوں امراض کے کیڑے تمہارے دل میں گھر کرلیں گے، ان کی نسلیں تمہارے بدن میں بڑھتی بھی رہیں گی اور مرتی بھی رہیں گی اور تمہارا رنگ بدل جائے گا چہرے میں تبدیلی آ جائے گی، تمہارا ذائقہ اور تمہاری خوشبو بدل جائے گی، تم مردار کا مدفن بن جاؤگے، عفونت بھرا تالاب ہو جاؤگے، سڑ جاؤگے، دلدل بن جاؤگے:

''والشمس'' کے حیران کن سورہ میں خداوند عالم سورج کی، چاند کی، زمین کی، آسمان کی۔۔۔۔۔ اور نفس کی (اپنے باطن کی) قسم کھاتا ہے اور پھر اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ۔۔۔ انسان کا اپنا فطری۔۔۔۔۔۔ ''نفس'' (LEMOI) گویا ایک بیج ہے اور انسان ایک دہقان! ''قد افلح من زکھا'' جس نے بھی اسے اگایا اس کی نشوونما کی اس نے اس کا پھل کھایا'' وقد خاب من دسھا'' اور جس نے بھی اسے خاک میں دفن کیا وہ ناکام رہا!

''حما مسنون'' !

''اے خوشا آمدن از سنگ برون''

سر خود را بہ سر سنگ زدن

گر بود دشت بریدن ہموار

ور بود درہ، ہراز زیر شدن!

''واہ۔۔۔کیا کہنے۔۔۔۔۔پتھر سے باہر آنا، اپنے سر کو سر سنگ سے ٹکرانا، راستے میں دشت حائل تو اسے کاٹ کر نکلنا اور اگر درہ درپیش ہو تو اس سے پھسل کر نیچے آنا، کتنے شرف کی بات ہے۔''

لیکن چونکہ تمہارا دل ایک متعفن جوہڑ کی طرح ہے اس لیے وہ:

''راکد و ساکت و آرام وخموش'' ہے!

جاری ہو جاؤ، سیلاب بنو،

ٹکراؤ، رکاوٹوں کو دور کرو، راستہ صاف کرو اور۔۔۔۔۔۔۔باہر آؤ

حج کرو۔۔۔۔۔!

طواف کرنے والی خلقت کے گرداب میں اپنے آپ کو سمو دو، طواف کرو۔۔۔۔۔!

اب جب تم نے کچھ دیر بعد اس طواف سے فراغت حاصل کی جہاں کہ تم جذبہ عشق سے سرشار خلقت کے بحر فنا میں غوطہ زن ہوئے اور ''طواف کرنے والے انسانیت'' کے گرداب میں اپنے آپ کو ڈبویا اور اپنے فنا پذیر وجود کو۔۔۔۔کہ جو صرف اپنی ذات ہی میں گم رہتا ہے۔۔۔۔خلق کے باقی رہنے والے وجود میں۔۔۔۔۔۔کہ جس کا رخ خدا کی طرف ہے۔۔۔۔سمویا موج

عدم میں تیر لیے، خلق کی راہ گزر میں مدار خدا پر آئے اور لا یتناہی **فلک** کے چرخ

اورابدیت کے مدار پر اپنے آپ کو پہنچایا تو۔۔۔۔

ابراہیمؑ بن گئے۔۔۔۔۔!

☆☆☆☆☆

مقام ابراہیمؑ

گرداب طواف سے باہر آؤ، اسی نقطہ سے جہاں سے کہ تم نے اپنے آپ کو اس میں ڈال دیا تھا، جہاں سے تم نے موت سے حیات اور عدم سے وجود کو پایا، جہاں سے تم غروب ہوئے، ڈوبے، اب تم اپنی خودی کے اسی افق سے پھر طلوع کر رہے ہو۔۔۔۔۔

اسی افق ''انا'' سے؟

اب تمہاری وہی ''آہورائی ذات'' وہی ''خدائی روح'' جو تمہارے اندر تھی جو تمہارے گندے وجود میں تھی! گرداب سے سر نکالتی ہے۔

کہاں سے۔۔۔؟

اسی گوشہ سے جہاں سے کہ تم نے اپنے آپ کو اس میں ڈالا تھا۔ مگر اب تم نے خدا کے ہاتھوں تلے، اس کے سیدھے ہاتھ کے زیر عمل، اپنے آپ پا لیا ہے اور اپنی ساری جھوٹی ''منیت'' یا جھوٹی ''خودی'' کی موت کے بعد سچی ''خودی'' تک پہنچے ہو۔۔۔۔

احرام کے پاک و پاکیزہ سفید لباس میں، حرم الٰہی کے اندر، ابراہیمؑ کے نقش

پا کے سامنے، مقام ابراہیمؑ پر ایستادگی اختیار کرو، ابراہیمؑ کی جائے پا پر اپنا قدم رکھو، اللہ کے روبرو کھڑے ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔

کون ابراہیمؑ ------؟

تاریخ کے عظیم بت شکن، عالم میں بانی مبانی توحید، قوم کی ہدایت کے امین، صابر پاپی، آشوبگر ہادی، ایک ایسے نبی کہ جن کے دل میں عشق، پیکر میں درد، سر میں نور ------ اور ہاتھ میں تبر ہے!

ابراہیمؑ ----- قلب کفر سے نمود ایمان، شرک کے کیچڑ سے توحید کا ابال، گروہ بشریت کا وہ بت شکن کہ جس کا تعلق اس آزر کے گھر سے تھا کہ جو اپنے قبیلے کا بت تراش تھا!

بت شکن، نمرود شکن، جہل و جور کو کچلنے والا، خواب کے دشمن، ظلم کی سلایت اور ذلت کی آسودگی کے آشوبگر، قبیلے کے ٹھکرائے ہوئے۔

رہنمائے تحریک، اپنی ذات میں حیات و حرکت، امید و آرزو، جہت، ایمان، توحید۔

ابراہیمؑ صفت! آگ میں کود پڑو۔

جہل و جور کی آگ میں، تا کہ خلق خدا کو اس آگ سے بچا سکو۔

اس آگ میں کہ جو ہر اس ذمہ دار انسان کی سرنوشت میں ہے، جس پر نور و نجات کی ذمہ داری عائد ہے۔

لیکن ------ خدائے توحید، نمرودیوں کی آگ کو ابراہیمیوں پر گلزار کرتا ہے۔

تم نہیں جلو گے، راکھ نہیں بنو گے، مقصد یہ تھا کہ تم راہ جہاد میں ۔۔۔۔۔ ''آگ'' تک جاؤ۔

آگ سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنے آپ کو آگ کے حوالے کرو، ہولناک ترین شہادت کو گلے لگاؤ

ابراہیمؑ صفت! اپنے اسماعیل کی قربانی دو، اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے گلے پر چھری رکھو۔

تا کہ مخلوق خدا کے گلے سے چھری اٹھا سکو، ان لوگوں کے گلے سے کہ جو زور آور محلوں تلے لوٹے ہوئے گنجینوں کی بنیاد پر، ذلت وضرر والے معبدوں کے آستانوں پر ذبح ہو رہے ہیں۔

تیغ کو اپنے اسماعیل کے حلقوم پر دھرو تا کہ تمہیں وہ طاقت حاصل ہو کہ تم تیغ کو جلاد کے ہاتھ سے چھین سکو!

لیکن ۔۔۔۔۔۔ ابراہیمؑ کا خدا، خود، اسماعیلؑ کا فدیہ بھیج دیتا ہے۔

اسماعیلؑ ذبح نہیں ہوگا، تم اپنے اسماعیل کو اپنے ہاتھوں سے نہیں کھوؤ گے۔ مقصد یہ ہے کہ تم ایمان کی راہ میں اپنے اسماعیل کو اپنے دونوں ہاتھوں سے ذبح کرنے کی حد تک آگے بڑھو۔۔۔ اور اس منزل تک پہنچو کہ جو شہادت سے زیادہ دردناک ہے!

اور اب اس وقت، اے کہ جو طواف عشق سے آ رہے ہو ''مقام ابراہیمؑ'' پر کھڑے ہو، مقام ابراہیمؑ تک تمہاری رسید ہو چکی ہے!

ابراہیمؑ جب یہاں پہنچے تھے تو اپنی جدوجہد بھری زندگی کے تمام مراحل سے

گزر چکے تھے، بت شکنی، نمرود شکنی، منجنیق عذاب، آگ کا خرمن، ابلیس سے جنگ، ذبح اسماعیلؑ اور۔۔۔۔ہجرت، نیز بے سرو سامانی، تنہائی، تشدد اور نبوت سے امامت تک کا سفر۔۔۔۔۔اور پھر:

''فردیت'' سے ''جمعیت'' اور بت تراش آزر کے فرزند خانہ سدے ''بانی خانہ توحید'' تک کی منزل سبھی کچھ اس میں شامل ہے۔

اور اب ان تمام مراحل سے گزر کر وہ یہاں کھڑے ہیں، سر پر بڑھاپے کی برف پڑی ہے، عمر کے اس آخری حصے میں کہ جو ایک مکمل تاریخ بن گئی ہے، اب وہ خانہ کعبہ کی تعمیر پر مامور ہیں حجر اسود نصب ہو رہا ہے، خانہ خدا کی تعمیر ہو رہی ہے، دست خدا مصروف کار ہے، اسماعیلؑ مددگار بنے ہوئے ہیں اور پتھر لا لا کر باپ کو دے رہے ہیں، باپ اس پتھر پر کھڑے ہو کر گھر کی دیواریں بلند کر رہا ہے گھر بن رہا ہے۔۔۔۔۔!

حیرت ہے! اسماعیلؑ اور ابراہیمؑ، بنیاد کعبہ کے شریک کار

اسماعیلؑ اور ابراہیمؑ! یہ آگ سے گزرے اور وہ مقتل سے! اور اب یہ دونوں مامور خدا، مسئول خلق اور زمین پر معبد توحید کے قدیم ترین معمار ہیں، اس گھر کے معمار ہیں کہ جو بنی نوع انسان کا پہلا گھر، تاریخ میں آزادی کا ''آزاد گھر'' کعبہ عشق، مقام پرستش، حرم اور بارگاہ ''ستر و عفاف و ملکوت'' کا ایک اشاریہ ہے۔

اور تم اس وقت مقام ابراہیمؑ پر ہو اس جگہ کھڑے ہو جہاں کبھی ابراہیمؑ کھڑے تھے، صعود ابراہیمؑ کی آخری سیڑھی پر، ابراہیمؑ کی معراج کے نقطہ اوج کی بلندی پر تقرب میں ابراہیمؑ کے نزدیک ترین فاصلے پر،

''مقام ابراہیمؑ'' پر!

اور تم، کعبہ کے بانی، آزادی کے گھر کے معمار، توحید کے بانی مبانی، مسئول، عاشق، آگاہ، بت شکن، قبیلے کے دھتکارے ہوئے، جہل شرک سے نبرد آزما، جور نمرود کے شکار، خناس اور ابلیس کے وسوسوں سے لڑنے والے، بے سروسامانی کی اذیت کو جھیلنے والے، دکھ، درد، خطرات، آگ اور اپنے بیٹے اسماعیلؑ کی ذبح کی منزلوں سے گزرنے والے، تم نے اپنے یا اسماعیلؑ کے لیے سائبان بنانے کے بجائے لوگوں کے لیے گھر بنایا، بے یار و مددگار افراد کے لئے سائبان کا انتظام کیا، پیچھا کیے جانے والوں، جائے پناہ ڈھونڈنے والوں، اور چھپنے کی جا تلاش کرنے والے ان زخمی شکاروں کے لیے پناہ گاہ بنائی کہ جو پوری زمین پر خونیں حالت میں گھبرائے پھرتے ہیں اور انہیں چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ملتی اور ہر جگہ نمرود، ان کی تعقیب میں ہے۔

اس طرح شب یلدائی ظلمت میں ایک مشعل فروزاں ہوئی۔

اس شب ظلم میں فریاد کی جا عمل میں آئی۔

اور اس انسان کے لیے ایک آزاد اور پاکیزہ حریم، وحرم امن وجود میں آیا کہ جو عیال خدا ہے، خاندان خدا ہے اور ہر جگہ ذلیل ورسوا اور غیر محفوظ ہے! اس لیے کہ اس زمین کو قحبہ خانہ بنادیا گیا ہے، بڑا اور بے حرمت! اور ایک ایسی قتل گاہ ہے کہ جس میں جارحیت اور ترجیحات کے علاوہ سب کچھ حرام ہے، اور تم کہ جو ابراہیمؑ کے کردار میں ظاہر ہوئے ہو، مقام ابراہیمؑ پر کھڑے ہو، اس مقام پر قدم رکھا ہے کہ جہاں ابراہیمؑ کے قدم تھے اور ابراہیمؑ کے خدا کے ہاتھوں پر تمہاری

بیعت بھی رہی ہے،

تم ابراہیمؑ صفت زندگی گزارو اور اپنے دور میں کعبہ ایمان کے معمار بنو اپنی قوم کو، منجمد زندگی اور مردہ حیات کے دلدل سے باہر نکالو اور چین کی نیند، جور کی ذلت اور جہل کی ظلمت سے نکلنے کی ترغیب دو، جہت کی نشاندہی کرو، حج پر بلاؤ، طواف پر مائل کرو۔

اور تم اے ''خدا کے معاھد''! اے ابراہیمؑ کے قدم سے قدم ملا کر چلنے والے، اے وہ کہ جو طواف سے آرہے ہو جو طواف کرنے والوں کے ہجوم میں اپنے آپ کو مٹا کر ابراہیمؑ کے گروہ سے باہر آئے ہو، اور معمار کعبہ، بانی مدینہ حرم اور بانی مسجد الحرام کے مقام پر کھڑے ہو اور تمہارا رخ ''اپنے معاھد'' ۔۔۔ اپنے خدا ۔۔۔ کے سامنے ہے،

تم اپنی سرزمین کے حدود کو حرم بناؤ،
اس لیے کہ تم حدود حرم میں ہو،
حرمت والے مہینے میں ہو
زمین کو مسجد الحرام بناؤ،
اس لیے کہ تم مسجد الحرام میں ہو،
اس لیے کہ ''زمین'' مسجد خدا ہے
اور تم دیکھ رہے ہو کہ ''نہیں ہے''!

☆☆☆☆☆

سعی

نماز طواف کو تمام مقام ابراہیمؑ میں ادا کر کے ''سعی'' کا ارادہ کرتے ہو جو صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان، تین سو کچھ میٹر کے فاصلے پر ہے سات بار ان دونوں پہاڑوں کے فاصلہ کو ''سعی'' کرتے ہو۔

''صفا'' کی بلندی سے اتر کر راستہ طے کرتے ہو لیکن راستے میں جب تم کعبہ کے مقابل پہنچتے ہو تو راستے کے کچھ حصے کو ''ہرولہ'' کرتے ہو اور پھر اپنے معمول کی چال میں باقی راستے کو کوہ مروہ تک سعی کے عمل سے گزارتے ہو۔

سعی، تلاش ہے اور جستجو پیدا کرنے والی حرکت ہے، دوڑنے بھاگنے والی ہدف کی حامل ہے۔

طواف میں، تم نے ہاجرہ کا رول ادا کیا،

مقام میں، تم ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں کے کردار کا آئینہ بنے۔

اور اب تم سعی کی ابتدا کرتے ہو،

اور ایک بار پھر ہاجرہ کے رول میں واپس آتے ہو۔

سب ایک ہیں، یہاں ہر شکل، ہر قالب تمام ظواہر، تمام عنوانات، تمام تشخصات، تمام شخصیتیں، تمام حدود، تمام سرحدیں، تمام فاصلے، تمام نشانیاں، تمام رنگ اور تمام صورتیں مٹ چکی ہیں اور صرف ایک عریاں انسان اور ایک عریاں انسانیت پیش نظر ہے۔

ایمان و عشق، عقیدہ و عمل اور اس کے بعد کچھ بھی نہیں!

یہاں کسی کے بارے میں گفتگو نہیں ہے، ابراہیمؑ ، ہاجرہ اور اسماعیلؑ کے بارے میں بھی نہیں ہے یہ سب یہاں کلمات ہیں اور معانی! نہ کہ افراد و اشخاص!

جو کچھ ہے، حرکت ہے اور ثبات، انسانیت ہے اور الوہیت اور ان کے درمیان واحد چیز: نظم ہے۔

اور حج یہ ہے، عزم کرنا، دائمی حرکت ثابت جہت میں اور سارا عالم یہی ہے۔

اور اب،

سعی،

یہاں تم ہاجرہ کی منزل پر ہو!

ایک عورت: ہر فخر و مباہات سے عاری ایک افریقی تحقیر شدہ نسل، ایک کنیز، ایک سیاہ فام کنیز، حبشی، ایک عورت ''سارہ'' کی کنیز!

البتہ یہ سب عنوانات نظام بشری اور نظام شرک کے ہیں۔لیکن نظام توحید میں ایسا نہیں ہے:

یہ کنیز مخاطب خدا ہے، خدا کے پیغمبروں اور اس رسول خدا کی ماں ہے کہ جو ان تمام خوبصورت ترین اور عزیز ترین اقدار کی تجلی گاہ ہیں کہ جنہیں خدا وجود میں لاتا ہے۔

حج کی تمثیل میں یہ خاتون ممتاز ترین جان تمثیل اور منتخب ترین چہرہ ہیں اور حرم خالص خدا میں، ایک تنہا عورت، ماں!

کہ جس نے بہ فرمان عشق اپنے دودھ پیتے بچے کو اٹھایا اور شہر سے، آبادی سے، گھر بار سے، خاندان سے، سگوں سے جدا ہو کر ان سنگلاخ، کٹھور اور کھردرے

پہاڑوں کے درمیان آ گئی، بالکل اکیلی، بغیر کسی زادِ راہ یا کسی چیز کے۔

صرف عشق کی رفاقت کے ساتھ!

آئی، اپنے بچے کو۔۔۔۔۔ بہ فرمان خدا۔۔۔۔ اس درہ میں رکھا، اس تپتے ہوئے، خشک اور بے آب و گیاہ درہ میں کہ جہاں نہ کوئی پتا تھا اور نہ تنکا۔

ہولناک درہ، تنہائی، موت!

توکل مطلق

☆☆☆☆☆

حیران کن بات ہے، خدا نے کہا ایسا کرو، میں، تمہاری، تمہارے بچے کی، تمہاری زندگی کی، تمہارے مستقبل اور تمہاری روزی کی کفالت کروں گا،

تم اے ہاجرہ، اے مظہر تسلیم و خودسپردگی، عشق پر توکل اور عشق پر ایمان کی مضبوط چٹان، میری حمایت کے زیر سایہ ہو!

اور ہاجرہ نے تسلیم و طاعت کے ساتھ بچے کو درے کے درمیان رکھا۔

اس لیے کہ خدا نے کہا تھا اور عشق نے چاہا تھا! لیکن تسلیم و رضا کی یہ مضبوط چٹان فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور مکے کے گرد واقع ان خشک اور تپتے پہاڑوں میں تنہا پانی کی تلاش کو نکلی اور ادھر سے ادھر دوڑنے لگی۔

سرتاپا جدوجہد، تحریک، کوشش، حرکت، ہمت، ارادہ، اپنے آپ پر، اپنے پیروں پر، اپنے ارادے پر، اپنی فکر پر بھروسہ۔

ایک عورت، ایک ماں، تنہا، سرگرداں، مسئول، راہ تلاش میں، جستجوگر، عاشق، مومن، پریشان حال، دردمند، نہ کوئی حامی نہ کوئی جائے پناہ، نہ کوئی ٹھکانہ، نہ کوئی

آسرا، نہ اس کا کوئی طبقہ، نہ کنبہ، نہ نسل، بے خانماں، بے امید۔۔۔۔۔امیدوار،

ایک اسیر، ایک غریب، ایک کنیز، بے کس، نفرت کی ٹھکرائی ہوئی، نظام اشرافیت کی دھتکاری ہوئی، طبقہ، نسل، اور ملت کی ہنکائی ہوئی، حتیٰ کہ خاندان کی پھنکاری ہوئی۔۔۔۔۔ایک سیاہ فام کنیز اور آغوش میں ایک بچہ، گھر، شہر، **ملک** اور برتر نسل کی ماری ہوئی، صحرائے غربت کی خستہ و خراب، دور پار کے کوہستان کی اسیر، اور اب تنہا، کوشاں، خستگی ناپذیر، مایوسی سے ناآشنا، پرعزم محو تلاش، پہاڑوں کے درمیان سرگرداں،

اکیلی،

سر بفلک پہاڑوں کے درمیان دوڑنے کے عمل میں!

جستجوئے آب میں،

ابراہیمؑ کے کلچر کا ''پرومتھ'' خدا نہیں، ایک کنیز بابخشندہ آتش نہیں، بخشندہ آب،

آب؟، ہاں آب! غیب نہیں۔ ماوراء الطبیعہ نہیں، عشق نہیں، خودسپردگی نہیں، تسلیم و طاعت نہیں، آب حیات نہیں، آب روح نہیں، آب معنی نہیں، اشراق نہیں، آسمان نہیں نہیں نہیں نہیں۔۔۔۔۔پینے کا پانی،

وہ نہیں جو آسمان سے برستا ہے، وہ کہ جو زمین سے ابلتا ہے۔

مادی مادی! یہی سیال مادہ جو زمین پر بہہ رہا ہے اور مادی زندگی اس کی پیاسی ہے، بدن اس کا طالب ہے، جو تمہارے بدن میں خون بنتا ہے، لپستان مادر میں

All rights reserved ©2002-2006

دودھ کی شکل اختیار کرتا ہے اور بچے کے منہ میں پانی ہے۔۔۔۔۔!

پانی کی جستجو میں سعی، کہ جو مادی اور زمینی زندگی کی مظہر ہے، جو آدم اور مٹی کے پیونڈ میں ایک ضرورت عینی ہے جو اس دنیا کی بہشت اور مائدہ زمینی ہے!

اور سعی: ایک مادی عمل، ایک مادی تلاش پانی اور روٹی کے لیے تگ ودو، تا کہ تم اپنی پیاس بجھاؤ، اپنے بچے کی بھوک مٹاؤ اور ایک اچھی زندگی گزارو، کوئی پیاسا منتظر ہے اور تم مسئول، اس دھکتے صحرا میں چشمے کی تلاش ایک ذمہ داری ہے تا کہ اپنی کوششوں کو بروئے کار لا کر تم پانی کی سوغات لاسکو۔

سعی: خاک پر اور زمین پر ایک جستجو، تا کہ تم اپنی ضرورت کو سینہ فطرت سے نکالو تا کہ قلب سنگ سے پانی حاصل کرو۔

سعی: مادیت مطلق، ضرورت مادی، عمل مادی، ہدف مادی۔۔۔۔۔! (اور یہ ہے)

اقتصاد، فطرت، تلاش!

یعنی: ضرورت، مادیت اور انسان!

تعقل مطلق۔۔۔۔۔!

حیرت ہے! سعی سے طواف تک، چند قدم، چند دقیقے اور اتنی طویل راہ، اتنا طویل فاصلہ۔

دو ضدوں کا فاصلہ، دو نقیض۔۔۔۔۔!

طواف۔۔۔، عشق مطلق

اور سعی۔۔۔، عقل مطلق

طواف ۔۔۔۔، ہمہ "او"!

اور سعی ۔۔۔، ہمہ "تو"!

طواف ۔۔۔، جبر الٰہی اور بس

اور سعی ۔۔۔، انسانی اختیار اور بس

طواف ۔۔۔۔، ایک پروانہ کہ جو شمع کے گرد گھومتا ہے، گھومتا ہے یہاں تک کہ جل جاتا ہے، راکھ ہو جاتا ہے، تباہ و برباد ہوتا ہے، ہیچ ہو جاتا ہے، محو عشق ہوتا ہے، نور میں اپنی ہستی کو مٹا دیتا ہے اور نفی ہو جاتا ہے۔

اور سعی ۔۔۔، سخت و سیاہ پہاڑوں کی بلندیوں پر ایک عقاب، کہ جو اپنے بلند ہمت پروں کے ساتھ پرواز کرتا ہے اور اپنی خوراک کو ڈھونڈ کر تہ سنگ سے اس کو اڑا لیتا ہے!

آسمان و زمین اس کے مسخر ہیں، ہوائیں اس کی پرواز میں رام ہیں، دور کے افق اس کی پرواز کی سرحدوں کے جولانگاہ ہیں اور زمینوں اور پہاڑوں کے سخت پتھر اس کی دو تیز اور غرور آفریں نگاہوں کے مقہور و مطیع ہیں!

طواف ۔۔۔، انسان ہے، خود باختہ "حقیقت"

اور سعی ۔۔۔، بشر ہے، خود ساختہ "واقعیت"

طواف ۔۔۔، انسان متعال

اور سعی ۔۔۔، انسان مقتدر

طواف ۔۔۔۔، عشق، پرستش، روح، زیبائی، ایثار، شہادت، اخلاق، خیر، اقدار، معنویت، ذہنیت، حقیقت، ایمان، تقویٰ، ریاضت، خشوع،

بندگی، عرفان، اشراق، دل، تسلیم، تفویض، مشیت، ماورا، آسمان، غیب، جبر، طاعت، توکل، دیگر افراد، لوگ، دین، آخرت، معاد اور خدا۔

وہ جو روح مشرق کو مضطرب رکھے۔

اور سعی ۔۔۔، عقل، منطق، ضرورت، زندگی، واقعیت، عینیت، زمین، مادہ، طبیعت، برخورداری، ادراک، علم، صنعت، مصلحت، نفع، لذت، تمدن، اقتصاد، غریزہ، جسم، اختیار، ارادہ، تسلط، دنیا، قدرت، معاش، اور خود۔

وہ سب کچھ جس نے یورپ کو تلاش و جستجو پر قائم رکھا ہے۔۔۔!

طواف ۔۔۔، خدا اور بس

اور سعی ۔۔، بشر اور بس

طواف ۔۔۔، روح، اور کچھ نہیں!

اور سعی ۔۔۔، جسم، اور دیگر ہیچ!

طواف ۔۔، ''رہ جانے'' کا قلق، ''دغدغہ فلک''

اور سعی ۔۔، لذت ''زیست''، ''سکون خاک''

طواف ۔۔، جستجوئے ''عطش''

اور سعی ۔۔، جستجوئے ''آب''

طواف ۔۔، پروانہ

اور سعی ۔۔۔، عقاب

اور حج، جمع ضدین، تضادی تحلیل کہ جس نے بشریت کو پوری تاریخ میں الجھایا ہوا ہے:

میٹریالیزم یا آئیڈیالیزم؟ عقل یا اشراق؟ دنیا یا آخرت؟ برخورداری یا زہد؟ زمینی مائدے یا آسمانی مائدے؟ مادیت یا معنویت؟ ارادہ یا مشیت؟ اور بالآخر خدا پر تکیہ یا اپنے آپ پر۔۔۔؟

اور خدائے ابراہیمؑ تمہیں سمجھاتا ہے کہ:

ہر دو! از روئے تعلیم، بصورت تدریس مگر فلسفہ کے ذریعے نہیں، عرفان کے ذریعے نہیں، علم کے ذریعے نہیں، کلمات سے نہیں بلکہ ایک مثال سے، ایک "انسان" سے

اور یہ "انسان" وہ ہے کہ ساری دنیا کے فلسفیوں، عرفان کے متوالوں اور ایمان وحقیقت کے متلاشیوں کو چاہیے کہ وہ اس سے خدائے بزرگ وبرتر کے سبق کو حاصل کریں،

پر وہ ہے کون۔۔۔۔؟

پھر وہی ایک عورت کا چہرہ، ایک سیاہ فام عورت، ایک حبشی عورت، ایک کنیز، ہاجرہ! ایک ماں!

کہ جو بہ فرمان "عشق" اپنے آپ کو بطور مطلق "اس کے" حوالے کرتی ہے اور اپنے بچے کو، شہر و دیار و گھر بار سے اس ویران واجاڑ بے آب وگیاہ تپتے درہ میں لاتی ہے اور یہیں زمین پر اسے رکھ دیتی ہے۔

بھرپور توکل، ایمان کی طاقت سے ہر طرح کے حساب کتاب کی نفی، عشق پر بھروسہ، "اس" پر تکیہ اور بس!

طواف! مگر پارساؤں اور عبادت گزاروں کی طرح وہ بچے کے پاس کسی معجزہ

کے انتظار میں بیٹھی نہیں رہتی تا کہ غیب سے کوئی ہاتھ باہر نکل کر اس کے لیے کچھ کرے، آسمان سے کوئی مائدہ اترے، جنت سے کوئی نہر جاری ہو، اور توکل ضرورت کو پوری کرے۔

بچے کو ''عشق'' کے حوالے کرتی ہے اور بے دھڑک ''سعی'' کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہے اپنے ''ارادے'' کے دو پیروں کی دوڑ اور ''اپنی طاقت'' کے دو ہاتھوں کی جستجو کے ساتھ۔

اور اب اطراف مکہ کے خشک اور ویران پہاڑوں کے درمیان ایک ''تنہا''، ''تشنہ''، ''مسئول''، ''غریب'' اور ''سرگرداں''، انسان ''پانی کی بے سود جستجو میں سرگرم عمل ہے۔''

حیرت ہے! ہاجرہ کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے یا ''انسان'' کے بارے میں۔۔۔؟

تاہم ''ہاجرہ کی سعی'' شکست پر ختم ہوتی ہے اور وہ بچے کے پاس ناامید واپس لوٹتی ہے،

اور حیرانی سے دیکھتی ہے کہ۔۔۔۔۔دامن عشق کے حوالے کیے جانے والے اس بچہ نے پیاس کی بے تابی میں اپنی ایڑیوں کی رگڑ سے ریتلی زمین میں گڑھا کر ڈالا ہے انتہائی نومیدی میں، بے سود کوششوں کی انتہا پر، اس لمحہ میں کہ جس کی پیش گوئی نہیں ہوسکتی تھی، اس جگہ سے جہاں سے کہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی، اچانک، ایکبارگی معجزانہ طور پر:

احتیاج کے زور اور رحمت مہر سے

ایک زمزمہ سنائی دیتا ہے!

''پانی کے چاپ کی آواز''

زم زم!

ایک حیات بخش اور خوشگوار پانی کا بھرپور ابال، پتھر کی گہرائی سے!

اور اس منزل پر ایک سبق!

حصول ''آب'' بذریعہ عشق، بذریعہ ''سعی'' نہیں،

لیکن،

''سعی کے بعد''

''گرچہ وصالش، نہ بکوشش دہند

آن قدر ای دل کہ توانی، بکوش''!

(گو کہ اس کا وصال، کوشش سے نہیں ملتا تاہم اے دل جتنی تمہارے بس میں ہے کوشش کرو۔)

تلاش کرو! اے عشق پر بھروسہ کرنے والے، کوشش کرو! ایمان محض اور توکل مطلق کے ساتھ!

سات بار، بالکل طواف کی تعداد کے برابر،

لیکن دائرہ کی شکل میں نہیں، اس لیے کہ گرداگرد جستجو کولہو کے بیل والی جستجو ہے، باطل، چکر ہے، آخر میں جا کر پھر اسی جگہ پہنچتے ہو جہاں سے چلے تھے، یعنی: ''عبث''، ''لاحاصل''، ''پوچ'' کوکھلا دائرہ، مقصدیت سے عاری، بے مقصد، بے ہدف! گویا صفر۔

کام کرنا، کھانے کے لیے۔۔۔کھانا، کام کرنے کے لیے اور آخر میں؟

موت!

جینا، جینے کے لیے نہیں، بلکہ خدا کے لیے،

سعی، سعی کے لیے نہیں، بلکہ خلق خدا کے لیے،

اور حرکت، ایک مستقیم خط پر، دائرہ میں نہیں، راہ پر، ہجرت میں، آغاز سے انجام کی طرف، مبداء سے مقصد کی طرف،

بدایت سے نہایت کی طرف

صفا سے مروہ کی طرف

جانا اور واپس آنا، سات بار، تکرار، لیکن ''طاق''، ''جفت'' نہیں، جب تک سعی، صفا میں انجام کو نہ پہنچے اور تم اس جگہ نہ پہنچو جہاں سے کہ چلے تھے،

سات بار، یعنی ہمیشہ، خستگی ناپذیر، تمام عمر، جب تک ''مروہ'' میں اپنے مقصد پر نہ پہنچو!

کیا:

''صفا'' سے آغاز، دوسروں کو دل سے چاہنا ہے؟

اور ''مروہ'' تک انجام ''نہایت انسانیت'' یعنی مروت اور دوسروں کے عیوب اور ناہنجاریوں سے متانت کے ساتھ گزر جانا ہے؟

کون دوسرے؟ سعی میں تمہارے ہمگام؟

معلوم نہیں؟

لیکن جو بات معلوم ہے وہ یہ کہ:

عشق میں ۔۔۔۔۔۔۔ ''اپنی نیست طلبی'' کے گرداب سے باہر نکلو، ابراہیمؑ کی جائے پا پر اپنا قدم رکھو اور پھر ہاجر صفت، ''اے تنہا''، ''پردیسی''، ''خراب و خستہ'' اور بے آب و گیاہ زمین میں ''جلاوطن'' کیے جانے والے انسان اے ''مسئول''، ''تشنہ'' اور سراب زندگی میں، ''جستجو گر آب''!

''صفا'' کی پہاڑی پر ابھر آ، سرگرداں اور مصروف تلاش انسان کی سفید نہر کو دیکھ، دیکھ کہ وہ کس طرح بے قرار و عطشناک، صفا کی بلندی سے نیچے کی طرف اتر رہی ہے اور اس سنگلاخ تپتے صحرا پر جستجوئے آب میں دوڑ رہی ہے اور مروہ کی سمت بڑھتی جا رہی ہے اور مروہ کے بلند پہاڑ سے اوپر چڑھ رہی ہے، پانی اسے نہیں مل رہا ہے اور وہ خالی ہاتھوں، گھبرائی ہوئی آنکھوں اور سوکھے ہونٹوں کو لیے واپس لوٹ رہی ہے اور پھر انتہا میں وہ صفا کی خشک پہاڑی پر پہنچتی ہے اور دیکھتی ہے کہ انتہائے راہ میں اسی جگہ پہنچی ہے جہاں کہ وہ تھی وہ پھر واپس لوٹتی ہے اور تیز تیز قدموں ایک بار پھر مروہ پہنچتی ہے جہاں پر کہ وہ تھی، اور پھر وہاں سے واپس آتی ہے اور تیز رفتاری سے صفا پہنچتی ہے، اسی جگہ پر جہاں کہ وہ تھی، ایک بار پھر وہ تیز قدموں سے واپس جاتی ہے اور پھر ۔۔۔۔۔ اسی طرح سات بار! (یعنی) ہمیشہ تک!

اور پھر بھی پانی اسے نہیں ملتا، لیکن وہ مروہ پہنچتی ہے!

اور تم، اے بوند بھر پانی، اپنے آپ کو صفا کی بلندی سے، اس سرگردانی، تلاش اور عطش کی سفید نہر میں ڈال دو!

ہجوم کے سلاب میں ڈوب جاؤ، نیچے اترو، سب کے قدم بہ قدم سعی کرو۔

بیچ راہ میں کعبہ کے مقابل پہنچو تو "ہرولہ" کرو اسی طرح جس طرح سب کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں اس کے ساتھ سعی کروں، کیونکہ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ یہ عہد کیا تھا کہ ہم ایک بار پھر حج کریں گے اور اس حج میں ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے۔ لیکن **ملک الموت** نے اسی سال اس کو مجھ سے چھین لیا اور مجھے تنہا حج کرنا پڑا، مگر میں ہمیشہ اسے اپنے ساتھ۔

ڈاکٹر علی شریعتی نے اپنی تحریر کے اس حصے کو علیحدہ لکھا اور اس کے حاشیے میں یہ جملہ تحریر کیا: سعی کے موضوع کو صحیح ترتیب کی ضرورت ہے اور شاید بعض مطالب کو آگے پیچھے کرنا پڑے۔

پاتا تھا، تمام مناسک کو۔۔۔۔ گام بہ گام۔۔۔۔ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ ادا کیا، لیکن پتہ نہیں کیوں وہ سعی میں میرے ساتھ زیادہ رہا، میرے لیے وہ ایک تابندہ ظہور اور زندہ و پرتپاک حضور کا حامل تھا، مجھے اس کے پیروں کی آواز سنائی دیتی تھی اور لگتا تھا کہ وہ پریشاں حال دوڑ رہا ہے میں اس کی گرم تشنہ اور عاشقانہ سانسوں کو بہت صاف محسوس کر رہا تھا۔ میں نے تنہا ہی اپنے آپ کو لوگوں کے اس پیاسے اور حیرت انگیز سیل خروشاں میں جھونک دیا جو سراسیمہ ادھر سے ادھر دوڑ رہے تھے۔ لیکن میں اسے جدھر دیکھتا تھا پاتا تھا، کبھی وہ میرے ساتھ ساتھ دوڑتا تھا اور کبھی میں اس کے ساتھ ساتھ، کبھی مجھے ایسا نظر آتا تھا کہ وہ صفا کی بلندی سے اکھڑ کر سیلاب کے ساتھ نیچے لڑھک رہا ہے اور آگے آتا جا رہا ہے،

کبھی میں اسے اپنے پیچھے ''ہرولہ'' کرتے ہوئے دیکھتا تھا اور مسعیٰ کانپتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

میں اسے پاتا تھا، سنتا تھا، دیکھتا تھا کہ وہ اپنے سر کو وہاں موجود سیمنٹ کے ستون سے مسلسل ٹکرا رہا ہے کہ وہ پھٹ جائے، اس لیے کہ وہ ''حلاج'' کی طرح اس وزنی بوجھ کو اٹھانے سے تنگ آ گیا تھا اور اتنے سارے دھاکوں کو اپنے اندر ضبط نہیں کر سکتا تھا۔

وہ کہ جو اپنے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر لوگوں میں آتا تھا اور ان سے رو رو کر درخواست کرتا تھا کہ اس سر کو مارو، جی بھر کے مارو، اس لیے کہ یہ مجھ پر سخت ہو گیا ہے، میر گنہگار ہو گیا ہے!

آخر کیوں ہر منزل سے زیادہ، سعی میں اس کی ''بو'' رہی؟ شاید اس لیے کہ وہ اپنے حج میں بھی ایسا ہی تھا اس ''سفرنامہ'' میں کہ جو ساری ''درخواست'' ہے اور سب جگہ اس کی تیز بین نگاہ کام کر رہی ہے، صرف مسعیٰ وہ جگہ ہے کہ جہاں وہ شعلہ ور ہوتا ہے اور اس کے دل کو خبر دیتا ہے۔ روح حج اس کی فطرت میں حلول کرتی ہے اور غیب کی نورانی کرنیں اسے بے تاب کرتی ہیں اور بے ''خود''!

شاید اس لیے کہ ''مسعیٰ'' اس کی ''عمر'' کی شبیہ تھی اور ''سعی'' اس کی زندگی کی، تشنہ، خراب و خستہ اور بے قرار، حصول ''آب'' کی تلاش میں، ''اس بے آب و گیاہ صحرا کے تشنہ لب اسماعیلوں'' کے لیے، اور شاید بنیادی طور پر اس لیے کہ اس کا چلنا بہ انداز سعی تھا۔

اس تک اپنے آپ کو پہنچانا کتنا مشکل تھا، ہمیشہ بھاگ بھاگ کر چلنا پڑتا تھا،

اگر ذرہ بھی غفلت ہو جاتی، ذرہ بھی پیچھے، دائیں بائیں یا اپنی طرف توجہ جاتی تو پیچھے رہ جاتے اور وہ اپنی عمر کی رفتار کی سی تیزی کے ساتھ گزر جاتا بلکہ یہ کہیے کہ وہ چلتا نہیں تھا، قدم نہیں اٹھاتا تھا، ہرولہ کرتا تھا! گویا وہ ایک ایسا پر جوش و خروش جستجو گر ہے کہ جو ہمیشہ احرام پہنے، صفا اور مروہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان، خراب و خستہ کوشش کے عالم میں ہے اور چلتا چلا جا رہا ہے اور اس صحرائے بے آب و گیاہ میں پانی تلاش کر رہا ہے۔

اس کی زندگی کا یہی وہ پہلو تھا دوران حج جونہی مسعیٰ میں اس کے قدم پہنچتے ہیں وہ فروزاں ہو جاتا ہے اور جب کوئی تنکا اپنی میقات میں منزل سعی پر پہنچتا ہے تو میعاد میں کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے،

"کوئی" بن جاتا ہے،

اس کے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ نہ دکھائی دینے والی چیز کو دیکھ لیتا ہے اور بتا دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

تقصیر، اختتام عمرہ:

چھوٹا حج

سعی کے ساتوں دور کے اختتام پر تم مروہ کی بلندی ہی میں احرام سے باہر آو، حجامت کرو، زندگی کا جامہ پہنو اور آزاد ہو جاؤ۔

مروہ سے مسعیٰ کو ترک کرو، تنہا، تشنہ اور خالی ہاتھوں کے ساتھ اپنے اسماعیل کے سراغ میں نکلو۔۔۔۔!

ذرا کان لگا کر سنو! دور سے پانی کے ابلنے کا زمزمہ تمہیں سنائی نہیں دے رہا ہے۔۔۔۔؟

دیکھو! پیاسے پرندے اس تپتے پتھروں کی بلندی پر، پر کھولنے لگے ہیں۔۔۔۔۔۔!

زمزم نے، اسماعیلؑ کو سیراب کیا اور دور کی بستی کے ایک قبیلے نے اس درہ کی خلوت کو جلوت میں بدل دیا ہے۔

تشنگان زمین نے دور کے صحراؤں کے افق سے تمہارے زمزم کے اطراف ڈیرہ ڈال دیا ہے اور تشنہ و بے آس وادی میں شہر اگ آیا ہے پتھر کا بارش برسی ہے وحی کی اور۔۔۔۔۔۔۔ایک ''گھر'' تعمیر ہوا ہے ''آزادی'' و ''عشق'' کا۔

اور تم، اے سعی سے واپس لوٹنے والے، اسی طرح پیاسے اور اسی طرح تناہ ہو،

تمہاری تنہائی تم پر چھا گئی ہے،

زم زم، تمہارے اسماعیل کے پیروں تلے ابل رہا ہے،

لوگوں نے چاروں طرف سے تمہیں گھیر رکھا ہے، اور تم بیٹھے کیا دیکھ رہے ہو۔۔۔۔؟

خدا نے تمہارے گھر کی دیوار سے دیوار ملا کر گھر کر لیا ہے!

تمہارا دامن، خدا کا دامن ہو گیا ہے،

اے ''سعی'' کے خستہ تن انسان،

''عشق'' پر تکیہ کرو!

اے ''ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے والے انسان''!

کوشش کرو!

اس لیے کہ ''تمہارا اسماعیل'' پیاسا ہے،

اور اے ''انسان عاشق''!

رغبت پیدا کرو!

اس لیے کہ عشق معجزہ کرتا ہے!

اور تم، اے حاجی!

کہ جو سعی سے لوٹ رہے ہو،

اپنے جمود کے صحرائے تشنہ سے، اپنی پتھر بن جانے والی فطرت کی گہرائی سے تمہارے اندر ایک چشمہ پھوٹ نکلا ہے،

کان کو اپنی دیوار قلب پر دھر کے نرمی سے اسے دباؤ۔

تم اس کے زمزمے کو سن لو گے،

سنگستان مروہ، زمزم کو نکلو،

اس کا پانی پیو اور اس میں نہاؤ دھوؤ

اور اپنے ساتھ اپنی سرزمین پر لا کر لوگوں کو ہدیہ کرو!

☆☆☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

حج اکبر

توضیح

حج، مجموعی طور پر دو مرحلوں کا حامل ہے۔

گزشتہ کا عمل: عمرہ تھا، حج اصغر

اس کو انجام دینے کے بعد تم احرام سے آزاد ہوا اور ان چیزوں سے بہرہ مند ہو سکتے ہو جنہیں احرام نے ممنوع قرار دیا تھا۔

یہ مہلت نویں دن تک ہے نویں دن دوسرے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے:

حج اکبر!

☆☆☆☆☆

حج اکبر

ذی الحجہ کی نو تاریخ ہے، حج کا آغاز ہو چکا ہے، حج اکبر

تفسیر صافی میں سورہ توبہ کی تیسری آیت کے ذیل میں کافی

کہاں ہو؟ جہاں کہیں بھی ہو،

مسجد الحرام میں ہو، کعبہ میں ہو، گلی میں ہو، سڑک پر ہو، بازار میں ہو، ہوٹل میں ہو۔۔۔۔ کوئی حرج نہیں، نیت کر لو، ایک بڑے سفر کا آغاز ہے، احرام پہنو اور ”مکہ سے باہر آؤ“!

عجیب بات ہے! اب تمہیں کعبہ کو چھوڑنا ہو گا، ملہ کو پس پشت ڈالنا ہو گا۔۔۔۔!

ذرا بتاؤ تو قبلہ کدھر ہے؟

حج ہے اور اس کا آغاز کعبہ کو چھوڑ کر ہو رہا ہے!

پس وہ کعبہ کا قصد، اور ہر خیال کو دل سے نکال کر اطراف عالم سے کعبہ کے عزم میں نکلنا کیا تھا؟ وہ سفر کہ جس میں کعبہ تھا کیا تھا؟

حج اصغر، عمرہ!

اور اب جو سفر آغاز ہو رہا ہے، کعبہ کو چھوڑنے اور ملہ کو ترک کرنے کا سفر کیا ہے؟

حج اکبر!

عزم کعبہ حج نہیں، قبلہ حج، کعبہ نہیں شروع میں تم یہی سمجھ رہے تھے، اور یہ غلط ہے، اب اس بات کو سمجھو کہ حج: "کعبہ جانا" نہیں "کعبہ سے جانا" ہے۔

اب اپنے عمل سے تجربہ حاصل کرو، تو حید ابراہیمؑ سے سیکھو کہ

اور عیاشی سے نقل ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: عرفات میں ٹھہرنا، رمی جمرات: حج اکبر اور عمرہ: حج اصغر

شروع ہی سے، مقصد کعبہ نہیں تھا!

ہر چیز کعبہ کی دوسری سمت سے شروع ہو کر کعبہ کی طرف آتی ہے، تم اپنی سرحد کے اختتام تک کعبہ سے پہنچے ہو،

اے دل میں "اس کا" قصد رکھنے والے مہاجر! تمہارے قدم دوسری سرزمین

پر پہنچتے ہیں، تم دوسری راہ اختیار کرتے ہو، اب یہاں اپنے سے گزرنے اور گھر کو چھوڑنے کی گفتگو نہیں ہے۔ یہ سب چیزیں تو تم میقات میں چھوڑ آئے تھے، اب بات خانہ خدا کو چھوڑنے کی ہے۔

اب، تم، اے کہ جو بندگی کی بلندترین چوٹی پر "آزادی" سے ہمکنار ہوئے ہو اور کمال "بے خودی" میں "خود" میں وہ شائستگی پیدا کی ہے کہ تم سے کہا جائے کہ "کعبہ سے گزر جاؤ"!

تم خود اس وقت کعبے سے زیادہ نزدیک ہو!

کعبہ کی زیارت اختتام کو پہنچی ہے، کعبہ نے تمہیں "تم" کی چھاپ سے "خود" تک پہنچا دیا ہے۔

اب تم "خدا" تک جاؤ!

"گھر کا حج" نہ کرو بلکہ "گھر کے خدا" کا حج کرو

یہاں گفتگو جہت کی ہے "منزل" کی نہیں، بات "کعبہ کے سمت" کی تھی، کعبہ کی نہیں!

جہاں رک کر کھڑے ہوئے، وہیں رہ گئے، مر گئے! ہاں اے "حاجی!" اے قصد کرنے والے! عازم!

اے ہمیشہ اس کی سمت رواں!

ہاں!

اے ہمیشہ اس کی سمت دائمی حرکت رکھنے والے!

اے انسان، "روح خدا"!

اے "عمل"! عمل صالح!

تم مکہ آئے ہو؟

کعبہ میں بھی نہ رکو! حرم میں بھی نہ رہو،

تا کہ "کعبہ" قبلہ رہے، تا کہ تم جہت کو نہ کھو دو، تا کہ دوسرے قبلے تمہیں دھوکہ نہ دیں، "کعبہ میں" قبلہ دوسری جگہ ہے، وہاں کا عزم کرو، ایک بڑے سفر کو نکلو کہ جو کعبہ کے سفر سے زیادہ بڑا ہے:

حج اکبر کرو۔۔۔۔!

اس لیے روانگی کے دن تم جہاں بھی ہو احرام باندھو اور "مکہ" سے باہر آؤ کیونکہ حج اکبر "قبلہ" کو "پیچھے" چھوڑنا ہے۔

کعبہ سے زیادہ محترم جگہ کون سی ہے؟

تم جاؤ گے تا کہ دیکھو!

عرفات

احرام پہن کر مکہ سے باہر آتے ہو، "مشرق" کی سمت

و الی اللہ المصیر

"انسان" کے بارے میں قرآن کی تعبیر ہے، اس منزل پر جہاں نوح کے بیٹے کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے اور نوح اپنے بیٹے کی شفاعت کرتے ہیں اور اس کی عفو و بخشش کو خدا سے چاہتے ہیں لیکن بات رد ہوتی ہے، اور قرآن کہتا ہے: "وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے، اس کا عمل غیر صالح ہے۔"

عرفات سے کعبہ کو لوٹتے ہوئے تمہیں مشعر میں رکنا پڑے گا اور پھر منیٰ میں کیوں۔۔۔۔؟

چلو دیکھتے ہیں

کعبہ سے جاؤ کہاں تک؟ دور کی آخری منزل تک، انتہائے راہ تک منزلوں کے درمیان ٹھہرنا نہیں۔۔۔۔۔! ''مرحلہ بہ مرحلہ''، ''بتدریج''

''رہ چنان رو کہ رہبران رفتند''

(چلنے میں وہ روش اختیار کرو جو رہبروں کی رہی ہے)

''اول، منزل اول۔۔۔۔دوم، منزل دوم۔۔۔۔سوم، منزل سوم''

''معقول و منطقی'' یہ معلموں، مرشدوں، پیشہ ور نصیحت گروں کے سرد تکراری اسباق ہیں یہ تمام نظم ونثر کے موضوعات، روائتی ترتیبات اور سارے طور طریقے مصلحتی ہیں ان سب کو احرام مکہ کے موقع پر اپنے سے دور کرو اور بھاگ جاؤ، اور تشنہ و بے قرار اے گرفتار عشق۔۔۔۔کہ جو کعبہ کی دوسری سمت پر حالت حرکت میں ہو!۔۔۔۔''یک نفس'' انتہا تک پہنچو اور ایک لمحہ کے لیے بھی درمیان میں نہ رکو!

نویں دن، عرفات میں وقوف

دسویں شب، مشعر میں وقوف

دسویں دن سے بارہویں دن تک۔۔۔۔اور اگر چاہو تو تیرہویں دن بھی۔۔۔۔منیٰ میں وقوف

عرفات، مشعر اور منیٰ کی سرزمین میں ایسی کوئی نشانی نہیں ہے کہ جس سے اس

میں ورود وقوف کی توجیہ کی جا سکے، عرفات سے منیٰ تک سیدھے خط میں 25 کلو میٹر کا ایک راستہ ہے کہ جو مکہ کے دروں سے آ کر ملتا ہے۔

اس راستے کی بہ اعتبار فطرت، بہ اعتبار تاریخ اور بہ اعتبار مذہب کوئی اہمیت نہیں ہے، وہ چیز جو اس راستے کو تین مرحلوں میں تقسیم کرتی ہے، ایک قرارداد ہے، ایک فرضی قرارداد، تنظیم مراحل حج کے لیے۔

جو بات مسئلہ کو زیادہ حساس بناتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں ''وقوف'' پر تکیہ کا مسئلہ تھا یعنی عرفات میں تمہارا اصلی کام وقوف تھا، مشعر میں تمہارا اصلی کام وقوف تھا! عرفات میں بنیادی طور پر وقوف کے علاوہ تمہارا اور کوئی کام نہیں تھا، مشعر میں تم نے صرف سات کنکریاں چنیں اور بس، اور اس کو مشعر میں وقوف کا سبب نہیں کیا جا سکتا۔ تمہیں وہاں طلوع آفتاب تک رات گزارنی تھی۔

منیٰ میں بھی ''وقوف'' ہی پر تکیہ ہے دسویں دن (عید الاضحیٰ) رمی اور ذبح، یہ دونوں اصل کام بھی ظہر تک ختم ہو جاتے ہیں، لیکن تمہیں تین دن یہاں ٹھہرنا ہوتا ہے!

وقوف کیا ہے۔۔۔۔۔؟

وقوف، ایک تامل ہے، وقفہ ہے، راستے میں ایک عارضی توقف ہے، ''رہ جانا'' نہیں ہے، ''سکون'' نہیں ہے، ''سکونت'' نہیں ہے، ''اقامت'' نہیں ہے۔۔۔۔۔تامل ہے، وقفہ ہے!

یعنی تم راستے میں، حرکت میں ''راہ منزل کے درمیان'' کوئی رات، کوئی دن عارضی طور پر رکو اور پھر چل پڑو، ان تینوں منزلوں میں بھی تم رہ گزر رہو، مسافر ہو،''

حاجی" ہو، کسی سمت میں عزم سفر رکھتے ہو، کچھ دیر قافلے کے ساتھ منزل کرتے ہو اور جب طبل کوچ بجتا ہے اور قافلہ روانہ ہوتا ہے تو تم بھی قافلے کے ساتھ چل پڑتے ہو اور منزل کو کسی اور منزل کی طرف ترک کرتے ہو۔

ورود ہے اور توقف، اور پھر کوچ! دن کو عرفات میں، شب کو مشعر میں، اور آفتاب عید طلوع ہونے پر منیٰ میں،

اور منیٰ میں وقوف! تین دن،

تاہم منیٰ بھی آخری منزل اور آخری مقصد نہیں۔

پس، یہ سفر کب اپنے اختتام کو پہنچے گا؟

اس قافلے کی منزل کہاں ہے؟

کبھی نہیں ــــــ! کہیں نہیں۔۔

پس یہ کس سمت رواں ہے؟

خدا کی سمت،

کب تک؟ کہاں تک؟ اس کی اختتامی منزل کہاں ہے؟

خدا "مطلق" ہے، "ابدی" ہے،

اور یہ حرکت زیبائی مطلق، علم مطلق، قدرت مطلق، خلود مطلق اور کمال مطلق کی طرف ہے! اور اس کا سلسلہ ابدی، دائمی اور "نہایت ناپذیر" ہے

والی اللہ المصیر!

اس سفر میں خدا منزل گاہ نہیں، جہت ہے! ہمارے اندر ہر چیز عالم گزشت میں ہے اور موت میں اور صورت کی تبدیلی میں ثابت رہنے والی چیز صرف جہت

ہے!اور لایتناہی رہنے والی چیز صرف حرکت!

کل شی ھالک الا وجھہ!

ہم کعبے سے چلے اور سیدھے عرفات آئے اور اب عرفات سے، مرحلہ بہ مرحلہ ''کعبہ'' کی سمت واپس لوٹ رہے ہیں!

انا للہ وانا الیہ راجعون!

ہر جگہ گفتگو حرکت کی ہے، ذاتی حرکت (گشت) اور انتقالی حرکت (باز گشت)! اور ہر جگہ گفتگو ''الیہ'' سے ہے (سمت سے ہے) ''فیہ'' سے نہیں (ذات سے نہیں)

اور اسی لیے حج، قصد مطلق ہے

یہی وجہ ہے کہ یہاں سفر نہیں، اس لیے کہ سفر کا اختتام ہے، زیارت بھی نہیں، اس لیے کہ زائر کا ایک مقصد ہے یہ حج ہے، آہنگ مطلق ہے، قصد مطلق ہے، مقصود مطلق ہے، مقصد نہیں ہے!

اور یہی سبب ہے کہ تمہیں منی میں چھوڑ دیا جاتا ہے، یہی سبب ہے کہ تم عرفات سے لوٹنے کے موقع پر کعبہ تک نہیں پہنچتے ہو! مکہ کی دیوار کی پشت پر آتے ہو،

کہ جو ''قرب'' ہے ''مقصد'' نہیں!

پس حج ''کعبہ'' سے ''عرفات'' تک جانے اور ''عرفات'' سے ''کعبہ کی طرف'' منی تک لوٹنے کا نام ہے!

خدا کی سمت لوٹنے اور کعبہ کی سمت آنے کے تین مرحلے ہیں، یہاں گفتگو تین

''سرزمینوں'' کی نہیں، عرفات، مشعر اور منیٰ تین مختلف مقامات نہیں ہیں، تین مرحلوں کا اشاریہ ہے۔

جس بات نے مجھے اس راز کے انکشاف پر ابھارا وہ یہ تھا کہ میں نے دیکھا کہ ان تینوں منزلوں کے مقام میں کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ بھی ہے وہ ان جگہوں پر ''وقوف'' ہے۔

یہاں ہم ''نیت عمل'' نہیں کریں گے ''نیت وقوف'' کریں گے!

پس اصلی بات ان تین مقاموں کی نہیں، تین وقوف کی ہے!

ہم کہاں سے جانیں کہ ان تینوں وقوف کا مطلب کیا ہے؟

خدا نے ان تین مرحلوں کے نام دیے ہیں،

یہ ہیں وہ نام جو آسمان سے اترے ہیں۔

عرفات، گفتگو ''شناخت'' کی ہے = علم۔

مشعر، گفتگو ''شعور'' کی ہے = فہم

اور منیٰ، گفتگو ''عشق'' کی ہے != ایمان

کعبہ سے سیدھے عرفات: (انا للہ)

اور لوٹنے کی منزل میں عرفات سے کعبہ، منزل بہ منزل:

(انا الیہ راجعون)!

پس عرفات، آغاز ہے، اس دنیا میں ہماری خلقت کا آغاز،!

''آدمؑ'' کے قصے میں (یعنی آغاز خلقت انسان اور زمین پر بنی نوع انسان کی پیدائش کے باب میں) کہا جاتا ہے کہ ہبوط کے بعد (یعنی زمین پر انسان کی زندگی

کے آغاز کے بعد) پہلی بار یہاں ''آدم وحوا'' نے ایک دوسرے کو از سر نو ''پہچانا''!

عرفہ: عرفات!

''ہبوط''! آدم کا ''باغ بہشت'' سے نکالا جانا!

یہ ''بہشت''، ''بہشت موعود'' نہیں، وہ جنت نہیں جس کا وعدہ کیا گیا ہے، زمین کی بہشت ہے، جنت ہے، جنت، درخت اور سبزہ سے پوشیدہ زمین، آدم کا پہلا وطن، اس زمانے میں تو وہ بغیر کوئی کام کیے، بغیر کسی ذمہ داری کے، کھاتے، پیتے اور لطف اندوز ہوتے رہتے تھے اور سیر و سیر آب جیتے تھے۔

یہاں تک کہ ابلیس نے کہ جو عالم میں خدا کا تنہا فرشتہ تھا اور جس نے آدم کے سامنے پیشانی جھکانے سے انکار کر دیا تھا۔۔۔اس کو کہ جس کے نفس میں خدا نے ''فجور'' و ''تقویٰ'' کو الہام کیا تھا۔۔۔وسوسے میں ڈال دیا، اور ''حد'' توڑنے پر اکسایا، ''منع کے مقابل عصیان'' کی ترغیب دی اور ''میوہ ممنوعہ'' کھانے پر زور دیا اور یہ بات دل میں بٹھائی کہ اس کے کھانے سے اسے خدائی صفت مل جائے گی اور وہ بصیرت اور جاودانیت کا حامل ہوگا۔

مگر آدم نے پھر بھی انکار کیا انسان میں تنہا عقل کارگر نہیں ہوتی، ابلیس حوا کے پاس پہنچا ''عشق''! اور اس بار آدم نے ''میوہ ممنوعہ'' کو کھا لیا۔ عقل اور عشق نے ایک بارگی ''فرشتہ'' کو اپنی زد پر لیا اور اسے ''آدم'' بنا دیا۔

آدم: وہ تنہا فرشتہ کہ جو ''گناہ'' کرسکتا ہے اور اس بنا پر ''توبہ'' بھی، جو عصیان کرسکتا ہے اور اس بنا پر ''طاعت'' بھی!

عصیان، یعنی خدا کے ''ارادہ'' کے مقابل ''ارادہ'' یعنی کہ ''جبر فطرت'' کے

مقابل ''آزادی''یعنی کہ ''انتخاب''پس ''ذمہ داری''، ''خودآ گاہی''

''میوہ ممنوعہ'' کو کہ جسے تورات اور ہماری بہت سی روایتوں

اوراس کے نتیجے میں، سیر و سیر آبی و بے فکری کے باغ سے احتیاج، عطش اور دکھ درد کی زمین پر اترنا: ''ہبوط''!

زمین پر اس خودآ گاہ موجود کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، یہاں ذمہ داری ہے، گناہ ہے، رنج و عطش کی دائمی محکومیت ہے، جلاوطنی ہے، طبیعت میں احساس غربت و اسارت ہے، آسمان پر پر کھول کر اڑنے والا ہما، قفس خاک میں ہے، اور پھر ایک ختم نہ ہونے والا احساس جدائی ساتھ ہے۔ مذہب، حکمت، عرفان، ہنر و ادب اور۔۔۔۔۔ زندگی کے لب پر پرسوز بانسری ہے کہ جو۔۔۔۔ ''نیستان'' سے کٹ کر جدائی کے غم، اور درد

اور تفسیروں نے ''علم'' بھی لکھا ہے میں نے اس کے دیگر فرضی مفاہیم کے درمیان سے لیا تھا اور اب بھی اسی پر قائم ہوں لیکن اس کے اصلی اور براہ راست معنی کے طور پر نہیں بلکہ التزامی مفہوم میں میوہ ممنوعہ یا درخت ممنوعہ کو کہ جسے تفاسیر اسلامی نے ''حسد''، بغض اور ہوس کے پست ترین مفہوم سے لے کر ''علم اہل بیتؑ اور مقام ولایت'' جیسے عالی ترین مفہوم تک تعبیر کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض نے علم نباتات کی روشنی میں اس درخت کی نوعیت اور اس کے میوے کو تعین کرنے کی کوشش بھی کی ہے کہ وہ گندم تھا یا سیب یا۔۔۔۔؟ میں اس کے لیے ایک بہت ہی سادہ اور فطری لفظ کا معتقد ہوں اور وہ ہے ''ممنوعہ درخت''یعنی ''منع'' سے متصف درخت، اور ممنوعہ میوہ کو کھانا یا قرآن کی تعبیر کے مطابق ممنوعہ درخت سے

قریب ہونا، یعنی حد سے آگے بڑھنا ہے، اس دنیا میں قدم رکھنا کہ جو ہر موجود پر بند ہے یعنی اگر ایک لفظ ہم اس کے لیے منتخب کرنا چاہیں تو وہ ''عصیان'' ہوگا کہ جو ''آگاہی'' اور آزادی کے دو عنصر کا حامل ہے!

فراق میں نالے بکھیر رہی ہے، ذمہ داری کا بھاری اور ناقابل تحمل بوجھ ہے، سامان گناہ کا خوف ہے، ''گناہ کا ذاتی اضطراب'' اور واپس لوٹنے کا فطری شوق۔۔۔۔۔۔ گلے لگا ہوا ہے۔

اور اب حج، تجسم تخلیق! توبہ

''خود آگاہی'' دور ہونے کا احساس، جلاوطنی، غربت اور بانتیجہ ''واپس لوٹنے'' کا قصد!

جنت کے آدم کی زمینی آدم سے تبدیلی، انسان کی تحقیق موجودہ مفہوم میں، عاصی، حدشکن، آسیب پذیر ابلیس، اثر پذیر حوا، جنت سے ہنکایا ہوا، خدا کی جانب سے صاحب اختیار، زمین کی جلاوطنی کا اسیر، فطرت کا قیدی، ان سب باتوں کے وجود اس ''میوہ ممنوعہ'' کو کھانے کے بعد گو کہ اس نے اسے مجرمانہ ذہن کا حامل کیا لیکن ساتھ ہی اسے الٰہی بینائی اور خود آگاہی بھی دی، اس کی بند آنکھیں کھول دیں، اور اسے اپنی عریانی کی شناخت ہوگئی، اس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔

ہبوط ''کعبہ'' سے ''عرفات'' میں!

زمین پر آغاز پیدائش آدم،

زمانے میں آغاز پیدائش انسان، اس کی ''شناخت'' کی پیدائش کے ساتھ!

اور آغاز ''شناخت'' ایک دوسرے کی پہچان کے ساتھ، جو عشق کی پہلی چنگاری

سے وجود میں آئی!

لغت میں: بازگشت

آدم وحوا کی مڈبھیڑ!

کہ جہاں آدم نے اپنے ہمسر اور ہم ذات کو پہچان لیا، اس کا اپنی مخالف جنس سے۔۔۔۔کہ جو اس کی ہم سرشت ہے۔۔۔۔سامنا ہوا وہاں انسان نے ایک حکیمانہ بصیرت سے، ایک ''ذات'' اور ایک ''ماہیت'' کے عنوان سے اپنے آغاز کو ''شناخت'' کی پیدائش کے ساتھ پہچانا۔

اور یہاں انسان نے اپنی علمی بصیرت سے ایک عینی موجود کے عنوان سے تاریخ میں اپنے آغاز کو ''شناخت'' کی پیدائش کے ساتھ پہچانا!

اور حج میں، پہلی حرکت، ''عرفات'' ہے!

اور اسی لیے وقوف عرفات ''دن'' میں ہے اور اس کا آغاز نویں دن کی دوپہر سے ہوتا ہے جب آفتاب اپنی بلند ترین چوٹی طے کر رہا ہوتا ہے۔

''آگاہی''، ''بینائی''، ''قانون فطرت سے آزادی''، ''آشنائی''، ''اتصال مہر'' اور ''انسان و فطرت'' کی شناخت کا آغاز تابناک سورج کی روشنی میں!

جب سورج ڈوب جائے، عرفات انجام کو پہنچتا ہے تاریکی میں دیدار نہیں، آشنائی اور شناخت نہیں، اس لیے کہ بینائی نہیں!

سورج نے اس وادی میں غروب کیا کہ جو ''عرفات'' کی وادی تھی اور انسان نے بھی آفتاب کا ہم سفر بن کر مغرب کی سمت کوچ کیا۔

حرکت، رات کے اندھیرے میں

مشعر میں وقوف! سرزمین شعور: خودآگاہی

''شناخت'' کے بعد کا مرحلہ: آگاہی

کتنی عجیب بات ہے!

پہلے شناخت اور پھر شعور؟

سب جانتے ہیں کہ پہلے شعور کو ہونا چاہیے تاکہ ''شناخت'' تک پہنچا جا سکے۔۔۔۔!

لیکن شناخت وشعور کا خالق اس کے برعکس کہتا ہے: ''اختلاط'' سے۔۔۔دو متضاد جنسوں کے اختلاط سے، دو افکار کے ملاپ سے، پہلے تقاہم وتصادف کی پیدائش و اتصال سے، انفرادی زندگی کے اختتام اور پہلے گھرانے اور پہلے ''اجتماع'' کے آغاز سے، خودآگاہ عشق کی پیدائش اور آخرالامر دو انسانوں کے ایک ہونے سے۔۔۔''شناخت'' وجود میں آئی اور اس کے ساتھ ارتقائی ''شناخت'' کے بعد انسان روئے ارض پر شعور سے ہمکنار ہوا۔۔۔علم نے قوت فہم کو افزودہ کیا اور ''آگاہی'' نے ''خودآگاہی'' کو جنم دیا!

عینیت، ذہنیت کی بنیاد واساس ہے اور باہر کی دنیا سے ذہن کے رابطے اور واقعیت کے ساتھ اس کے اتصال کی صورت

---

1 Science

2 Conscience

3 Objective

4 Subjective

Idea 5

Reality 6

میں عقل ترقی کرتی ہے، ادراک کو طاقت ملتی ہے اور آدمی کی معنوی قوتوں میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔

چنانچہ پہلے: مشعر اور پھر عرفات، ایک تصوراتی آیڈیالیزم ہے، حکمت الٰہی! میٹافزیکس،

پہلے، منیٰ، تصوف: ایک بن شناخت اور بن شعور والا دین!

عرفات، بلا مشعر و منیٰ، میٹریالیزم، بغیر خدا اور بغیر خودآگاہی کی سینتھیسزم، علم و فن در آثار، زندگی عبث، تمدن، بے روح اور پیش رفت، بے امید و آرزو!

اور مشعر و منیٰ، بلا عرفات: دین! جسے سب جانتے ہیں!

لیکن اس دین میں، انسان پست ترین مادہ سے نسبت رکھنے والا خاکی پیکر! کہ جو خدا کی اس طاقت سے چل پھر رہا ہے جو اس نے اس کے اندر بطور امانت رکھی ہوئی ہے۔ اس کا وجود شناخت کے وجود کے ساتھ ہوا، آہستہ آہستہ اسے واقعیت عالم کا علم ہونے لگا، اس میں مادی بینائی پیدا ہوئی اور پھر اس منزل سے وہ انسانی خودآگاہی کی منزل تک پہنچا، اس میں علم سے پیدا ہونے والا وہ شعور جاگا کہ جس نے اسے عشق سے آگہی دی۔ عرفات اور منیٰ کے درمیان والی منزل ۔۔۔ اور پھر وہ اس مقام سے رفعت پا کر اونچائی کی بلند ترین چوٹی تک پہنچا، کمال کے آخری مرحلہ تک، معراج تک، سدرۃ المنتہیٰ، قاب قوسین او ادنیٰ! اور ۔۔۔ خدا تک پہنچا! منیٰ!

ریلیزم، بالکل، لیکن ہدف نہیں، اصل! ماورائی آئیڈیل (کمال مطلوب) کی سمت مقام پرواز!

مادی بنیادوں پر استوار آئیڈیالیزم! میٹریلیزم! کہ انسان اس مکتب میں ایک متضاد مخلوق ہے، ایک جمع ضدین ہے، ڈیالیکٹیک! آدھی خاک، بدبودار سیاہ کیچڑ، طوفان کی لائی ہوئی مٹی کی جمی ہوئی تہ! اور اس میں روح خدا! اور تم؟ ایک ''عمل'' ایک ''آزادی'' ۔۔۔۔''انتخاب'' ایک ''مہاجر''، ''سڑی مٹی'' سے ''روح خدا'' تک! اور اس سفر میں تین مرحلوں سے گزرتے ہوئے تین عارضی وقوف، عرفات مشعر اور منیٰ۔

اور اب ہم دیکھتے ہیں کتنے صحیح انداز میں اور کتنی باقاعدگی سے ہر چیز واضح و روشن ہو رہی ہے اور کتنی آسانی اور کتنے اچھے طریقے سے۔۔۔۔! مذہب؟ ''راستہ'' ۔۔۔۔''حکمت''؟ ۔۔۔۔۔''آگاہی'' ۔۔۔۔۔۔۔۔''رسالت؟'' ہدایت! ۔۔۔۔۔امت؟ ایک عازم گروہ۔۔۔۔۔امامت؟ راہنمائی و رہبری! امام؟ معالم الطریق! علائم رہنمائی، ۔۔۔۔۔۔۔''شہید''، ۔۔۔۔۔''شاہد'' ''نمونہ'' ۔۔۔۔۔۔۔''پیشوا'' ۔۔۔۔۔۔عبادت؟ ۔۔۔۔۔راہ کو کوٹنا اور ہموار کرنا پارسائی اور ریاضت نفس؟ ۔۔۔۔۔۔''ایک ذمہ دار شخص کی انقلابی تعمیر نفس، ان سب چیزوں کو چھوڑنے کے لیے کہ جو اسے اپنی طرف بلاتی ہیں اور وہیں رہنے کو کہتی ہیں اور جما دیتی ہیں۔''

''سبیل اللہ'' وہ راستہ کہ جو اپنے آپ کو ترک کر کے اور خلق کے حق میں ایثار سے کام لے کے خدا کے لیے آغاز ہوتا ہے۔

''دعا''؟، چاہنا، اسے پکارنا، اپنی ضرورتوں، اپنی چاہتوں، اپنے عشق اور اپنی نفرتوں کو اس سے بیان کرنا، ''تلقین کرنا''؟ اپنے آپ سے، خلق سے، اور خدا سے کہتے رہنا۔

''ذکر''؟ یاد دہانی فراموش نہ کرنا!

''حج''؟ ''قصد کرنا''!

حتیٰ کہ ان تمام تضادات اور تناقضات کا حل جو ہمارے درمیان پیدا ہو گئے ہیں۔

مال۔۔۔؟ ایک ''معروف'' شے کہ جو ''خیر'' اور ''فضل خدا'' بھی ہے اور ''دنیا وفتنہ۔۔۔ بھی''! یعنی چیز کو اس راہ پر سوچنا چاہیے، اگر نماز، چلنے اور آگے بڑھنے سے روکتی ہے تو ''وائے ہو نماز پڑھنے والوں پر ہے'' اور اگر پیسہ اس راہ میں کارآمد ہوتا ہے، پس پیغمبر خود، پیسے کو اچھا سمجھتے ہیں۔

اب ہم عرفات پر آ گئے ہیں، کعبہ سے اتنی دور کے فاصلے پر کہ جو اس سفر میں ہمارے لیے ممکن تھا ایک خشک وادی، ساحلی نرم ریت سے بھرا میدان، جبل الرحمہ کی ایک پتھریلی چٹان کے درمیان، کہ جہاں پیغمبر اسلامؐ نے آخری حج کے موقع پر لوگوں کو اپنا آخری پیغام سنانے کے لیے منبر بنایا تھا۔

ایک عجیب وغریب شہر کہ جو ایک دن میں ریت سے پھوٹا اور بعد نماز عصر سمٹ گیا! ایک اقوام عالم کا شہر، بے ساز و سامان، تمام بشری نسلوں کی ایک خلقت، بے رنگ، دنیا کے تمام ممالک کا مجموعہ، قید سرحد سے آزاد، پوری زمین ایک وادی میں، دور دور تک، افق در افق اور صف در صف سفید خیمے، تشخصات، برائے نام،

اشرافیت، کتنی پست، نمود و نمائش، گاہ بگاہ، زیبائیاں، کتنی بدصورت!

اور تم ہو کہ تم پوچھتے ہو، یہاں کیا چیز ہے کہ جس کی زیارت کو تم آتے ہو؟ کیا عمل ہے کہ جس کو انجام دینے کے لیے یہ مشقت برداشت

فویل للمصلین.......... (خدا)

کرتے ہو؟ ------- کچھ نہیں! آزادی، اس ناپیدا رکنار بشری دریا میں غوطہ خور، جہاں چاہے اور جس صورت سے چاہے دن گزار سکتا ہے اور چاہے تو سو کر گزار سکتا ہے!

لیکن تمہاری "چاہت" اس طرح ہونی چاہئے کہ جیسے تم عرفات میں ہو!

یہاں، "دیکھنے" کی کوئی چیز نہیں،

لیکن بقول "ژیذ": "کوشش کرو کہ عظمت تمہاری نگاہوں میں رہے، نہ وہ چیز جسے تم دیکھ رہے ہو۔"

یہاں تمہیں کچھ نہیں کرنا ہے، تم پر کوئی تکلیف عائد نہیں ہے، جو کچھ کرنا ہے بر تر از آں ہے کہ اسے "تکلیف" کے قالب میں سمویا جائے۔

تامل، غور و فکر!

اپنی فطرت کی کلی کو عرفات کے پاکیزہ آفتاب کے نیچے قرار دو تا کہ وہ کھلنے لگے۔

اس عادت کی بنیاد پر کہ جس پر تاریخ نے ہماری پرورش کی ہے، روشنی سے نہ بھاگو اور آزادی، جمعیت، نور اور روشن پسندی سے نہ گھبراؤ۔

اے ستم سے سمجھوتہ کرنے والے، جہل کے تنہائی پسند، امن و آرام کی دلدلوں

کی غلیظ کائی، اے ۔۔۔۔۔ ’’میں‘‘! اپنے خیمے سے باہر نکل اور انبوہ خلائق کے اس گہرے سمندر کے اعماق میں گم ہو جا اور موقع دے کہ عرفات کا آگ برسانے والا سورج تجھے بھون دے،

ایک دن ایسا بھی گزرا، اے ۔۔۔۔ موم!

انبوہ خلائق کے قلب میں فروزاں، نہ کہ دشمن کے ہاتھ میں نرم،

یگر کی انگلیوں پر ناچنے والے!

بہر صورت، آزادی، جس طرح چاہو اس دن کو گزار سکتے ہو، یہاں تک کہ ہمیشہ کی طرح! پورا دن سو کر بھی گزار سکتے ہو، یہاں تم سے جو چیز چاہی گئی ہے وہ ’’وقوف‘‘ ہے!

☆☆☆☆☆

مشعر

عرفات کا آفتاب ڈھل گیا، اب عرفات سے چل نکلو! اس لیے کہ عرفات خود بھی جا رہا ہے، عرفات رات کو برداشت نہیں کرسکتا رات عرفات کو نگل لے گی، مار دے گی محو کر دے گی۔

رات عرفات میں نہ رہو، سورج ڈھلنے پر چل پڑو،

اس لیے کہ سب لوگوں نے چلنے کا عزم کر لیا ہے رات جب آتی ہے تو کسی مسلمان کو اپنی راہ پر نہیں پاتی ’’سورج کا شہر‘‘ اچانک غروب کے ابہام میں چھپ گیا اور وادی کو چھوڑ کر تیزی سے بھاگ نکلا۔

مگر کہاں ۔۔۔۔؟

''مشعر'' میں ۔۔۔!

تمھیں چین نہیں لینے دیتے، ہر منزل میں عارضی وقوف اور پھر

'' المشعر، المعلم.... والمشاعر، المعالم التی ندب اللہ الیھا وامر بالقیام علیھا ومنہ سعی المشعر الحرام، لانہ معلم للعبادہ و موضع'' (لسان العرب)

فوری کوچ ۔۔۔۔۔!

سکون؟ کبھی نہیں! اقامت؟ کہیں نہیں!

وقوف! آدھے دن، ایک رات، دو تین دن، اور بس!

کل جو خیمے لگے تھے آج وہ سب اٹھ جائیں گے!

تمھارے ساتھ گفتگو ہو رہی ہے!

تمھارے ساتھ، اے ۔۔۔۔۔ ''میں''!

اے وہ کہ جو اس پشت زمین پر تھوڑی دیر کے لیے آئے ہو اور بس!

اے وہ کہ جو زمانے کی ابدیت پر ایک لمحہ ہو اور بس!

اے ۔۔۔۔۔ ہیچ!

اے وہ موج کہ جس کی آسودگی، اس کی ہستی کو نیستی میں بدل دیتی ہے۔

اے وہ کہ جو صرف ''حرکت'' میں ''ہے''!

اے وہ کہ جو ہر چیز کو مطلق بنانے کے ارادے میں ہے!

اے ۔۔۔۔۔ ہیچ!

اے "قطرے"!

انبوہ خلائق کے موجیں مارتے ہوئے نہر میں اپنے آپ کو ملا دو اور جاری ہو جاؤ!

"فاذا افضتم من عرفت فاذکرو اللہ عند المشعر الحرام واذکروہ کماھدکم وان کنتم من قبلہ لمن الضالین ثم افیضو من حیث افاض الناس.....!"

رات کو مشعر میں رہنا ہوگا۔

عرفات سے نکلنے والی دو گھاٹیوں کے درمیان کی وہ راہ کہ جو منیٰ اور مکہ کی طرف آتے ہوئے تنگ ہوتی چلی جاتی ہے اور انبوہ خلائق اس میں افشردہ تر ہو جاتے ہیں۔

اچانک مغرب کا طوفان عرفات کو برہم کر دیتا ہے اور پورا شہر ایک دن میں سمٹ جاتا ہے اور انسانوں کا موجیں مارتا ہوا طوفان ۔۔۔۔ ایک رنگ و ایک رو کے ساتھ ۔۔۔۔ جبل الرحمۃ کے گرد ایک گرداب کی صورت میں چکر کاٹتا ہے اور رات کے ڈر سے پریشان اور گریزاں وادی کے نشیب میں اتر جاتا ہے اور شب میں موجیں مارتی ہوئی نہر کی طرح، انبوہ خلق کا سفید ریلا تاریکی شب میں شب سے بھاگتا ہے اس لیے کہ رات نے عرفات کی وادی پر اپنا تسلط جما لیا ہے۔

اور تم "راستے کے اس خط" میں ایک "نقطہ" ہو، ایک قطرہ ہو، دوسرے قطرےوں کی طرح

سورۂ بقرہ آیت: 198-199: "پس بعد ازیں کہ تم نے عرفات سے اپنے

اندر جوش وجذبہ اور بہاؤ پیدا کیا (دریا نے انبوہ خلق کی تشبیہ!) مشعر الحرام میں خدا کی یاد کو اپنی آگاہی اور اپنے احساس میں جگاؤ۔ اس کو یاد کرو کہ جس نے تمہیں راستہ دکھایا ہر چند کہ تم اس سے پہلے گم گشتہ راہ لوگوں میں سے تھے اور پھر جاری ہو جاؤ جہاں سے کہ انبوہ خلق جاری ہے'' یہ قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ دور جاہلیت میں بڑے لوگ اور اشراف اس ساحل سے ہٹ کر کہ جس سے عام لوگ مشعر کو جاتے تھے اپنے لیے ایک الگ خصوصی راہ متعین کیے ہوئے تھے اور وہیں سے ان کا سفر جاری ہوتا تھا۔

اے ریلے! اے سیلاب!

اے شب میں پرجوش و پرخروش جستجو!

اے ظلمت میں ایمان و امید کی کرن!

☆☆☆☆☆

حیرت ہے! ایسا لگتا ہے جیسے ''سورج کا شہر'' عرفات کی گرمی سے پگھل گیا ہے اور اب ''شہر خواب'' کی صورت میں ایک سیال آگ کی طرح اس وادی کی سطح پر بہہ رہا ہے۔

سب اپنے اندر گم ہیں!

ہر کوئی شب میں اور اس انبوہ خلق میں غرق ہے۔

لیکن ڈر کس بات کا؟ اس لیے کہ راستہ ہموار اور قابل اطمینان ہے!

خود کو پانا اور راہ کو گم کرنا ایک المیہ ہے،

اپنے آپ کو راہ میں کھو دینا، نجات ہے،

اور اس سے بڑھ کر خود کو راہ بنانا عبادت!

اس لیے کہ "عبادت" یعنی: اے "ناہموار پتھریلی زمین" اے رکے ہوئے متعفن پانی اے غرور کی بلندی اور اے ذلت کی پستی، اپنے آپ کو کوٹو، کچلو اور ارادہ الٰہی کے زیر قدم ایک ہموار راہ بن جاؤ تا کہ تمہاری ایک اچھی اور آسودہ زندگی گزرے اور تمہارے اندر وہ خصوصیات موجزن ہوں کہ جو جوہر حیات اور فطرت عالم میں ہیں۔

اے کہ انتہائے راہ میں، خدا تمہارا منتظر ہے۔۔۔۔

اب ہم مشعر میں پہنچے ہیں، **منفصل**، اسم مکان، مکان شعور! ہوش مندی کو دیکھو۔

عرفات میں "شناخت"، "جمع" تھی اور مشعر میں، شعور مفرد! یعنی واقعیتیں گونا گوں ہیں اور بہت، لیکن حقیقت ایک ہے اور راہ بھی ایک! انبوہ خلائق کی راہ، کہ جو خدا کی سمت جا رہے ہیں!

پیغمبرؐ اپنے اصحاب کے ساتھ، مٹی پر بیٹھے تھے اور اپنے ہاتھ کی چھڑی سے زمین پر لکیریں کھینچ رہے تھے، بے قید تھے، اس لیے کہ شناخت، "واقعیت" کا جاننا ہے، "علم" ہے، "جو کچھ کہ ہے اس کے بارے میں آگہی ہے" عرفات وہ آئینہ ہے کہ جس پر تمام صورتیں، تمام رنگ، تمام نقش اور تمام کیفیتیں اسی طرح منعکس ہوتی ہیں جس طرح کہ وہ ہیں اور علم، دین و دنیا کے مقابل قرار پانے والا آئینہ کہ جس کا نام "فقہ" یا "فزکس" ہے!

اور بس۔۔۔۔!

اس میں اچھا اور برا نہیں ہے، خدمت اور خیانت والی بات نہیں ہے، پاکی اور ناپاکی بے معنی مفہوم ہے۔ علم ہے اور علم ہر جگہ اور ہمیشہ ایک ہے یہاں کافر یا مسلمان، لوگ یا لوگوں کے دشمن اور خائن یا خادم کی گفتگو نہیں ہے!

یہ قیود، ''شعور'' میں آتے ہیں وہ قوت کہ جو علم کو اپنی خدمت پر ماموز کرتی ہے، اسے جہت بخشتی ہے، اور وہی فجور پیدا کرتی ہے یا تقویٰ، صلح کے لیے کام کرتی ہے یا جنگ کے لیے، عدالت کو مدنظر رکھتی ہے یا ظلم کو۔۔۔

سرمایہ دارانہ نظام میں شناخت وہی ہے کہ جو غیر جانبدارانہ نظام میں ہے نازی فزیشنس نے فطرت سے وہی شناخت حاصل کی ہے کہ جو نازیوں کی بھینٹ چڑھنے والے فزیشنس نے حاصل کی تھی، اور اسی طرح مسند خلافت کا مذہبی پیشوا شناخت کو دین سے اسی طرح لیتا ہے جس طرح کہ خلیفہ کے زیر اثر رہنے والا مذہبی پیشوا۔

وہ چیز کہ جو کسی کو جلاد بناتی ہے اور کسی کو شہید، ایک کو حریت پسند اور دوسرے کو جبار، اس کو پاک اور اس کو پلید، وہ ''شناخت'' نہیں ''شعور'' ہے۔

کون سا علم؟ بے معنی بات ہے، اس لیے کہ علم، ایک ہے ''کس طرح کی شناخت''؟ یہ بھی ایک مہمل گفتگو ہے اس لیے کہ شناخت کی صورت بھی ایک سے زیادہ نہیں ہے،

لیکن کون سا ''شعور''؟ یہ وہ سوال ہے کہ جس کے لیے جواب کی ضرورت ہے اور حج اس کا جواب دیتا ہے:

''شعور حرام''!

وہ کہ جس کی عفت وتقویٰ اور حرمت وطہارت کے حریم میں نگہداشت ہوئی ہے،

یہی وجہ ہے کہ پہلا مرحلہ صرف ''عرفات'' کا تھا، لیکن یہاں، صرف ''مشعر'' نہیں، ''مشعر الحرام'' ہے۔

اور عجیب بات ہے کہ وقوف مشعر الحرام ''رات'' میں ہے! جبکہ وقوف عرفات ''دن'' میں تھا!

کیوں۔۔۔۔۔۔؟

اس لیے کہ عرفات ''آگاہی'' کا مرحلہ ہے، شناخت

ایک عینی رابطہ ہے ذہن کا رابطہ بیرونی واقعیت سے دنیا، بیرون ذات یہاں آنکھ چاہئے اور روشنی، لیکن ''شعور''، ''خود آگاہی'' کا مرحلہ ہے قوت ''فہم'' ہے اور یہ ایک ذہنی مسئلہ ''درون ذات'' کا ہے۔

وہاں مرحلہ ''حس'' ہے اور مشاہدہ عینی: ''نظر''

اور یہاں مرحلہ ''فکر'' ہے اور شہود ذہنی: ''بصیرت''!

لیکن غیر ذمہ دارانہ فکر نہیں ''آلودہ و بیمار'' فہم نہیں، لا ابالی پن والا شعور نہیں بلکہ ذمہ دارانہ شعور، فرض شناس اور ثابت قدم رہنے والا شعور جس کا شعار خلوص و تقویٰ ہو، جو ایمان کے حرم قداست و امنیت میں ہو، ''مشعر الحرام'' کا شعور، بالکل مسجد الحرام، ماہ حرام اور شہر حرام۔۔۔ کی طرح! کہ جن میں گناہ اور جھگڑا حرام ہے، جدال حرام ہے، جارحیت حرام ہے، یہاں تک کہ کسی جاندار کو تکلیف پہنچانا

اور گھاس تک کو اکھاڑنا حرام ہے یہ زمین وزمان حرمت ہے، جائے امن ہے اور جائے آزادی و

---

1 Objective

2 Conscience

3 Subjective

4 یہاں میں نے ''نظر'' اور ''بصیرت'' کے ان دو جملوں کو قرآن ہی کے مفہوم میں لیا ہے جہاں اس نے ''نظر'' کا استعمال فطرت کی مادی چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور ''بصر'' کا استعمال بینائی حقائق کے لیے کیا ہے افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت اور '' ادعو الی اللہ علی بصیرۃ انا و من اتبعنی ''

عصمت ہے! یہ مقام تقویٰ اور خاص طور پر صلح و صلاح کے حصار میں، طہارت روح سے پاکیزہ اور فطرت کی روشنی سے تابناک ہے!

جائے حیرت ہے! ''شناخت'' سے پیدا ہونے اور ''عشق'' کو جنم دینے والا شعور کہ جس کی دیوار، ''علم'' و ''ایمان'' کی دیوار سے ملی ہوئی ہے، عرفات اور منیٰ کے درمیان! عرفات کے بعد اور منیٰ سے پہلے۔

یہ اس لیے ہے کہ شعور راز خود روشن ہے اور دل کی قندیل میں اندیشے کے روغن سے شعلہ ور ہے۔

حکمت، وہ ''خود آگاہی'' کہ جو ہمیں انبیاء سے ملی، یہ ہے، نہ کہ فلسفہ، نہ کہ علم، اور وہ ''علم'' جس کے بارے میں اسلام نے بات کی ہے یہی علم ہے، یہ وہ علم ہے کہ جو عالم نہیں بلکہ روشن فکر اور خود آگاہ افراد کو وجود میں لاتا ہے یہ حقائق وقواعد کی

ذہنی تصویر نہیں ہے، روشنی اور نور ہے، ظاہر کا نہیں باطن کا نور ہے "یہ وہ علم ہے کہ جو بہ تعبیر پیغمبر امیؐ، ایک ایسا نور ہے کہ جسے خدا، جس کے دل میں چاہے ڈالتا ہے"

"علم راہ" اور "علم ہدایت"، علم عرفات کو ہر کوئی سیکھ سکتا ہے، علم مشعر، وہ نور ہے کہ جسے خدا، جس کے دل میں چاہے ڈالتا ہے

خدا کا وہ پسندیدہ شخص کون ہے؟

وہ ہے کہ جو اپنی راہ میں نہیں، خدا کی راہ میں کوشاں ہوتا ہے اس کے لیے مجاہدہ کرتا ہے، جدوجہد کرتا ہے،" والذين جاهدو

العلم نور يقذ فه الله في قلب من يشاء

فينا لنهد ينهم سبلنا"!

علم راہ، ہدایت! خودآگاہی، دستگاری، نور نجات، شعور وہ مخصوص چیز جو ایک امی کو، ایک بدوی کو "قوم کا قائد" اور مشعلدار راہ بناتا ہے یہ علم پڑھنے لکھنے سے حاصل نہیں ہوتا، کاپی، کتاب اور کلاس اسے فروغ نہیں دیتے، کسی حوزہ یا کسی یونیورسٹی میں اسے پڑھایا نہیں جاتا۔ اس کی درس گاہ میدان جہاد اور اس کے طالب علم مجاہدان ملت اور متلاشیان راہ حق ہیں اس علم کے لیے چراغ اور چراغ کے دھوئیں کی ضرورت نہیں ہے، نفس خود روشنی اور نور ہے۔

اور تم اس کے ذریعے دیکھ سکتے ہو اور خوب اچھی طرح دیکھ سکتے ہو ہر چند کہ شب ہو، پر ہو وہ مشعر کی شب، مشعر الحرام کی شب!

اور اس بات کا کیا ڈر کہ رات ہے اور گھپ اندھیرا، کیا تم راہ میں نہیں ہو؟ انبوہ خلائق میں نہیں ہو؟ قافلہ کے ساتھ نہیں ہو؟ خلقت کی اس سفید نہر میں قطرہ بن کر

نہیں جارہے ہو کہ جو اپنی راہ پر جاری وساری ہے؟ اس لیے کہ فرمان الٰہی ہے کہ:

" افیضو من حیث افاض الناس"

وہیں سے جہاں سے کہ لوگوں نے جوش مارا اور جاری ہوئے تم بھی ابل پڑو اور روانہ ہو جاؤ۔ فیضان خلق میں، اور آگے بڑھتے ہوئے لوگوں کے ریلے میں تم بھی بہ نکلو۔

اور کتنا شور انگیز ہے!

سرزمین شعور میں رات کے وقت اسلحے کی جستجو!

اگر رات نہ ہوتی تو اسلحہ کیوں اکٹھا ہوتا!

صبح کا انتظار کیوں ہوتا؟

کل کا جہاد کیوں ہوتا؟

مشعر،

وقوف سوچ بچار کے لیے، ترتیب و تنظیم کے لیے، روح کی آمادگی کے لیے، اسلحہ جمع کرنے کے لیے، اس سرزمین پر لوگوں کو یکجا کرنے کے لیے کہ جس کی سرحد میدان نبرد سے ملی ہوئی ہے،

ایسے وقت میں کہ جو روز نبرد سے متصل ہے۔

اور یہ سب کچھ، شب کی اوٹ میں، ناپیدا کمین گاہ میں، منیٰ کی سرحد میں اور حکومت ظلم میں روبعمل آرہا ہے!

اسلحہ کا ذخیرہ، شب کی تاریکی میں، لیکن شعور کی روشنی کے ساتھ، شعور حرام، شناخت کے ذخیرہ کے ہمراہ، عرفات کے اجالے میں!

اور رات، شب انتظار، صبح کے انتظار میں! صبح اجالا، کامیابی اور عشق، منیٰ میں!

☆☆☆☆☆☆

سپاہ، جوش وخروش کے ساتھ مشعر میں پہنچتی ہے اور اس پتھریلے کوہستان میں ''جمرات'' کو جمع کرنے کے لیے ٹوٹ پڑتی ہے اور پھر،

خاموشی، سکون!

اور تامل!

اس صحرائے ''محشر'' ۔۔۔۔۔۔ نہیں، میرے خدا! ''مشعر'' میں! اب نہ کوئی خیمہ ہے، نہ نشان، نہ قافلہ، نہ دیوار و در و سقف، نہ کوئی عارضی سڑک، نہ چراغ، نہ جگہ کا تعین نہ حفاظت کا سامان، اس کوشش میں بے ہودہ اپنا وقت ضائع نہ کرو کہ کسی کو پہچانو یا اپنے قافلہ کو ڈھونڈو مشعر میں ہر کوئی اپنے ساتھ ہے! اور بس! رات ہے اور وہ ہے۔

آدمیوں، سواریوں اور قافلوں کا ایک محشر ہے جو تلے اوپر آ رہا ہے۔

محشر! '' یوم یفر المرء من اخیه وامنه وابیه....!''

''بے خودی'' سے اب تم ''خود'' میں آ گئے ہو، اور اپنی نفی میں اثبات کو پہنچے ہو۔

احرام میں تم نے خود کو اتار پھینکا، میقات میں خود کو انبوہ خلائق میں ڈال دیا، طواف میں خود کو گرداب کے سپرد کیا، سعی میں خود کو پا لیا، عرفات میں خود کو جلہ میں ڈال دیا اور اب اسے مشعر میں پھر واپس لے لو،

اس لیے کہ ''ایز ددر بیانات، وحد باز''!

اس انبوہ خلائق میں ہر کوئی تنہا ہے

اے ''خود'' کو پا لینے والے! ''خود'' بن جانے والے! اے ''اپنے ہو جانے والے (پرائے نہیں) کہ اب تم نے حقیقت کا رنگ پکڑا ہے! اے بلا جھوٹ کے'' میں''''

بے لباس، بے نمود، نہ اب کوئی آرائش، نہ رنگ، نہ نقاب، نہ امتیاز!

اے سراپا ''متن'' اے بے نقاب انسان، اے خالص ''تم''!

آج رات، اپنے دوست کے ساتھ مقام خلوت میں رہو!

جس ''خود'' ی کو تم چھپائے پھرتے تھے اس کا اعتراف کرو،

''خود کو آزاد کرنا، اپنی انانیت کا صراحت سے اعتراف کرنا'' جانتے ہو کہ کتنا شورانگیز اور مسرت آفرین ہے؟

اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تم حصار کو توڑ دو، پردہ کو اٹھا دو، اس چیز کو کہ جو تمام عمر تمہارے وجود کے ''سیاہ چال'' (بلیک ہول) یا سیل میں مقید تھی اسے رہا کر دو،

یہاں تم ہو اور صرف تم!

تم نے تنہائی میں ہجوم سے اتصال کیا اور اب انبوہ خلائق میں تنہائی کو پہنچ رہے ہو۔

کتنی گراں بہا ہے وہ فردیت جو تمہیں لوگوں کے ہجوم میں مل رہی ہے یہ وہ موتی ہے کہ جسے تم نے سمندر کی گہرائی میں غوطہ زن ہو کر حاصل کیا ہے۔ انبوہ خلائق کے شانہ بہ شانہ رہنا اور اپنے آپ کو تنہا کرنا! کتنا عظیم کام ہے!

کن مع الناس، ولا تکن معھم

یہاں ''مزدلفہ'' ہے: کساؤ اور فشار میں لانے والا، ایک دوسرے کو قریب کرنے والا!

ایک ایسی وادی کہ جس نے اپنی آغوش کو اور زیادہ تنگ کر دیا ہے اور یہ ان سپاہیوں کو اپنے اندر سختی سے بھینچتی ہے۔

لاکھوں انسان کسی ایسے صحرا میں بکھرے ہوئے نہیں کہ جو بے حد و حصر وسعت کا حامل ہو ہر کوئی، دوسرے سے دور ایک الگ مقام پر ہو، نہ کسی ایسے شہر میں ہیں کہ جہاں ہر طرف دیوار ہی دیوار ہو، ہر چند آدمیوں کی ٹولی دوسروں سے الگ کسی گھر کے حصار میں، کسی کمرے کے قفس میں، چھپی اپنے آپ سے وابستہ ہو!

بلکہ یہ سب ایک تنگ وادی میں ہیں جن کو اس وادی نے تنگی سے اپنے اندر سمیٹ لیا ہے اور یہ سب ساتھ ساتھ پہلو بہ پہلو ایک دوسرے میں سمٹے بیٹھے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود اس آسمان اور اس عالم کے ساتھ ہر کوئی اپنے آپ میں تنہا ہے!

گویا، تم اس پرہجوم حاکمیت مطلق میں، اور زیادہ تنہا ہو جاتے ہو!؟

کوئی کسی کا نہیں ہے، گھبراؤ نہیں رات نے تمہیں اپنی حریم عفت میں رکھا ہوا ہے۔

کوئی نگاہ تمہاری ''اصلیت'' کو نہیں پڑھتی، خود کو رات میں رہا کر دو!

میں کیا کہہ رہا ہوں۔۔۔؟ مشعر میں، صرف زمین، شب کے اندھیرے

میں پوشیدہ ہے، آسمان مشعر حریم سلطنت الٰہی ہے، اس خاموش نخلستان کی چاندنی میں جب تم اپنے خوں بھرے مضطرب قلب کی ہتھیلی کو اس کی خاموش غیبی بارش کے نیچے بلند کرتے ہو اور اپنی محصور و اسیر نگاہوں کو مستانہ وار پروانوں کی طرح اس ''سبز مزرعہ'' میں چھوڑ دیتے ہو تو اس بے درد صحرا کی غربت و اجنبیت کہ جس میں تم زندگی گزارنے پر مجبور ہو تمہیں اپنی فطرت کی گہرائی میں محسوس ہونے لگتی ہے اور تم خدا کی آواز کو سنتے ہو اور عالم خاک کے اس عظیم قیدی، انسانوں کے اس برحق امام کے درد آلود نالے تمہارے کانوں میں گونجنے لگتے ہیں کہ جو ''زندگی کے پلید شہر'' اور ''زمین کے خالی ازفریاد صحرا'' کے سینے میں اپنا سر کنوئیں میں ڈال کر رو رہا ہے۔

مشعر کی شب ایک مرموز اور ماورائی شان و شوکت کے ساتھ طلوع ہو رہی ہے اور اس کے مقابل، ہستی، اپنے ہونٹوں پر مہر خاموشی لگا کر سکوت اختیار کر رہی ہے۔

اچانک ایک چڑھ آنے والا سیلاب مشعر کے درہ سے اپنے آپ کو ٹکراتا ہے اور زور و شور کے ساتھ درہ کے راستے پر دوڑنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ مشعر کی تنگ آغوش میں اور اطراف کے پہاڑوں اور ٹیلوں کے دامن پر بیٹھنے لگتا ہے اور مشعر پھر اپنی ماورائی چھت کے نیچے دوبارہ سکونت اختیار کرتا ہے۔

مشعر کی رات کا آغاز ہو چکا ہے۔ مشعر میں چراغ نہیں ہے، رات، چاند کی روشنی اور ان ستاروں کے موٹے اور تابناک قطروں کی بارش سے روشن ہے کہ جو مصابیح آسمان یا آسمان کی قندیلیں ہیں۔

مشعر کی رات کو، اس ''خوبصورت آسمانی موجود'' کو کہ جسے شہر والے اور زندگی کے مارے لوگ ۔۔۔۔۔۔۔ وہ لوگ کہ جنہوں نے مٹی میں منہ ڈال رکھا ہے اور لقمہ کو خاک میں ڈھونڈتے ہیں نہیں پہچان سکتے۔ جس شب کو وہ پہچانتے ہیں، دوسری ہے، شب مشعر تعریف سے باہر ہے!

شب مشعر، جنت کی خیال پرور اور دل انگیز راتوں کا ایک سایہ ہے اس کی چاندنی ٹھنڈی، نکھری اور پرکشش ہے اور خدائے مہربان کی مسکراہٹ ہے اور اسی کے چہرے میں یہ بات ہے کہ تمہارا دل ''ماہ ومہتاب پر خدا کی قسم'' کی گواہی دیتا ہے۔

آلودہ غبار آبادیوں، دھوئیں سے اٹے شہروں اور سانسوں کے بھپکوں سے ڈھلی ہوئی چاندنی، مرطوب، میلی اور غمناک ہے اور اس کے ستارے بھی زرد اور بیمار ہیں!

ذی الحجہ کی دسویں رات ہے اور توحید کے عظیم سپاہی، یہ عبادت گزار مجاہد، مسلح ''عارفان حق'' ۔۔۔۔ اس کوہستانی اردوگاہ میں ستا رہے ہیں اور اپنے عاشقانہ غور وفکر کے جذبہ میں ڈوب کر مشعر کے آسمان کو تک رہے ہیں اور بڑی سرگرمی سے اس معلق سبز دریا کا تماشا کر رہے ہیں کہ جس پر ستاروں کے الماس، پر والے پرندے ایک ایک کر کے غیب سے ابھر رہے ہیں اور زمین شب کی سیاہ چھت پر دوسری دنیا کی سمت روشندان کھول رہے ہیں۔

چاند بھی اپنی پرشکوہ چمک کے ساتھ ۔۔۔ کہ جو شفقت وعنایت کی صرف ایک ہلکی سی مسکراہٹ ہے کہ جس سے فطرت، زمین کے پھٹکارے ہوئے لوگوں

کے چہروں کو نوازتی ہے۔۔۔پہاڑ کی اونچی چوٹی سے مشعر کے درے پر گرتا ہے اور الماس کے پھول کھلاتا ہے، اور ''پروین'' کی خوبصورت قندیل کو ایک دکھائی نہ دینے والا فرشتہ آسمان کے ایک گوشے سے لا کر مشعر کی چھت پر آویزاں کرتا ہے اور پھر وہ روشن اور پر اسرار سڑک کہ جو گویا سیدھی ابدیت سے جا ملتی ہے کہکشاں بن جاتی ہے، ''علیؑ کی شاہراہ''! ''مکہ کا راستہ''!

یعنی کیا؟ وہ راستہ کہ جس سے ''علیؑ'' ''مکہ'' جاتے ہیں؟!

کتنے مفاہیم ہیں ان عام تعبیروں میں کہ جن پر علماء۔۔۔۔۔وہ علماء جو عرفات میں رہ گئے ہیں۔۔۔۔۔ہنستے ہیں! اور کتنی ''حقیقتیں'' ہیں ان ''اساطیر'' میں کہ جو ''تاریخ'' سے زیادہ عمیق اور زیادہ شاداب ہیں مگر ان کا جرم صرف یہ ہے کہ انہوں نے ''واقعیت'' کو نہیں پایا ہے۔۔۔! اور مورخین۔۔۔۔۔کہ جو صرف واقعات کو جانتے ہیں۔۔۔۔۔نہیں جانتے کہ انہوں نے کن حقیقتوں کو چھوڑ دیا ہے اور وہ کتنے بے مغز خرافات، بدنما گندگیوں اور ناپسندیدہ غلط باتوں میں مصروف عمل ہیں اور عمر اور علم دونوں کو تباہ کر رہے ہیں جن چیزوں کو انہوں نے لکھا ہے ان کی فضیلت صرف یہ ہے کہ وہ چیزیں ''رونما ہوئی ہیں''! یا پھر ان کا ''ظاہری جسم ہے''

یہی وجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ''پرومتہ'' جھوٹ ہے، اور سلطان محمود کا داڑھی مونچھ والا معشوق۔۔۔''ایاز''، سچ!

مشعر کے آسمان کو دیکھو،

اور نور کے ان تیروں کو بھی جو گاہ بگاہ شب کی سیاہ روح میں اتر جاتے ہیں

آسمان کے پاکیزہ حرم میں ملکوت الٰہی کے نگہبان فرشتوں کا تیر! کہ جب کبھی پلیدی پھیلانے والے دیو ظلمت کی آڑ میں رات کے کسی گوشے کو چیر کر وہاں اتر جائیں کہ ''جس کی بلند و متعال قداست'' کو کسی پلید کے قدم آلودہ نہیں کر سکتے اور جس کے شکوہ و زیبائی کے حرم خلوت میں کسی نامحرم کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں تو پردہ داران ''حرم ستر عفاف ملکوت'' ان کو ان آگ برسانے والے شہابوں سے مارتے ہیں اور خاک کے ریگستانوں کی طرف بھگا دیتے ہیں تاکہ وہ اس راز کو نہ پائیں اور نہ سمجھیں کہ جس کو بلند و بالا عصمت نہیں چاہتی کہ وہ پلید ذہنوں کے کاسہ فہم میں اترے۔

اور تم! اے انبوہ خلائق کے پہلو بہ پہلو قرار پانے والے، اے ہجوم میں گم ہو جانے والے اور اس کے باوجود ''اپنی ذات کی خلوت میں خدا سے متصل رہنے والے''!

اے ''مسلح عارف''، آج رات کے شب مشعر کے پارسا، اور آنے والے کل میں روز منیٰ کے شیر، آج رات جب تم ان سپاہیوں میں ہو کہ جو صبح جہاد کا انتظار کر رہے ہیں اور خود آگاہی کی منزل گاہ میں کیمپ لگائے ہوئے ہیں، تمہارے پاس کیا ہے؟ موت کا لباس تن پر اور جنگ کا اسلحہ ہاتھ میں، اور بس!

اپنے اسلحہ کو آج تک اپنا تکیہ بناؤ اور اپنے سر کے نیچے رکھ کر خدا کے ساتھ تنہائی اختیار کرو، اس آزاد اور پاکیزہ تنہائی میں تم ہو گے اور وہ، تمہارا اسلحہ ہو گا اور تمہارا ایمان، اور بس!

کچھ گھڑی مشعر کے ستاروں کے روزن سے بام آفرینش پر پہنچو، فضائے

ملکوت میں پرواز کرو، اپنے وجود کے تنگ حصار اور زندگی کے عالم پست سے اپنے آپ کو آزاد کرو،

اے محمدؐ کے پیروکار! ''اسرائی'' بنو اور کسی ''معراج'' تک پہنچو۔ عشق کو اپنی فطرت کے آتش دان میں روشن کرو، ان کمزوریوں، دغدغوں، بخالتوں اور شکایتوں کو جلا دو کہ جنہیں زندگی نے تمہارے اندر انڈیل دیا ہے کل کے لیے، آج رات اپنے آپ کو سنوارو، سدھارو، آمادہ کرو۔۔۔! اے ''بندہ آزاد''! ''مجاہد عاشق''، ''انصاف پسند''، ''خدا پرست''! منیٰ کے محاذ پر خناس انتظار میں کھڑا ہے، ابلیس، ایمان کی سرزمین پر چھائے ہوئے ہیں،

کل کے لیے، آج رات اپنے آپ کو سنوارو، سدھارو، آمد سحر پر ہولناک جنگ کا سامنا ہے ''شعور اور اسلحے'' کے گھر میں اپنی مٹھی کے اندر ''خود آگاہی'' کے کارتوس بھرو اور ''دعا'' کے ذریعے دل میں عشق کی جوت جگاؤ۔۔۔۔!

تم پوچھتے ہو کہ یہاں کون سی ''چیز'' ہے کہ جس کی زیارت کے لیے ہمیں یہاں آنا پڑ رہا ہے؟ کس عمل کو انجام دینے کے لیے ہم یہاں آئے ہیں۔۔۔؟

کوئی چیز نہیں! کچھ نہیں! صرف آزادی، انسانوں کے اس گہرے سمندر میں غوطہ زن ہونے کے لیے!

جس طرح چاہو تم اپنی یہ رات گزار سکتے ہو، حتیٰ مرضی ہو تو سو بھی سکتے ہو۔۔۔!

لیکن اس طرح ''چاہو'' کہ دھیان میں یہ بات رہے کہ تم مشعر میں ہو!

یہاں نیز دیکھنے والی کوئی چیز نہیں ہے، ''کوشش کرو کہ عظمت تمہاری نگاہوں

میں رہے"!

اور اس مقام پر کوئی تکلیف بھی تم پر عائد نہیں ہے، اس لیے کہ جو کچھ ہے اس سے کہیں بلندتر ہے کہ جو تکلیف کے قالب میں سما سکے، اور وہ ہے:

تامل، غور وفکر!

لاکھوں بے نام ونشان انسانوں کا ایک ہجوم ہے کہ جو پشت زمین پر اس وقت جب کہ رات نے ہر طرف اپنے خیمے گاڑ دیے ستاروں سے بھرے آسمان کا تماشا کر رہا ہے!

اپنی ساری پیاس کو آسمان مشعر کے نیچے قرار دو تا کہ وحی کی غیبی بارشیں تمہیں سیراب کریں۔ مشعر کا سکوت اس غوغائے قیامت میں ایک محشر بپا کر رہا ہے! تم اس سکوت اور اس خاموشی کی آواز کو بخوبی سن رہے ہو۔

اس فضا میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ جو تمہارے فہم میں خدا کے لیے جگہ کو تنگ کرے، پوری فضا خدا سے لبریز ہے۔

تم اس کی خوشبو کو پھول کی خوشبو کی طرح بہت صاف اور سادگی سے سونگھتے ہو،

اس کے حضور کو اپنی روح کی گہرائی میں، اپنی ہڈیوں کے گودے میں، اپنی آنکھ سے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے ہو۔۔۔ جانے کیا کہہ رہا ہوں۔۔۔؟ اپنے جسم پر لمس کرتے ہو، عشق کی طرح، دست شفقت کی طرح۔

مشعر، اسلام کے چہرے کا حامل ہے، علیؑ کی شبیہ ہے: دل "عشق" سے موجزن، اور ہاتھ تلوار کے قبضے پر، مشعر میں مسلمان ہونے کی تمرین کی جاتی ہے:

''شب کے پارسا، دن کے شیر''!

مشعر کی شب کو اپنی نسبت غور و فکر میں سحر کرنا، اپنی تلاش میں، مشعر کے آسمان میں روح کی معراج سے پرواز کرنا، خدا کی جستجو میں، اور مشعر کی زمین کا آمادگی جہاد میں آماجگاہ بننا، بڑا عجیب منظر ہے، عرفات سے پہنچنے والا مہاجروں کا موجیں مارتا ہوا سیلاب، سپاہیوں کی طرح پہاڑوں کے دامن میں پھیل جاتا ہے یہ لوگ تیزی سے اپنی

سواریوں سے اترتے ہیں اور تیزی ہی سے اسلحہ کی تلاش میں پہاڑوں پر چڑھ جاتے ہیں۔

یہ سب توحید کے سپاہی ہیں، ان میں سلسلہ مراتب نہیں، ہے، مگر افراد کی نسبت سے نہیں، خدا کی نسبت سے ہے۔

درجہ نہیں، ہے، مگر نام ونشان پر نہیں فطرت پر، ''خود میں، اپنی نسبت سے، '' آج کا خود''، ''گزرے ہوئے کل کا خود'' اور تمہارے'' ہر لمحہ کا خود

سپاہ توحید ہے

ابراہیمؑ حکم دے رہے ہیں!

اسلحہ اکٹھا کرنے کے لیے تلاش، شب میں، کوہستان میں، سب ایک دوسرے کے ساتھ، ایک ہی وقت میں، ایک ہی ساتھ اور ہر کوئی خود اپنا ذمہ دار!

اس کے بعد کی منزل منیٰ ہے، جائے نبرد دوسرے دن روز قربان ہے اور روقت نبرد

جنگ کل شروع ہو گی

پس، آج رات مسلح ہونا ہو گا

لڑائی دن کی روشنی میں ہو گی

لیکن رات کی تاریکی میں ہمیں اسلحہ جمع کرنا ہو گا!

بڑا عجیب منظر ہے! یہ ایک عظیم رات ہے، عظیم سے بھی عظیم تر، زمانہ ایک ایسی رات کو نہیں سمجھتا، مگر نہیں، خوب سمجھتا ہے۔

انسانوں کا سمندر طوفانی کیفیت میں پر جوش انداز کے ساتھ ذہن میں جنگ کا تصور باندھے اسلحہ اکٹھا کر رہا ہے لاکھوں مختلف شکل وصورت کے مرموز اشباح، سب ایک دوسرے کے ساتھ بھائی بہن، ہم فکر، ہم رزم، ہر کوئی ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتا ہے، پہچانتا ہے، مگر اس کے باوجود بھی نہ بھائی، نہ بہن، نہ شوہر نہ بیوی، نہ ماں، نہ باپ، نہ دوست نہ دشمن کوئی کسی کو نہیں جانتا، کوئی کسی کی طرف نہیں دیکھتا، ہر کوئی اپنے کام کی دھن میں ہے، مشعر کی تاریکی میں خاک پر جھکا ہوا پتھر تلاش کر رہا ہے، ''جمرہ'' کی جستجو میں ہے تا کہ وہ منیٰ کے میدان میں ''رمی'' کرے۔

''جمرہ''! سنگریزہ، مگر ہر سنگریزہ نہیں، دیکھ بھال لو! تاریکی ہے اور ملنا دشوار، لیکن ڈھونڈنا لازم ہے اور اس کا، مطابق قانون ہونا ضروری ہے، اچھی طرح سنجیدگی سے دیکھو۔ اس کا ایک معیار ہے، ایک دستور ہے، سب کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوانین کی مو بہ مو پابندی کریں، ڈسپلین، وحدت، نظم، ہم آہنگی، اطاعت، امر، ذمہ داری۔۔۔۔

صورت حال بڑی سنجیدہ ہے،

ہر وہ جمرہ جسے تم اٹھاتے ہو تمہارا اسلحہ ہے، دشمن کے ساتھ تمہاری جنگ کا اسلحہ،

قانون وضع ہوا ہے، دستور دیا گیا ہے:

بتایا گیا ہے کہ تمہیں کس طرح کے "جمرات" کو اکٹھا کرنا ہے

صاف، چمکدار، گول، اخروٹ سے چھوٹا، پستہ سے بڑا۔۔۔۔

یعنی کیا۔۔۔۔؟ یعنی گولی!

ہر چیز کو قاعدہ میں لایا گیا ہے، بڑی سنجیدگی سے پیش بینی عمل میں آئی ہے کل کے دن ابراہیمؑ کے کیمپ کا ہر سپاہی، منیٰ میں ستر گولیاں دشمن کے حساس مقامات پر مارے گا:

سر پر، سینے پر، دماغ پر اور دل پر۔۔۔۔۔۔!

وہ گولی جو ماری جائے اور نشانہ پر نہ لگے یا دشمن کے پیر، پیٹ یا حساس مقام کو ضرب نہ پہنچائے وہ حساب میں نہیں آتی تمہیں خود ازقبل اندازہ کرنا ہوگا کہ اگر تمہارا نشانہ درست نہیں ہے تو زیادہ اٹھاؤ اپنی مہارت کی کمی کو، زیادہ قوت کے تدارک سے پورا کرو، بہر صورت محاذ پر تمہیں کمی کا سامنا نہیں ہونا چاہئے۔ اگر تم نے ایک گولی بھی کم ماری تو تم سپاہی نہیں ہو، تم نے جنگ میں شرکت کی ہی نہیں، تم حج میں شریک ہوئے ہی نہیں۔

یہاں گفتگو ایک فوجی ڈسپلین سے ہے۔

یہ بات بھی نہ بھولو کہ تمہیں منیٰ میں تین دن رہنا ہے، تین دن "وقوف" کرنا

ہے۔ دسویں، گیارھویں اور بارھویں دن پہلے دن ایک ''حملہ'' ہے آخری مثالی پیکر یا مجسمہ یا بت پر، سات گولیوں کے ساتھ۔

جو کچھ تم مارتے ہو اس کا حساب نہیں ہے، جو نشانہ پر لگتی ہے اس کا حساب ہے، یہ اعمال، فوجی اعمال ہیں یہاں واقعیت معیار ہے اور عمل، اس کے لیے خارجی اثر اور عینی نتیجہ درکار ہے۔

یہ سر زمین عمل ہے، کوئی خانقاہ نہیں، یہاں میدان، میدان عمل ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

یہاں کے تمام دستور محکم، قطعی، اجتناب ناپذیر اور دو اور دو چار کے ہیں۔ صوفیانہ، فلسفیانہ اور زاہدانہ توجیہ و تاویل کی یہاں گنجائش نہیں اور نہ ہی دعا، توسل، شفاعت، نالہ و استغاثہ، نذر و نیاز، مذہبی رشوت، شرعی ٹوپی، فقہی فریب، یاری، دوستی اور قرابتی ہتھکنڈوں، فلسفیانہ خیال پردازیوں اور صوفیانہ لاابالی پن سے کوئی کام بنتا ہے، یہ اطاعت محض اور عمل واثر کی جگہ ہے۔ یہاں احکام پر مو بہ مو عمل کرنا ہے۔ اطاعت، یہاں، بے چون و چرا ہے۔ بھاگنے کی کوئی راہ نہیں، یہاں تمہارے قصور اور تمہاری تقصیر کو کوئی معاف نہیں کرتا، معاف نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ان کوہستانوں میں کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ ابراہیمؑ اور محمدؐ سے بھی اگر ایک گولی غلط یا کم لگے گی تو وہ بھی مسئول ہوں گے اور ان کا بھی حج نہیں ہوگا۔

اگر تم نے غلطی کی تو جرمانہ بھرنا ہوگا اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ''شرعی ٹوپی'' بننے والوں کے سر یہاں بے کلاہ ہیں۔

پہلے دن: ایک حملہ، سات گولیوں کے ساتھ۔

دوسرے اور تیسرے دن، ہر روز تین حملے، اور ہر حملے میں پھر ''سات گولیاں''

یہاں تک 49 گولیاں،

چوتھے دن تم کو اختیار ہے، چاہے منیٰ سے جاؤ، چاہے رہو، لیکن اگر تم رہے تو پھر تمہیں دو دن پہلے کی طرح تینوں محاذوں پر لڑنا ہوگا۔ منیٰ میں کوئی دن نہ آرام سے گزارا جا سکتا ہے اور نہ جنگ سے صرف نظر کیا جا سکتا ہے اس صورت میں گولیوں کی تعداد ستر ہو جائے گی۔

اسلحے کے تدارک اور فریضہ جہاد سے فراغت کے بعد تمہارا فوجی جذبہ ختم ہو جائے گا اور جنگ، فولاد، گولی، ڈسپلین، طبیعت کی سختی، سپاہیانہ خشک انداز فکر اور قانون کی بے چون و چرا تعمیل کی بات اچانک عرفانی جذبہ میں بدل جائے گی اور صلح کا سکون، دل کی صفا، عاشقانہ انداز فکر اور روح کی معراج سامنے آئے گی۔

شیر کی دھاڑ اچانک درد کے نالوں میں بدل جائے گی اور گولیوں کے شور کی جگہ وہ خاموش جملے لیں گے کہ جو عمق شب میں آسمان کی مجذوب آنکھوں سے روشنی برساتے اور خدا سے گفتگو کرتے ہیں!

ایک عجیب منظر ہے!

یہ کوئی میکانکی معاشرہ نہیں، ایک ''انقلابی امت'' ہے اہل علم، اہل عمل، اہل سیاست، اہل دنیا اور اہل دین۔۔۔ مصنوعی سرحدی بندشیں ہیں مصنوعی اور ناقص لوگوں کے لیے، امت، ایک اجتماعی معاشرہ ہے، ایسا معاشرہ نہیں کہ جو سختی اور طبقاتی مراتب کے سلسلے پر قائم ہو۔ یہ ایک ایسا معاشرہ ہے کہ جو راہ میں ہے، وہ

قافلہ ہے کہ جو سفر میں ہے، سب کا خدا ایک، سب کی راہ ایک، سب کا قبیلہ ایک اور سب ایک ہی قبیلے کے ہیں، ایک ہی دادا کے بیٹے اور ایک ہی خدا کے بندے ہیں۔

اس کا روشن خیال آدمی لڑتا ہے، اس کا مبارز، اللہ کے سامنے سر جھکاتا ہے اور اس کا عابد، سوچ بچار کرتا ہے۔

اور اب اس میدان میں کہ جس میں اس امت کو دکھایا جا رہا ہے، مسلح مجاہدوں نے عبادت گزار عارفوں کا رنگ اختیار کر لیا ہے، جس طرح کہ اس سے پہلے وہ۔۔۔۔۔عرفات میں۔۔۔۔آگاہ روشن خیال چہروں کے حامل تھے۔

مشعر کی رات گواہ ہے کہ اچانک مشعر ہول انگیز سپاہیوں کے جوش وخروش میں چھپ گیا اور یہ سب لوگ ایک اسرار آمیز شب کی پناہ اور کل کے محاذ کی سرحد میں ایک بڑے لائحہ عمل کی تلاش میں اور پھر ایک بار وہ ایک ایسے پرسکون اور صاف و شفاف دریا کی طرح ہو گئے کہ جو ستاروں کی بارش اور چاند کی روشنی تلے، شب کے ہمراہ خاموش اور پرسکون ہو کر رحمت خدا اور خوبصورتی کے فرشتوں کی مہبط ہو گئی ہو اور حیرت نے اس طرح اسے ساکت کر دیا ہو کہ جیسے کوئی پرندہ اس کے سر پر آ بیٹھا ہو۔ ایک ایسا سکوت کہ جس میں محبوب کے اشکوں کی ''صدائے پا'' کو سنا جا سکتا ہو اور سوائے عشاق کے دلوں کی دھڑکن کے۔۔۔۔۔کہ جن میں ہر کسی کی ایک حکایت ہے۔۔۔۔مشعر کے لطیف سکوت کو اور کوئی نہیں توڑ سکتا!

مشعر، دنیا میں ان سپاہیوں کی واحد کوہستانی اردوگاہ کہ جس کا ہر سپاہی کمانڈر ہے غفلت کی جگالی اور غرور کی بدمستیوں کے بجائے، شب جنگ میں۔۔۔جس

میں کہ کل کی کامیابی کو ابھی سے شب عید کہا جاتا ہے ترنم عشق، فروتنی خشوع، بارگاہ احدیت میں اپنی سرنوشت اور اپنے بے قرار شوق و جذبوں کے مقابل حیرت آمیز خاموشی، باران وحی کے نیچے اپنے دل کی عطش کے التہاب، جی سے گزرنے ۔۔۔ پارسائی میں ۔۔۔۔ ''خود'' کی تطہیر اور ۔۔۔۔ بذریعہ دعا ۔۔۔ روح کی قوت وغذا کے حصول کی ضرورت ہے، تا کہ کل کے محاذ پر وہ، ''یوسفؑ کے فراق میں یعقوبؑ کی طرح، موت کے لیے بے چینی کرے'' اور جنگ میں اپنی لیاقت کے عوض، اپنے عظیم اور اعلیٰ کمانڈر کے ہاتھ سے ۔۔۔۔ کہ جس کے ہاتھ میں ہم سب کی زندگیاں ہیں ۔۔۔ ''شہادت'' کا بلند درجہ حاصل کرے۔

تعجب ہے! مشعر! لب پر دعا! ہاتھ میں اسلحہ، اور صبح نبرد کا انتظار!

صبح قریب آرہی ہے۔

نسیم سحر نے ایک عجیب اسرار آمیز جوش و ولولہ کو اردوگاہ میں برپا کر دیا ہے۔

اچانک، صبح کی اذان کی آوازیں ہر سمت سے بلند ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ سر جوڑتی ہیں اور دور، دور کے علاقے ان کے زیر نگیں آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا از ہمہ سو ساحل ہستی سے ٹکرا کر پھر مشعر واپس پہنچ رہی ہیں۔

لاکھوں ''قامت'' ابہام سحر میں، رکوع و سجود سے ٹوٹ جاتے ہیں، جھک جاتے ہیں۔

نسیم اذاں، توحید کی اس سفید کھیتی پر کہ جس کی شان و شوکت کو کوئی سائبان اور کوئی چھت نہیں توڑ سکتی، چھا جاتی ہے اور اپنی نرم اور لطیف موجوں کو اس پر دوڑاتی

ہے۔

اوراب فجر کی نماز، ہمیشہ ادا کی جانے والی نماز،

لیکن یہاں، پھر کبھی ادا نہ ہونے والی نماز ہے!

اذانوں کی آوازیں تھم جاتی ہیں اور مشعر کچھ دیر کے لیے سو جاتا ہے۔

رات عرفات سے چوکڑی بھرتی ہوئی پہاڑوں کی بلندی سے نیچے آتی ہے اور مشعر کے سوئے ہوئے لوگوں کے سر سے گزر کر منیٰ کی وادی میں اترتی ہے اور پھر بھاگ جاتی ہے اور صبح کا اجالا اس کا تعاقب کرتا ہے!

☆☆☆☆☆☆

منیٰ

طویل ترین وقوف، آخری وقوف اور آخری منزل!

یعنی: خواہش، ارمان، منتہائے آرزو وغیرہ، منیٰ، منیہ، امانی، تمنا، عشق!

آخری مرحلہ، شناخت وشعور کے مرحلہ کے بعد!

وہ چیز کہ جسے "دینتے" بلند ترین اوج آگاہی کی تقلید میں دو مرحلوں سے گزارتا ہے، عرفان شرق اور حکمت اشراق:

عقل (ورژل) اور عشق (بئاٹرس)!

"الٰہی کامیڈی" میں

لیکن حج میں۔۔۔۔۔اس "اعلیٰ ترین الٰہی تمثیل" میں، اس کے تین مرحلے ہیں:

شناخت، شعور حرام اور عشق

اب ایک بڑے کام کا آغاز ہو رہا ہے حج، اپنی بلندی سے قریب ہو رہا ہے۔

آج دسویں ذی الحجہ ہے، عید کا دن، قربانی کا دن!

صبح، مشعر کی وادی میں اترتی ہے اور مسلمانوں کو روشنی کے بلاوے پر اٹھاتی ہے۔

وادی کی گزرگاہ، پہاڑوں کی کمرگاہ، مختلف شگافوں اور مختلف راستوں سے قطار در قطار مجاہدوں کی بڑی، چھوٹی نہریں آہستہ آہستہ آگے کی طرف بڑھتی ہیں، ایک دوسرے سے ملتی ہیں اور ایک بڑی نہر وجود میں لاتی ہیں، وادی تنگ سے تنگ تر ہوتی چلی جاتی ہے اور نہر بھرتی اور طاقت ور تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

وقوف، مشعر میں اختتام کو پہنچتا ہے اور پھر ہنگام کوچ ہے۔ ایک منزل سے دل اٹھانا، اور دوسری منزل کا رخ کرنا۔

توحید کے سفید پوش سپاہیوں نے راہ سفر اختیار کرلیا ہے رات انہوں نے اسلحہ جمع کرنے خدا سے گفتگو کرنے اور انتظار صبح نبرد میں گزاری! مشعر کے "پارسا" اور اب منیٰ کے "شیر"!

سر میں شور جنوں، دل میں شرارہ سوزاں، سراپا قہر، دولت عشق سے مالا مال "اشداء علی الکفار" اور " رحماء بینھم " عام منیٰ ہیں

خدا اور ابلیس کی سرزمین!

مشعر، حرکت میں آگیا ہے اور مغرب کی سمت آگے بڑھ رہا ہے، پر شکوہ ترین منزل اس کے سامنے ہے، صبح عید کی مسکراہٹ نے ہر ایک کو بے قرار کر دیا ہے۔

سپاہی، محاذ کی بلندی پر واقع ایک دشوار گزار تنگ گھاٹی ''محسر'' میں پہنچتے ہیں '' حملے'' کا حکم پہنچنے والا ہے،'' دوڑو! تیز اور چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھو!''

سیلاب اور زیادہ سمٹ جاتا ہے اور اس میں اور زیادہ بے تابی آتی ہے محاذ قریب ہے اور وادی سنگلاخ اور سخت، گزرگاہ تنگ، اور تیزی سے آگے بڑھنے کا حکم! سپاہی کہ جن کے پاس ابھی تک رات کے وقوف کا آرام اور باطنی تامل محفوظ ہے تیزی کے ساتھ، ہوشیاری اور ہجوم کی کیفیت میں آتے ہیں اور جوش جنوں کے ساتھ منیٰ کا رخ کرتے ہیں۔

اچانک یہ پرہجوم موجیں مارتی ہوئی نہر ایک بڑے اور نا قابل تسخیر بند سے ٹکراتی ہے!

پیچھے سرکتی ہے، اور پھر بے موقع رک جاتی ہے اور ایک گام بھی آگے نہیں بڑھ سکتی، صرف سپاہیوں کے آخری سرے پر ایک ہلکی سی حرکت دیکھنے میں آتی ہے۔۔۔۔!

کیا ہوا۔۔۔۔۔؟

دنیا میں کس رکاوٹ کو یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ اس طرح کی موجیں مارنے والی نہر کو ایسے مقام پر اچانک اپنی جگہ ٹھنڈا کر دے؟

کس حکم میں یہ دم ہے کہ وہ اتنی قاطعیت اور اتنی طاقت سے اس طوفان کو روکے؟

کس نے رکنے کا حکم دیا۔۔۔؟

طلوع ۔۔۔۔۔!

وہی ہے کہ جو حملے کا حکم دیتا ہے

سپاہی مٹی کی سرحد پر پہنچ گئے ہیں۔

اس بے نظم و بے ترتیب طویل قطار کے حامل ہجوم کو کہ جو لاکھوں آزاد اور جنگجو رضا کار سپاہیوں کے سمٹے ہوئے اژدھام سے وجود میں آیا ہے اور جو دنیا کی کسی بھی طاقت سے ڈکٹیشن نہیں لیتا، ایک ''تیغ قاطع'' سے کاٹ دیا گیا، سب کے سب ایک فرضی خط پر ایک ''ضابطہ والی لکیر'' پر سرتا سر کھڑے ہو گئے۔ اس پر جوش و پرخروش مضطرب گروہ میں سے کسی کو یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ ایک قدم بھی آگے رکھے،

ایک نامرئی دیوار مشعر کو منیٰ سے جدا کرتی ہے اس فولادی دیوار کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی، حتیٰ کہ ابراہیمؑ اور محمدؐ بھی، کیونکہ یہ کوئی ''معاہدہ'' نہیں کوئی ''قانون'' نہیں جسے توڑا جا سکے، ایک روش ہے ایک فطری طرز عمل ہے اس کو اس نے جاری کیا ہے کہ جس نے علم کو جاری کیا ہے، جس نے فطرت کے قواعد کو منظم کیا ہے، جس نے پوری کائنات پر مسلط نظام کی بنیاد رکھی ہے۔

''اور تم اس کی سنت میں کوئی تبدیلی کوئی تغیر نہیں پاؤ گے''!

جیسے: ''کشش ثقل''، حیات و موت کا عمل، سورج کا ایک متعین خط پر آنا اور جانا وغیرہ

اور یہاں صرف ''صبح'' ہے کہ جو حکم فرمائی کرتی ہے اس کی لطیف انگلیوں کے سرے اس بات پر قادر ہیں کہ وہ اس نا قابل تسخیر بند کو اچانک اس چڑھ آنے

والے سیلاب کے پیروں کے سامنے سے ہٹالے

رکو، صبح کو آنے دو

جس طرح سایہ، نور کی مسکراہٹ سے دوڑ جاتا ہے اسی طرح یہ نا قابل تسخیر دیوار بھی کہ جس نے اس ہجوم کے طاقتور سیلاب کو اس طرح اپنی جگہ گاڑ دیا ہے ایک ''مسکراہٹ'' میں محو ہو جائے گی۔

ایک نظام سے وابستہ خط کی نامرئی دیوار کے پیچھے، مسلح حملہ آور، بے چینی سے اس انتظار میں کھڑے ہیں کہ آفتاب اپنا حکم جاری کرے۔

طلوع آفتاب کے ہراول دستے نے شب کی تاریکی کو ہر جگہ سے بھگا دیا ہے، لیکن افق مشرق کی بلندی تک پہنچنے کے لیے ابھی کچھ لمحے باقی ہیں۔

زمین کے کسی نقطہ پر، زمانے کے کسی حصہ میں، دنیا کی کسی امت پر صبح کی اس طرح حکمرانی نہیں ہے۔

یہ سودائی لوگ کہ جو جنگ اور عشق کے لیے بے قرار ہیں۔۔۔۔۔۔، دروازہ منیٰ کی پشت پر سورج کے انتظار میں کھڑے ہیں جو دروازہ طلوع کی پشت تک آ گیا ہے۔

لاکھوں آنکھیں اور لاکھوں دل، ایک التہابی سکوت میں روشنی یا نور کے حکم کے منتظر ہیں بعض افراد تو اپنی بے تابی اور میلان کی شدت کے سبب اعلان سے پہلے ہی اسے سن لیتے ہیں!

کیوں۔۔۔۔۔۔؟

حکم ہے، یہ فوج کہ جو زمین پر توحید کی پوری قوت ہے دنیا کی وہ واحد فوج ہے

کہ جو سورج سے حکم لیتی ہے

یہ وہ تنہا امت ہے کہ جس نے صبح کی حکومت کو تسلیم کیا ہے۔

صبح، عرفات سے سر اٹھاتی ہے اور پس کوہ ''سانس لینے لگتی ہے''، شفق کی سرخی'' غاسق واقب'' یا چھا جانے والی تاریکی شب کے سیاہ خیمے کو گریبان تک چاک کر دیتی ہے اور شہیدان جور، اور شرک کی بھینٹ چڑھنے والوں کے لہو کو ''عید قربان'' کے چہرے پر بکھیر کر توحید کی فوج کو کہ جو تاریخ کے تین طاغوتوں کے کیمپوں پر آمادہ یورش ہیں انتقام اور جوابی کارروائی کے لیے بلاتی ہے۔ یہ لمحے بڑے پر شکوہ اور شور انگیز لمحے ہیں۔ سورج اور اس کی چمک، شفق اور اس کی دو نیم کرنے والی سرخ تلوار، اور صبح اور اس کی سانسوں کی گرمی ۔۔۔۔۔ نے سب کو بے تاب کر دیا ہے۔ ''اللہ کی یہ مقدس آیتیں'' آج، نوید و نوازش بھرے ست و دامن، امید و ایمان، حکم جنگ اور فتح کی خوشخبری کے ساتھ آ رہی ہیں تا کہ بت شکنوں کے حملے کا حکم صادر کریں۔

آج، زمین پر ابلیس کے سب سے بڑے اڈے کو تباہ کیا جائے گا،

آج شرک تہس نہس ہو جائے گا،

آج توحید، عشق اور ایثار اپنے پر شان و شوکت ترین چہرے کے ساتھ رونما ہوں گے۔

اچانک نور کا سیلاب وادی میں گرتا ہے اور سورج پہاڑی کی بلندی سے سر اٹھا کر اذن عبور دیتا ہے!

مسرتوں کا غل، سورج کی نہر اور انسانوں کا سیلاب تینوں ایک دوسرے سے

مل کر منیٰ کی وادی میں اتر جاتے ہیں۔

لوگوں کی یہ بھیڑ اب صرف صلح کے سفید کبوتر نہیں بلکہ اس سے پہلے یہ جنگ کے مسلح مجاہد ہیں۔

اسی لیے یہاں پھر، نظم وضبط، ڈسپلن، اور دستور کی بات آتی ہے:

''رات کو مشعر میں ''وقوف'' کرنا ہوگا''!

''منیٰ میں دسویں دن داخلہ ہوگا''!

صبح کی سرحد، منیٰ کی سرحد ہے، صبح کی لکیر، رات کو دن سے جدا کرتی ہے،

یہی وجہ ہے کہ سرحد سے گزرنے کا حکم، منیٰ میں حملے کے آغاز کا حکم دسویں ذی الحجہ کی صبح کے سورج کے ہاتھ میں ہے۔

منیٰ مغرب میں ہے اور عرفات مشرق میں، فوج منیٰ کا رخ کیے کھڑی ہے۔ سورج پس پشت سے طلوع کرتا ہے، عرفات کی بلندی سے منیٰ کی تنگ وادی میں گرتا ہے۔ سورج نیز حج کرتا ہے، عرفات میں طلوع کرتا ہے اور مشعر سے گزر کر منیٰ میں آتا ہے۔

اور جہاد و عشق کے سپاہیوں کو، ان مجاہدوں کو کہ جو عرفات سے آئے ہیں اور رات انہوں نے مشعر میں گزاری ہے اور وہاں سے ایمان اور اسلحے کا ذخیرہ کیا ہے، منیٰ کی سرحد پر رکنا ضروری ہے۔۔۔۔۔۔ اس شہر کے دروازے پر کھڑا ہونا ضروری ہے کہ جو شہادت گاہ بھی ہے اور رزم گاہ بھی، چشم براہ آمادہ اور طلوع کے حکم پر گوش برآواز،

سورج کے صدائے پا کے انتظار میں!

کیوں۔۔۔۔۔؟

اس لیے کہ شب کی حکومت میں، اپنی تعمیر کرو۔۔۔!

شب کی پناہ میں اسلحہ اکٹھا کرو!

طلوع سے پہلے، منیٰ میں قدم نہ رکھو۔۔۔۔۔اس لیے کہ رات مشعر میں وقوف سے مختص ہے۔طلوع کے بعد مشعر میں نہ رہو۔۔۔۔۔۔اس لیے کہ دن منیٰ میں وقوف سے مختص ہے۔۔۔۔۔طلوع کے موقع پر نکل پڑو۔

یہ آفتاب دسویں ذی الحجہ کا آفتاب ہے،

منیٰ میں ہلہ بولنے کا وقت آپہنچا ہے،

سورج کا حکم "زمانہ" کا حکم ہے،

زمانہ کے جبر کے آگے گردن جھکالو،

صرف سورج کے حکم پر گوش بر آواز رہو،

صرف طلوع کے انتظار میں چشم براہ رہو،

صرف دسویں کا سورج،

صرف، طلوع عید۔۔۔!

تعجب ہے!

منیٰ کی سرحد سے ابلیس کے اڈے تک تفاوت راہ ہے،

منیٰ میں داخلہ سے محاذ تک پہنچنے میں فاصلہ ہے

اصولاً عید کو محاذ سے باہر کی فضا میں منانا چاہئے۔

۔۔۔۔۔ابلیسوں کی شکست کے بعد، کامیابی کے حصول کے بعد، رمی

جمرات کے بعد۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

اور تم۔۔۔۔۔ میرے بھائی، ملت توحید کو دیکھو، اس قوم کے طرز عمل کا مشاہدہ کرو!

عید کو دشمن کی شکست میں نہیں، دوست کی کامیابی میں نہیں بلکہ آغاز جنگ سے پہلے، عید کی فضا آنے سے پہلے مناتی ہے!

یعنی تم نے کامیابی اس وقت سے حاصل کی ہے جس وقت سے کہ تم نے ''ارادہ'' کیا ہے!

یعنی جونہی تم نے منیٰ کی حدود میں قدم رکھا، تم فاتح ہو!

اور۔۔۔۔۔ جانے میں کیا کہہ رہا ہوں؟

کتنا دشوار ہے اس آسان اور سلجھی ملت کا سمجھنا!

اور کتنی پیچیدہ ہے، یہ سادہ سی امت!

یعنی کہ جب اس کا وقت آئے گا، تم کامیاب ہو،

کب اس کامیابی کا وقت آتا ہے؟

''اگر''

تم ''عرفات'' سے آئے ہو گے،

''اگر''

تم نے شب کو ''مشعر'' میں، غور و فکر اور تیاری میں ''صبح عید'' سے ملایا ہو گا۔۔۔

نہیں نہیں۔۔۔۔۔۔!

میں نے اساسی ترین سلسلہ ہائے ''اگر'' کو بیان کیا، یہ حج نیچر یا فطرت کی طرح ہے، بذات خود اسلام ہے، وہ اسلام کہ

اورتم اس کی ایک آیت، ایک نشانی ہو، تمہاری سرنوشت کا دارومدار اس بات میں ہے کہ تم جبر ''سنت'' کو دریافت کرو، ''اختیار کرو'' فطرت کی اپنی ایک جبری حرکت ہے تاریخ بھی اپنی ایک جبری حرکت پر قائم ہے اور انسان بھی اپنی جبری راہ کو طے کر رہا ہے۔

اورتم، چار ''جبر'' کے قیدی، ''فطرت'' ۔۔۔۔ ''تاریخ'' ۔۔۔۔۔۔ ''معاشرہ'' اور ''اپنی ذات'' کے چار بڑے قید خانے کے اسیر، تمہیں چاہئے کہ تم فطرت کے جبر کو دریافت کرو اور اپنے علم اور اپنی آگاہی کے ساتھ اپنے آپ کو اس کی راہ میں ڈولو اس طرح جبر فطرت کے ساتھ ہم آہنگی سے تمہیں اس سے رہائی حاصل ہو گی۔

تمہیں چاہئے کہ تم تاریخ کو بھی کھرچو (فلسفہ علم تاریخ کو سمجھو) اور سمجھ بوجھ کر اس میں اپنی جگہ بناؤ۔ اس طرح جبر تاریخ کے ساتھ ہم آہنگی سے تم اپنی تاریخ کی جبری راہ کو بدل دو گے اور اسی طرح (عمرانیات سے) اجتماعی ماحول کے جبر کو دریافت کرو، معاشرے کے قوانین کو پہچانو، اسے اپناؤ اور پھر اس طرح تم ایک باخبرانہ انقلاب کے ساتھ معاشرے پر مسلط نظام کے زندان سے چھٹکارا پاؤ گے۔

وہ رہتا یا رہتی ہے خلق کی گفتگو ''وجود سے ہوتی ہے Creation اور امر میں جہت اور ابدیت کی بات ہوتی ہے: (Orientation)''

ایک ماہر علم فزکس کی طرح کہ جو کشش کی قوت کو توڑتا ہے اور علم زراعت کے ایک اعلیٰ سند یافتہ کی طرح جو اپنے ارادے کو پھیلے ہوئے جبر اور پودوں پر لاگو کرتا ہے۔

خلقت میں ''میں'' اور ''تم'' جو کام کر سکتے ہیں وہ اس سنت کی دریافت، اور اس مسیر مقدر، جبر تاریخ، وقت کی الٰہی تقدیر، انسان کی زندگی کی حتمی سرنوشت اور انجام کار دینا کے عدالت گستر انقلاب کے حتمی عمل کا صحیح انتخاب ہے اس لیے کہ خدائے ابراہیمؑ اور خالق بشر اس بات کی خبر دیتا ہے کہ:

" ان الارض یرثھا عبادی الصلحون "

''زمین کی وراثت میرے صالح اور شائستہ بندوں کو ملے گی''

وہی ہے کہ جس نے خوشخبری دے کر کہا

" ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمة انجعلھم الورثین"

''ہم نے اس بات کا ارادہ کر لیا ہے کہ ان لوگوں پر احسان کریں کہ جن کو زمین پر کمزور بنا دیا گیا ہے اور ان کو زمانے کے پیشوا اور زمین کے وارث بنائیں!''

استصناف یا کمزور بنا دیا جانا، ایک ایسی چیز ہے کہ جو انسان کو مسخ کر دیتی ہے، توڑ دیتی ہے، تمام انسانی وسائل اور آدمی کی تمام مادی اور معنوی قوتوں کو ختم کر دیتی ہے۔ استضعاف وہ لفظ ہے کہ وج اپنے اندر تمام انسان دشمن نظاموں اور نوع بشر کو مفلوج کرنے والے تمام عوامل کو سمیٹے ہوئے ہے: استبداد، استعمار،

استعباد، استثمار، استحمار، اور ہر وہ چیز کہ جس کو نوع بشر کے دشمن اس کے بعد ایجاد کریں۔

ان کو ایجاد کرنے دو، لیکن، خدا نہ صرف اپنے ارادے کو مظلوم و محکوم لوگوں کی نجات اور زمین کے دھتکارے ہوئے لوگوں کی آزادی کے سلسلے میں ظاہر کرتا ہے بلکہ اطمینان دلاتا ہے کہ تقدیر الٰہی تاریخ، عنان رہبری اور کل انسانوں کی پیشوائی کو اس طبقہ کے حوالے کرے گا اور پوری زمین و زمان میں ہمیشہ کے محروم لوگوں کو، طاقت کے تمام قصروں، دولت و ثروت کے تمام گنجیوں اور مذہبی پیشوائیت اور کلچر کے تمام سرمایوں کا وارث بنائے گا۔

اس قانون میں مستضعفین زمین کی مغضوبین زمین سے شباہت دیکھیے۔۔۔۔۔!

قیامت میں تقدیر ساز افراد۔۔۔۔ کہ جو خدا کی طرف سے مامور ہیں۔۔۔۔۔۔انسانوں کو پرکھ کر دو گروہوں میں تقسیم کریں گے، ایک ناجی گروہ کو جو جنتی ہوگا اور دوسرا محکوم و مغضوب گروہ کہ جو دوزخی ہوگا۔ زمین پر بھی تقدیر ساز افراد نے۔۔۔۔۔ کہ جو یہاں ابلیس کے مامور ہیں۔۔۔۔۔۔انسانوں کو جنتی اور دوزخی گروہوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ سارٹر کی تعبیر کے مطابق جو اسی کتاب کے مقدمہ میں ہے:

> ''زمین کی دو ارب آبادی میں سے بہ زبان استعماد، پانچ سو ملین یا نصف ارب ''انسان'' اور باقی تمام لوگ ''پینڈر'' ہیں، زمین کے دھتکارے ہوئے لوگ ہیں، تیسری دنیا کی دوزخ میں رہنے والے ہیں۔''

لیکن ''تاریخ کے علمی جبر'' یا ''تاریخ کی الٰہی تقدیر''

Less Demnes De La Terre 1

Condamnes 2

نے۔۔۔۔۔۔بات ایک ہی ہے۔۔۔ ''زمین کے مغضوبین'' یا '' زمین کے مستضعفین'' ۔۔۔۔۔۔بات ایک ہی ہے۔۔۔۔کی کامیابی کی ضمانت دی ہے۔'' امت بشریٰ کے قافلے۔۔۔۔۔۔ ہابیل شہید کے فرزندوں۔۔۔۔۔۔کے سلسلے میں مشیت الٰہی نے ان کی راہ کا تعین کر دیا ہے۔''

تاریخ کا جبر خداوند عالم کی تبدیل نہ ہونے والی سنت ہے۔

''ولن تجد لسنة الله تبديلا''

خداوند عالم اپنی خلقت کو ''وجود'' بھی دیتا ہے اور ''جہت'' بھی

له " الخلق" وله " الامر"

1 ''جبر'' سے مراد علمی تقدیر یا Determinisme ہے یعنی ہر چیز یہ تمام دنیا، انسان اور زمانہ ایک معین شدہ علمی قوانین کے تابع ہے اور ہر خلقت اور ہر وجود کی ایک انتہا اور ایک حد ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ قرآن میں بیان ہونے والی ''تقدیر'' یا ''قدر معلوم'' یا ''اجل مسمیٰ'' بھی یہی ہے اور (Terme=قدر سے) Determinise کی اصطلاح اسی کی ہم ردیف ہے!

2 ''سنت'' دنیا، معاشرے اور تاریخ پر مسلط علمی قانون ہے اور میں اس کا ترجمہ Fait (واقعہ) کرتا ہوں، اور ''آیت'' ایک ''واقعیت'' ہے کہ جو توحیدی

نقطہ نظر سے ''نشان یا علامت'' ہے اور آج کی علمی تحقیق میں اسے ''مرئی شے'' کے مفہوم میں لیا جاتا ہے اور میں اس کا ترجمہ Phenomene کرتا ہوں، باوجود اس کے کہ ہر ''سنت'' خود نیز ایک آیت ہے، یعنی ایک ''علمی قاعدہ'' ایک '' اصل'' نیز ایک ''مرئی شے'' یا فنومن!

---

3 ''خلق'' ایک شئے یا ایک ''مرئی چیز'' کی ایجاد ہے: ستارہ، انسان وغیرہ ''امر'' وہ کردار یا وہ کام جو اس کے ذمہ ہوتا ہے اور وہ کیفیت کہ جس میں

جو ''لفظ'' سے نہیں بلکہ ''حرکت'' سے بیان ہوتا ہے، ایک ''متشابہ حقیقت''!

تم جتنا بھی اس کی گہرائی میں جاؤ گے انتہا تک نہیں پہنچو گے، لا یتناہی ہے، جس حد تک تم ''سمجھو'' معنی سے بھرا ہے، صرف وہی اس بات کا دعوی کرسکتا ہے کہ اس نے پوری طرح اسے سمجھا ہے کہ جس نے اسے کچھ بھی نہ سمجھا ہو۔

میں نے اساسی سلسلہ ہائے اگر کو تحریر نہیں کیا:

اگر تمہاری آمد ''موسم'' میں ہوئی ہوگی!

اگر تم ''میقات'' میں رہے ہوگے!

اگر تم نے ''احرام'' پہنا ہوگا۔۔۔۔۔!

اور۔۔۔۔۔ جانے میں کیا کہہ رہا ہوں؟

''تم'' کون ہو؟

''میں'' کون ہوں؟

''فرد'' کچھ نہیں ہے

قرآن نے ''انسانوں'' کی بات کی ہے ''انسان'' کی نہیں،

کتنا خوبصورت لفظ استعمال کیا: ''الناس''!

مفرد نام اس کے دفتر میں نہیں!

''دست خدا، جماعت کے ساتھ ہے''

حرکت ۔۔۔ کمال ۔۔۔ خلافت الٰہی، فطرت میں اور ۔۔۔ کامیابی'' لوگوں کی تقدیر'' میں لکھی ہوئی ہے، جب کہ خدا کی ناقابل تغیر سنت، اجتماعی زندگی میں ہے۔

اور نظام الٰہی کے انطباق کی سمت تاریخ کی جبری راہ، انسان کی ان تینوں زندانوں سے رہائی بذریعہ ''علم'' ہوگی۔

لیکن چوتھا زندان ''اپنی ذات'' کا زندان ہے، خواہشوں کا زندان یہ وہ زندان ہے جسے تم اپنے ساتھ لیے پھرتے ہو۔

''علم'' اس چوتھے زندان کی رہائی سے عاجز ہے اس لیے کہ یہ تینوں زندان تمہاری ذات کے باہر تھے اور یہ چوتھا زندان تمہارے اندر ہے اپنے اندر یا اپنی ذات میں تمہارا ''عالم ہونا'' ہے یہاں ایک ایسے علم کی ضرورت ہے کہ جو تمہیں تمہاری شناخت کروائے، تمہاری ذات کو دریافت کرے ایک ایسی قوت کی ضرورت ہے جو تم پر چھا جائے اور تمہارے اندر ہلچل پیدا کر دے، ایک ایسے طاقتور ہاتھ کی ضرورت ہے کہ جو تمہیں، تم سے علیحدہ کر کے بدل دے۔

یہاں، اب اس منزل پر علم نہیں، اس لیے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ علم خود عالم کے انسانوں کا اسیر ہے، بلکہ ''حکمت'' کی ضرورت ہے!

علم فطرت، خود آگاہی،

وہ نور کہ جس کو انبیاء نے زمین کے شبستان میں افروختہ کیا ہے۔ دین! وہ دانش کہ جو تمہارے اندر کے زندان کو تمہیں پہچنواتی ہے، تمہارے وجود میں چھپے ہوئے زندانبانوں کو تم پر منکشف کرتی ہے۔ اور وہ قوت کہ جو تم کو اپنے زندان سے چھٹکارا دلاتی ہے؟ ''صنعت علم'' نہیں ''ہنر عشق'' ہے! اگر ''تمہاری جان'' بھی تمہارا زندان بن گئی ہو تو وہ اسے بھی توڑ دے گا شہادت سے۔۔۔ اور اگر تمہارے اسمعیل نے تمہیں پابند کر دیا ہو تو وہ اسے بھی تمہارے ہاتھ سے ذبح کروا دے گا۔۔۔ شہادت سے بالاتر مرتبہ میں۔۔۔۔۔!

چوتھے زندان سے رہائی، بذریعہ عشق!

وہ علم کہ جو تمہیں خودآگاہی اور خدائی فطرت بخشتی ہے تاکہ تم اپنے آپ کو۔۔۔۔۔ اس طرح جس طرح فطرت کا عمل ہے۔۔۔۔۔۔ ویران کرو، اور۔۔۔۔ اس طرح جس طرح کہ خدا چاہتا ہے۔۔۔۔ سنوارو!

اس لیے کہ تم صرف ایک ''وجود'' ہو تمہیں اپنی ''ماہیت'' خود تخلیق کرنی ہے۔۔۔۔۔۔ اس لیے کہ انسان ایک ایسی مخلوق ہے کہ جس کا اس صحرا میں ''ہبوط'' ہوا ہے اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے تم۔۔۔؟ ایک ''بے وضع وجود'' ہو، ایک لاشئے ہو جو ہر شئے بن سکتے ہو، ایک مرکز پر جنبش میں ہو، ایک ''امکان'' ہو، ایک ''عبث شئے'' ہو کہ جو ''آدمی'' بن سکتے ہو ''آدم'' کو انتخاب کر سکتے ہو، اپنی فطرت کو پا سکتے ہو (دین)، خودآگاہی اور باخبری سے اپنے آپ کو اس راہ پر ڈال سکتے ہو اور آدم کی تقدیر سے ہم آہنگ ہو کر اپنے اندر کے زندان جبر سے آزاد ہو سکتے ہو، ''انتخاب'' کر سکتے ہو اور تاریخ کی جبری راہ کو سمجھ سکتے ہو، اس

لیے کہ یہ ''آدم'' کی تاریخ ہے کہ جو زمانے کی رہگذر پر چلی جارہی ہے، ایک جبری سفر ہے اللہ کی سمت ایک دائمی حرکت ہے، اور تم اے ''ایک جگہ پر جم جانے والے

''تفویض'' یا خود سپردگی اور ''صداقت انسان'' کی بنیاد۔۔۔۔۔۔ہیو مینزم۔۔۔اگر سٹنیلوم کے فلسفہ میں بہ اصطلاح سارٹر Delaissement ہے! کہ جس کا صحیح ترجمہ تفویض ہے۔یعنی انسان، جبر طبیعت یا تقدیر میں کہ جس کی حکومت تمام موجودات پر ہے، واحد آزاد مخلوق ہے کہ جسے ''اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے''!اور میں جنت سے زمین پر آدم کے ہبوط کو اسی مفہوم میں لیتا ہوں۔

ہیچ'' جاری ہو جاؤ، حرکت میں آؤ، آدم کو پہچانو اور آدم ہونے کو اختیار کرو، اس لیے کہ یہ جبری ''نہر'' جاری ہے، اس کی روانی ابدی ہے، اور مشعر میں شب کی حاکمیت اور منیٰ میں تین ''جور''وں کی حکومت، اس ''جبر'' کے کامیاب سفر کو نہ روک سکتی ہے اور نہ اس کا راستہ بدل سکتی ہے، اس لیے کہ یہ خداوند عالم کی سنت ہے''
ولن تجد سلنة الله تبدیلا''

ولن تجد لسنة الله تحویلا!

تمہاری سرنوشت ایک ایسا متن ہے کہ اگر تم ''نہ جانو'' تو لکھنے والے ہاتھ اسے لکھیں گے اور اگر ''جانو'' تو خود لکھ سکتے ہو۔

اور تم اے ''ہیچ'' اے خارج از طلب (بے کار) انسان کہ جو ''آگاہ'' ہو اور ''آزاد''، اگر تم ''موسم'' میں ''میقات'' آؤ اور اپنی فطرت کی گزرگاہ۔۔۔۔آدم کے جبری خط سیر۔۔۔۔۔کو ''پہچانو'' اور اسے ''انتخاب'' کرو تو تم ارادہ الٰہی کے زیر قدم ایک ہموار راہ بن سکتے ہو، ایک ایسی راہ کہ جو گھر سے کعبہ کی سمت جاتی

ہے، وہ راہ کہ جو تمہیں ''بدبودار کیچڑ'' سے ''خدا'' تک لے جاتی ہے!

اس لیے کہ یہاں حکومت ''تقدیر الٰہی'' کی ہے حاکمیت، ''جبر علم'' ہے، اور اس ''جاری و ساری نہر'' کے ساحل پر ''جبر کامیاب'' یہ تم ہو کہ جو آزاد ہو، مختار ہو، انتخاب کر سکتے ہو،

ساحل پر بیٹھے رہنے کو، اپنی موت کو

اور حرکت و خلود کی جبری گزر گاہ کے ساتھ، خلق کو

جاری رہنے کو،

اور دیکھ رہے ہو کہ۔۔۔۔۔ امامؑ کی تعبیر کے مطابق۔۔۔۔۔۔ نہ ''جبر'' ہے اور نہ ''اختیار'' بلکہ یہ امر ہے، ان دونوں کے درمیان!

کیا ہے۔۔۔۔۔؟ ''اختیار جبر''!

''تفویض تفویض''! طاعت و تسلیم! اسلام!

اور یہ ''امت'' کی عظیم نہر، یہ لوگوں کا نہ ٹوٹنے والا ریلا منیٰ کی سرحد سے گزرتا ہے اور ابلیس کے مقابل کامیابی حاصل کرتا ہے۔ انبوہ خلائق کی یہ سپاہ جونہی منیٰ میں اپنا پہلا قدم رکھتی ہے دسویں ذی الحجہ کا سورج سحر گاہ کے برج سے فتح کا پرچم بلند کرتا ہے اور اپنی پہلی مسکراہٹ سے، عبور اور آغاز راہ کی اجازت بھی دیتا ہے، حملے اور آغاز جنگ کا فرمان بھی صادر کرتا ہے اور ساتھ ہی فتح اور اختتام کار کے جشن کا اعلان بھی کرتا ہے!

یہ ''تاریخ کا جبر'' ہے، انبوہ خلائق کے ''مقدر'' کا سرانجام،

لیکن ''انسان کے اختیار'' میں، تم فرد کے ''تفویض'' کا سرانجام

سلسلہ اگر کا اگر۔۔۔۔۔؟

اسی سبب سے:

تم کامیاب ہوتے ہو

''اگر تم نے اس رواں دواں ہجوم سے اپنا تعلق قائم کیا ہوگا۔۔۔۔۔اس خلقت سے کہ جنھوں نے خدا کا عزم کیا ہوا ہے۔۔۔۔''

''امت'' سے!

اس چلتے چلے جانے والے معاشرہ سے!

لوگوں سے، اس موجیں مارتی ہوئی نہر سے کہ جس کی راہ میں حائل آنے والی ہر چٹان اور ہر بند کو مشیت تقدیر اور جبر تاریخ، ریزہ ریزہ کر کے ''سمندر'' میں پھینک دیتی ہے۔

ہاں، اگر تم مشعر سے گزرنے اور منیٰ پہنچنے کی راہ میں نہ اٹکے نہ بھٹکے، نہ اپنے من کی چال پر چلے، نہ تمہاری راہ، لوگوں سے ہٹ کر رہی اور تم منیٰ پہنچے، تم نے ابلیس کو رمی کیا، اسماعیل کو ذبح کیا تو تم اپنے ارمان و ایمان کی بلندترین چوٹی پر ہو گے اگر تم نے ''ہجوم خلائق'' کے قدم پر قدم رکھا اور وہیں سے آغاز کیا جہاں سے کہ پوری خلقت آغاز کرتی ہے اگر تم نے دریا سے اتصال کے لیے اپنے جوش و خروش کو مشعر میں انبوہ خلائق کے جوش و خروش کے ساتھ۔۔۔۔۔کہ جو رات کو زمزمہ عشق سے سرشار کل کے جہاد کے لیے اسلحے کی جستجو میں ہیں۔۔۔۔۔ہم آہنگ کیا تو یقیناً کامیاب ہو اس لیے کہ حکم بھی یہی ہے، حج کرنے والوں کے لیے خدا کا صریح ارشاد ہے۔

’’ افیضو من حیث افاض الناس‘‘

☆☆☆☆☆☆

سپاہ توحید، مسلح و مصمم، منیٰ کی وادی میں اترتی ہوئی، منیٰ کا درہ، میدان جنگ

رمی جمرات

تین فوجی اڈے ایک دوسرے کے پیچھے، ہر ایک چند سو میٹر کے فاصلے پر،

ایک خط مستقیم کی لمبائی میں، ایک راستہ پر،

لیکن آج وہ ’’شارع ملک‘‘ ہے ــــــــــ ہر ایک، ایک ’’یادگار ستون‘‘،

ایک ’’مجسمہ‘‘ ایک سمبلیک تعمیر، ایک ’’بت‘‘!

ہر سال ان کے چہرے سفید کر دیے جاتے ہیں!!

اللہ اکبر! کتنی معنی خیزی ہے ــــــــــ!

حملہ آور سپاہ، منیٰ میں پہنچتی ہے، ’’جمرات‘‘ ہاتھ میں آمادہ و تیار!

’’پہلے بت‘‘ پر پہنچتے ہو، (جمرہ اولی)

مارو نہیں، گزر جاؤ!

’’دوسرے بت‘‘ پر پہنچتے ہو، (جمرہ وسطیٰ)

مارو نہیں، گزر جاؤ!

’’تیسرے بت‘‘ پر پہنچتے ہو (جمرہ عقبیٰ)

گزرو نہیں، مارو!

کیوں ـــــــ؟

کیا حکماء، عاقل اور تجربات سے گزرنے والے ناصح لوگ، معلم حضرات، اہل منطق کہ جو دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں نہیں کہتے:

آہستہ، دھیرے، بتدریج، ترتیب سے، ضابطہ کے ساتھ۔۔۔۔۔؟

لیکن یہاں ابراہیم حکم دیتے ہیں:

''پہلے حملہ میں آخری کو مارو''!

۔۔۔۔۔مارا۔۔۔؟

۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔!

''جمرہ عقبیٰ''، ''عقبہ'' کے قریب ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں جناب رسالت مآبؐ نے یثرب (بعد کے مدینہ) کے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ پیمان باندھا تھا اور اسی رو سے اسے جمرہ عقبہ بھی کہتے ہیں۔

کتنی مار ماری؟

سات مار۔۔۔۔،

یقینی طور پر لگی۔۔۔؟

یقیناً لگی۔۔،

پیر اور پیٹ پر مارا۔۔۔۔؟

نہیں۔۔۔،

ٹھیک اس کے سر پر؟ اس کے چہرے پر۔۔۔۔۔۔

اس کے رو در رو۔۔۔؟

ہاں

بس، اب اختتام ہوا!

جنگ ختم ہوگئی ہے، آخری جب گر جائے تو پہلا اور دوسرا اس بات پر قادر نہیں کہ اپنے پیروں پر کھڑا رہے، یہ آخری ہے کہ جو پہلے اور دوسرے کو سنبھالے رکھتا ہے۔

آخری محاذ سے لوٹ رہے ہو؟ سوائے قربانی کے اب تمہارا کوئی کام نہیں رہا، فتح کا اعلان کرو!

آخری مرکز جب ڈھا تو تم کامیاب ہو

کامیابی کا جشن مناؤ، احرام سے باہر آؤ، زندگی کا لباس پہنو، عطر لگاؤ، اپنے آپ کو سنوارو، (حلق و تقصیر کرو) منکوحہ کو آغوش میں لو،

میرا خیال ہے کہ حلق یا تقصیر (سر کے بال مونڈنا یا چھوٹے کرنا) حکم نہیں، رفع نہی ہے اس لیے کہ (حج کے دوران) حلق یا تقصیر نہ کرنے کا اب تم آزاد ہو، انسان ہو، منیٰ پر غالب ہو، فاتح ابلیس ہو،

میں کیا کہہ رہا ہوں۔۔۔؟

ابراہیم ہو۔۔۔۔۔!

اب تم وہاں تک پہنچے ہو کہ ''اس کی راہ میں اپنے اسماعیل کو قربان کر سکتے ہو۔۔۔!''

☆☆☆☆☆☆

قربانی

آخری بت کی رمی کے بعد، فوراً قربانی کرو! اس لیے کہ یہ تین ''بت'' ''تثلیث کا مجسمہ ہیں'' ''ابلیسی'' مرحلہ کے تین مظہر، بھولو نہیں ''یہی مفہوم نیت ہے!'' ہمیشہ نیت کے ساتھ رہو، ''خودآگاہ۔''

حکم تھا اور محرمات احرام میں اس کا شمار ہوتا تھا، مگر جب تم احرام سے باہر آتے ہو تو اس کے ساتھ اس کے محرمات بھی ختم ہو جاتے ہیں جس میں سر کے بالوں کا تراشنا، ان کو چھوٹا کرنا بھی اسی طرح ہے جس طرح عطر لگانا اور اپنے آپ کو سنوارنا گزشتہ میں چونکہ لوگ سنورنے کے عنوان میں سر کے بال ترشواتے تھے، عید قربان کے موقع پر، بندشوں کے ہٹنے کے بعد حاجی حضرات اصلاح یا حجامت کرتے تھے اور یہ خود عید قربان کی ایک نشانی اور مراسم حج کے اختتام کا جشن تھا اور اسی کو مناسک حج میں شمار کیا جانے لگا دوسرے سورہ کی 196 آیت کہ جس کے استناد پر حلق کو حج کے اعمال میں شمار کیا جاتا ہے میرے خیال میں بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ سر تراشنے کو حج کے اعمال میں توفیق کی علامت گردانتی ہے یہ ایک گمان ہے اور

سمجھو کہ کیا کر رہے ہو اور کیوں کر رہے ہو، ان اعمال کی ظاہری صورت تمہیں اپنے اندر گم نہ کر دے، مفاہیم سے غافل نہ رہ جاؤ، یہ سارے اشارے ہیں ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی نظر کو اس طرف سے نہ ہٹاؤ جس طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، ''فارمولیزم'' یا آئین رسومات تمہیں پیچیدہ ٹیکنیکی پیچ و خم میں بھٹکا نہ دے،

حج معانی کرو، نہ حج مناسک

اس کے اثبات میں مجھے کوئی تعصب نہیں، اور شاید معاصر کے بعض بڑے

شیعہ مراجع بھی حلق کے مسئلہ میں تعصب سے کام نہیں لیتے اور تقاضائے مشاغل، اجتماعی صورت حال، یہاں تک کہ کسی شخص کی زندگی کے ذاتی حلقہ میں اس کی ناپسندیدگی کے پیش نظر خود اس کی اپنی تشخیص کی بنیاد پر کافی سمجھتے ہیں کہ حلق نہ کرے، بعض صرف پہلے حج میں اسے واجب قرار دیتے ہیں اور کچھ نے اسے احتیاط واجب کے حکم میں لیا ہے یعنی انہوں نے اجازت دی ہے کہ ان کا مقلد اس موضوع میں دوسرے مرجع کے فتوے پر عمل کرے۔۔۔۔یہی سبب ہے کہ اس طرح گمان کیا گیا ہے اور ایک حکم اور حج کے اصلی مناسک کی ایک کڑی کے عنوان سے اس پر عمل کرنے میں قطعیت سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

اس انتہائی حساس بنیادی بات کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے کہ ان مسائل میں یا مجھے یا مجھ جیسوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ ہم اپنے عقل استنباط پر تکیہ کریں اس لیے کہ اس صورت میں ایسے ہنگامے برپا ہوں گے کہ جس کا سنبھالنا مشکل ہوگا، لہٰذا ان امور میں، میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم کسی مسئلہ کو پسند نہ کریں حتیٰ کہ درست بھی نہ جانیں تب بھی ضروری ہے کہ تقلید کریں اس لیے کہ بقول ابوذرؓ

یہاں ہر چیز ''نیت'' سے وابستہ ہے۔

اس لیے کہ حج سرتاپا ''نیت'' ہے

دیگر اعمال، بلا ''نیت''، خود بالذات، کچھ ہیں

روزہ میں اگر تم نے ''نیت'' نہیں کی، اس کے کچھ آثار کو بہر حال پاؤ گے۔۔۔۔!

جہاد میں اگر تمہاری ''نیت'' نہیں تھی، تو پھر بھی تم ایک سپاہی کہلاؤ گے

لیکن اگر حج میں ''نیت'' نہ ہوتو بے کار ہے، کچھ بھی نہیں، سب کچھ ہیچ۔۔۔
صرف حرکتوں کا ایک مجموعہ ہو کہ جس کا کوئی فائدہ نہیں۔
اس لیے کہ یہ مناسک سارے اشارے ہیں علامتیں ہیں رمز ہیں۔۔۔۔۔،
جو شخص یہ نہ جانے کہ ''سجود'' کیا ہے اس نے صرف اپنی پیشانی مٹی پر ملی ہے۔
جس کو یہ خبر نہ ہو کہ یہ مناسک کن باتوں کو ظاہر کرتے ہیں وہ مکہ

اتفاقاً اسی حج میں ''اختلاف'' زیادہ برا ہے

''نیت'' کو بھی مفہوم سے گرا کر ایک ''ٹیکنیک'' کر دیا گیا ہے ایک ''قرار دادی عبارت'' کا تلفظ! ''فنون حج'' کا ایک خصوصی ماہر اپنے متعلقہ حاجیوں سے کہہ رہا تھا آیئے آپ کی نیتوں کی قرائتوں کو درست کریں! جل الخالق! ملاحظہ فرمایئے کس طرز کو کیا کر دیا گیا ہے!

سے صرف ''تحفے تحائف'' ہی لائے گا۔
اس کا اٹیچی کیس بھرا ہوگا اور خود خالی۔۔۔۔۔!

حج میں تم ''توحید'' کو عمل میں لاتے ہو، طواف کے ساتھ ہاجرہ کی تلاش اور سرگردانی کو بیان کرتے ہو سعی کے ساتھ کعبہ سے عرفات تک، آدم کے ہبوط کو۔

اور کعبہ سے منیٰ تک، تاریخ کو انسان کی خلقت کے فلسفہ کو۔۔۔
اور علم سے عشق تک فکر کی سیر کو، اور خاک سے خدا تک معراج روح کو
اور منیٰ میں، کمال کی آخری منزل کو، منتہائے آرزو کو، آزادی مطلق کو، بندگی مطلق کو،

ابراہیم کو،

اور اب تم ابراہیمؑ کے منیٰ میں ہو اور اپنے اسماعیل کو مقتل میں لائے ہو۔۔۔؟

تمہارا اسماعیل کون ہے؟

کیا ہے۔۔۔۔۔۔؟

''تھائن بی'' کی عمیق تعبیر کے مطابق ''تاریخ، خلقت انسان میں خدا کی ایک اسکیم ہے'' اور اسی سے ملتی جلتی تعبیر ''سارتر'' کی ہے کہ ''قدرت یا خدا نے انسان کو وجود بخشا ہے اور یہ تاریخ ہے کہ جو اس کی ماہیت کو خلق کرتی ہے'' اور تاریخ کی علمی تعریف کے مطابق دائمی عمل کے ساتھ ہونے کا علم انسان ہے۔

تمہارا مقام۔۔۔۔؟ تمہاری آبرو۔۔۔۔؟ تمہارا مرتبہ۔۔۔۔۔؟ تمہارا مشغلہ۔۔۔؟ تمہارا پیسہ۔۔۔۔؟ تمہارا گھر۔۔۔۔؟ تمہارا باغ۔۔۔؟ تمہاری گاڑی۔۔۔؟ تمہارا معشوق۔۔۔۔؟ تمہارا گھرانہ؟۔۔۔۔۔۔تمہارا علم۔۔۔۔؟ تمہارا رتبہ۔۔۔؟ تمہارا ہنر۔۔۔۔۔؟ تمہاری روحانیت۔۔۔۔؟ تمہارا لباس۔۔۔۔؟ تمہارا نام۔۔۔؟ تمہارا نشان۔۔۔۔۔؟ تمہاری جان۔۔۔۔۔؟ تمہارا جوان۔۔۔۔؟ تمہاری زیبائی۔۔۔؟

مجھے کیا معلوم؟ اسے تو تم خود جانتے ہو، جو بھی ہے، اسے خود تمہیں منیٰ میں لانا ہوگا اور قربانی کے لیے اس کا انتخاب کرنا ہوگا۔

میں صرف قبل کی ''نشانیاں'' تمہیں دے سکتا ہوں

وہ کہ جو تمہیں ایمان کے رستے میں کمزور کر دے، وہ جو تمہیں ''جانے'' میں''

رہ جانے'' پر بلائے۔

وہ کہ جو تمہیں اپنے فرائض کی راہ میں متردد کر دے، وہ کہ جس نے اپنے آپ کو تم سے باندھ کر تمہیں روک رکھا ہے۔

وہ کہ جس کی وابستگی نہیں چھوڑتی کہ تم ''پیام'' کو سنو تا کہ حقیقت کا اعتراف کرو، وہ جو تمہیں ''فرار'' کو کہتی ہے،

وہ جو تمہیں مصلحت آمیزانہ تاویل و توجیہہ کی طرف لے جاتی ہے اور اس کی لگن تمہیں اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

تم ''ابراہیمی'' ہو اور ''تمہارے اسماعیل'' کی کمزوری تمہیں بازیچہ ابلیس بنا دیتی ہے تم شرف کی بلند چوٹی پر ہو اور سراپا فخر و فضیلت تمہاری زندگی میں صرف ایک چیز ہے کہ جس کو حاصل کرنے کے لیے تم بلندی سے نیچے آتے ہو، اس کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دینے کے لیے تم ابراہیمی انداز میں حاصل کی ہوئی ہر شئے کو اپنے ہاتھ سے کھو دیتے ہو۔

اور وہ تمہارا اسماعیل ہے، تمہارا اسماعیل ممکن ہے ایک شخص ہے، یا ایک شئے، یا ایک حالت، یا ایک کیفیت، اور حتیٰ ایک ''کمزور نقطہ''۔۔۔۔!

لیکن ابراہیمؑ کا اسماعیلؑ، اس کا فرزند تھا!

ایک سن رسیدہ انسان، اپنی عمر کے آخری حصہ میں، اپنی ایک صدی پر محیط پر کشاکش اور زیر و بم سے بھری زندگی کے بعد کہ جو سر تا سر سرگردانی، جنگ و جہاد، جستجو، قوم کی جہالت سے جنگ، جور نمرود سے دوچار، متولیان بت پرستی کے تعصب، ستارہ پرستی کے خرافات، اور زندگی کے دباؤ جیسی مشکلات کا شکار رہا۔

اور جس نے اپنی آزاد اور روشن جوانی، ایک انتہائی سخت اور متعصب بت پرست و بت تراش باپ کے گھر گزاری! اور پھر اس کے گھر میں بڑے گھر کی حامل ایک متعصب عورت: سارا۔۔۔۔۔۔ اور،

آزر کے باب میں قرآن کہتا ہے: ''اپنے باپ'' کو۔۔(قال ابراھیم لابیہ: آزر) اور ہماری تفاسیر اسے ''ان کے چچا'' کے مفہوم میں لیتی ہیں میں نے یہاں اسی قرآن کے لفظ کو لیا ہے، اسی مفہوم میں کہ جس مفہوم میں قرآن نے لیا ہے میرے والد اور میرے استاد محمد تقی شریعتی کا کہنا ہے کہ لفظ ''اب'' اس مقام پر ان دلائل کی رو سے باپ کے مفہوم میں نہیں ہے:

شیعہ مفسرین نے تین دلائل کی بنیاد پر کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے چچا یا ان کی والدہ کے شوہر ہیں اور ان کے والد تارخ

ان کیفیات کے ساتھ اب وہ رسالت توحید کے بوجھ تلے، جور وجہل کے نظام میں ''آزادی اور روشنگری کی ذمہ داری'' کے شکنجے کو ایک صدی تک برداشت کرنے کے بعد، عصر ظلمت میں ان لوگوں کے درمیان کہ جن کو ظلم کی عادت ہوگئی تھی، بوڑھا ہوگیا ہے اور تنہا، اور نبوت کی بلند چوٹی پر پہنچنے کے باوجود ابھی ''بشر'' ہی ہے اور اپنی عظیم الہی رسالت کے دور آخر

الف: اس سلسلے میں بڑی معتبر روایات ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے ملی ہیں

ب: شیعہ اور سنی طریق سے بہت زیادہ اور معتبر روایات، جناب رسولؐ خدا سے نقل ہوئی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے آباء میں کسی مشرک کا وجود نہیں رہا ہے اور چونکہ پیغمبر اکرمؐ حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں اس لیے ان کے والد بت پرست نہیں

ہو سکتے۔ اور نہج البلاغہ کے کئی خطبوں میں بھی اس کی تصریح ہوئی ہے۔

ج: اور خود قرآن سے بھی یہ دعویٰ بڑے واضح طور پر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے اس لیے کہ وہ آزر کو ہمیشہ ''اب'' کی تعبیر کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ جس کا اطلاق سربراہ خانہ، معلم، سسر، سربراہ مملکت، ماں کے شوہر، اور بہت سے دیگر مفاہیم میں ہوتا ہے اور خود قرآن میں جد اور دادا کے مفہوم میں آیا ہے جبکہ ''والد'' کا لفظ صرف حقیقی باپ کے لیے آتا ہے، اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آزر سے ابراہیمؑ کی بیزاری کے بعد جس میں انہیں آزر کے لیے دعا اور استغفار کی ممانعت ہو جاتی ہے، ابراہیمؑ اپنے والد کے حق میں کہ جو ان کے حقیقی باپ ہے بڑی صراحت سے دعا کرتے ہیں اور سورہ ابراہیمؑ کی اکتالیسویں آیت

میں بھی ایک ''بندہ خدا'' اس بات کا متمنی ہے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو۔

لیکن اس کی عورت بانجھ ہے، خود بوڑھا ہے، سو سال سے زیادہ کی عمر ہو چکی ہے، ایک ایسا آرزومند کہ جس کی امید اب ختم ہو گئی ہے، حسرت و ناامیدی کی دیمک اس کی جان کو چاٹ رہی ہے، خداوند عالم، اس رسول امین اور اپنے وفادار بندے کی پیری، مایوسی، تنہائی اور دکھ پر کہ جس نے اپنی ساری عمر اس کی فرمانبرداری میں صرف کی، رحمت کے دروازے کھولتا ہے، اور سارا کی کنیز سے۔۔۔ ایک سیاہ فام عورت سے کہ جو اپنی برتری کے فقدان کے سبب سوکن کے جلاپے کو بھی اپنے دل پر نہیں لیتی، اسے ایک فرزند عطا کرتا ہے، وہ بھی ایک لڑکا! اسماعیل،

میں کہتے ہیں: ربنا اغفرلی ولوالدی......

یہ ابراہیمی کلچر کی خصوصیت ہے، وگرنہ ہندوستانی، چینی اور خاص طور پر یونانی تہذیبوں میں جونہی کوئی عوام کی سطح سے بلندی اختیار کرتا ہے خدا ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے آسمان چھوٹے چھوٹے خداؤں سے پر ہیں اور ان کی زمین ''ممتاز آدمیوں'' سے خالی! وہاں بڑے بڑے پہلوان، بادشاہ، اور صاحبان عقل و دانش سب خداؤں میں شامل ہیں، اور یہاں تاریخ کا پر شکوہ ترین خدائی چہرہ، تہذیب کا قدیم ترین آغاز کنندہ، توحید کا موسس، اولوالعزم انبیاء کے سلسلے کی پہلی کڑی، سر خیل انبیاء (کہ جن کی راہ کو موسیٰ اور محمدؐ جیسے دنیا کے بڑے مذاہب کے پیشوا لے کر آگے بڑھے ہیں) ابراہیمؑ پھر بھی ایک انسان رہتا ہے، فلسفیوں، شاعروں اور عارفوں کے ذہنی ساخت کا انسان نہیں، ایک عینی اور واقعی انسان، اپنے تمام بشری فطری عواطف کے ساتھ، خدا کا بنایا ہوا ایک انسان!

اسماعیلؑ، ابراہیمؑ کے لیے اس طرح نہیں تھے جس طرح کہ کوئی بیٹا، باپ کے لیے ہوتا ہے۔

ان کی پوری عمر کے انتظار کا ثمر تھے،

ایک صدی کے رنج و غم کا صلہ تھے،

ایک پر ماجرا زندگی کا حاصل تھے،

ایک بوڑھے باپ کے تنہا پسر تھے،

اور ایک تلخ نا امیدی کے بعد، ایک خوش آہنگ نوید تھے،

ابراہیمؑ کے لیے اسماعیلؑ تھے، تمہارا اسماعیل شاید ''تم خود'' ہو، شاید تمہارا گھرانہ ہو۔۔۔۔ تمہارا شغل ہو۔۔۔۔ تمہاری دولت ہو۔۔۔۔ تمہاری حیثیت

ہو۔۔۔؟ مجھے نہیں معلوم، ابراہیمؑ کے لیے ان کے بیٹے تھے، وہ بھی ایسا بیٹا، ایسے باپ کے لیے!

اب وہ اپنے باپ کی آنکھوں کے سامنے،۔۔۔۔۔ان آنکھوں کے سامنے کہ جو سفید بھوؤں کے سایہ تلے خوشی سے دمک رہی ہیں۔۔۔۔ پروان چڑھتے ہیں اور اپنے والد کی محبتوں اور مہربانیوں کی بارش اور شفقت پدری میں ان کی روح کا حصہ بن کر کمال کی منزلیں طے کرنے لگتے ہیں باپ ایک باغبان کی طرح اپنی زندگی کے گرم اور وسیع صحرا میں اپنے واحد خوش وخرم نونہال پر پوری توجہ مبذول کیے ہوئے ہے۔ گویا وہ اس کی روئیدگی کو دیکھ رہا ہے اور اپنی روح کی گہرائی میں نوازش عشق اور امید کی گرمی کو محسوس کر رہا ہے۔

ابراہیمؑ کی طویل عمر میں کہ جو شروع سے آخر تک سختی اور خطرے میں گزری، یہ وہ دن ہیں جن میں وہ اسمٰعیلؑ کو دیکھ دیکھ کر جی رہے ہیں یہی وہ دن ہیں، زندگی کے آخری دن کہ جن کے بارے میں ''ژید'' کہتا ہے کہ ''اس کے ہر لمحہ کو مرنے لیکر پینا چاہیے''

یہی وہ لڑکا ہے جس کی آمد کے لیے باپ نے سو سال تک انتظار کی گھڑیاں کاٹیں،

اور ایسے وقت آیا ہے کہ جب باپ کو اس کی امید نہ تھی!

اسماعیلؑ نے اب ایک پھل دار پودے کی صورت اختیار کی اور جوانی کی سرحد میں جان ابراہیمؑ بنا، ابراہیمؑ کی زندگی کا واحد ثمر، ابراہیمؑ کی ساری امیدوں، آرزوؤں، مسرتوں اور چاہتوں کا مرکز!

''ابراہیمؑ! اپنے دونوں ہاتھوں سے چھری اسماعیل کے حلقوم پر رکھ کر اسے کھینچو''!

کیا ایک ایسے پیغام کی ضرب میں اس باپ کی وحشت کو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔۔۔۔؟

اگر ہم ہوتے اور دیکھتے تو جب بھی ہمارا احساس اس کا احصانہیں کر سکتا تھا، درد کا اندازہ، خیال کے سینے میں نہیں اتر سکتا!

ابراہیمؑ اللہ کے خاضع بندے اور تاریخ بشر کے حاصی انسان، اپنی پوری عمر میں پہلی بار خوف سے کپکپاتے ہیں، رسالت کا فولادی بطل پگھل جاتا ہے، تاریخ کا عظیم بت شکن اندر ہی اندر ٹوٹ جاتا ہے، پیغام کے تصور سے وحشت میں مبتلا ہوتا ہے، لیکن، حکم حکم خدا ہے۔

جنگ! سب سے بڑی جنگ، اپنے آپ سے لڑائی، جہاد اکبر!

تاریخ کی عظیم ترین جنگ کا فاتح، اس سے، مغلوب، ضعیف، خائف اور آشفتہ و بے چارہ ہے!

جنگ، جنگ خدا اور اسماعیلؑ کے درمیان، ابراہیمؑ میں

''انتخاب میں دشواری''!

کس کو انتخاب کرتے ہو؟ ابراہیمؑ!

''خدا'' کو یا ''خود'' کو۔۔۔؟ ''نفع'' کو یا ''قیمت'' کو۔۔۔۔۔۔؟ ''رشتہ'' کو یا ''رہائی'' کو۔۔؟ ''مصلحت'' کو یا ''حقیقت'' کو۔۔۔۔۔۔؟ ''رہ جانے'' کو یا ''آگے بڑھنے'' کو۔۔۔۔؟ ''خوش

بختی'' کویا ''کمال'' کو۔۔۔؟ ''لذت'' کویا ''فرض'' کو۔۔۔؟ ''زندگی برائے زندگی'' کویا ''زندگی برائے مقصد'' کو۔۔۔؟ ''چاہت و راحت'' کو یا ''عقیدہ و جہاد'' کو۔۔۔؟ ''باپ پن'' کو یا ''پیغمبری'' کو۔۔۔؟ '' تعلق'' کویا ''پیام'' کو۔۔۔؟ اور آخر کار، ''اپنے اسماعیل'' کویا ''اپنے خدا'' کو۔۔۔؟

انتخاب کرو! ابراہیمؑ

مخلوق خدا کے درمیان ایک صدی کی خدائی رسالت، توحید کی نبوت، لوگوں کی امامت اور شرک کے خلاف جہاد میں ایک عمر گزارنے اور پھر بتوں کو توڑنے، جہل کو مٹانے، غرور کو کچلنے، ظلم و جور کو ختم کرنے، تمام محاذوں سے ظفریاب لوٹنے، تمام ذمہ داریوں کو کامیابی سے پورا کرنے، کسی منزل پر اپنی پرواہ نہ کرنے، اپنی ذات کے کسی مسئلہ میں راستے سے ایک گام بھی الگ نہ رکھنے، ہر انسان سے زیادہ خدا کا قرب حاصل کرنے، امت توحید کی پی ریزی کرنے، انسان کی امامت کو آگے بڑھانے اور ہر جگہ سے ہمیشہ کامیاب لوٹنے کے بعد کہیں تم مغرور نہ ہو جاؤ، آرام کرنے بیٹھ نہ جاؤ، یہ نہ سمجھو کہ تم ایک سورما ہو، ناقابل شکست ہو، ضعف سے دور ہو، تمہارے جہاد کی سو سالہ کامیابیاں کہیں تمہیں دھوکہ نہ دے بیٹھیں۔ اپنے آپ کو ''معصوم'' نہ سمجھو، زوال کے خطرے سے محفوظ نہ جاؤ، شیاطین کے وسوسے سے برحذر نہ سمجھو، ان دکھائی نہ دینے والے ہاتھوں کے مقابل اپنے آپ کو لوہا لاٹ نہ جانو کو جو ہمیشہ ''انسان صفت'' لوگوں کو اپنا نشانہ بناتے ہیں، تمہاری آنکھوں کا جھروکا خطرناک تیروں کی گزرگاہ ہے۔ نہ سمجھو کہ تم نے رستم کو بوڑھا کر

دیا ہے، اسے زمین سے لگا دیا ہے، افسانوی سیمرغ تم کو تم سے بہتر جانتا ہے، جانتا ہے کہ تم اب بھی خطرے سے باہر نہیں ہو، اب بھی محفوظ نہیں ہو، تم نے سر سے پیر تک اپنے آپ کو فولادی لباس میں ڈھانک لیا ہے اور سمجھتے ہو کہ لوہا لوٹ ہو، تم نہیں جانتے وہ جانتا ہے کہ اب بھی ایک جھروکا ہے جس سے وہ اندر آ سکتا ہے، تم پر تیر چلا سکتا ہے، تمہیں زخمی یا مسموم کر سکتا ہے، اسی مقام سے جس مقام سے کہ تمہاری آنکھ دنیا پر لگی ہوئی ہے وہ تمہیں نشانہ بنائے گا، تمہیں اندھا کر دے گا اور دنیا کو، اے فولادی انسان، اسی جگہ سے جہاں سے کہ تمہاری دنیا سے پیوستگی ہے، اسی راہ سے کہ جس سے تم نے دنیا سے رشتہ جوڑ رکھا ہے، اسی جھروکے سے جس سے کہ تم دنیا کو دیکھتے ہو تمہاری آنکھیں تاریک کر دے گا، اے ناقابل شکست انسان ـ ـ ـ ـ کہ جو کھڑے بڑ بولیاں کر رہے ہو ـ ـ ـ تمہیں سرنگوں کر دے گا، خاک و خون میں ملا دے گا، سیمرغ، ''رستم دستاں'' کا ''ہمدست'' (یعنی ہمنوا) ہے۔

اور تمہارے زوال میں ''ہمداستان''

اے ابراہیمؑ! اے تاریخ نبرد کے پرشکوہ ترین کامیاب سورما!

رستم کے والد کا نام ''دستاں'' تھا اسی لیے اسے رستم دستاں کہا جاتا ہے

اے ناقابل تسخیر فولادی روح کے مضبوط انسان، اے رسول اولوالعزم نہ سمجھو کہ ایک صدی کی الٰہی رسالت میں تمہارا کام ختم ہو گیا ہے! انسان اور خدا کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہیں، ''خدا، آدمی سے اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے'' لیکن خدا تک انسان کا راستہ، ابدیت کے فاصلے میں ہے، لامتناہی ہے! تم

کیا سوچ رہے تھے؟

تم نے رسالت میں، کمال کی بلند ترین چوٹی سر کی ہے، لیکن "بندگی" میں ابھی ناقص ہو، اے "خلیل خدا"! اے "زمین پر توحید کی بنیاد قائم کرنے والے"، اے "موسیٰ، عیسیٰ اور محمدؐ" کی راہ ہموار کرنے والے، اے آدمی کے کمال، اور اس کی عزت و شکوہ کے مظہر! تم ابراہیمؑ تو ہو گئے ہو لیکن "بندہ ہونا" دشوار تر ہے تمہیں "پوری طرح آزاد" اور "مطلق آزادی" ہونا پڑے گا!

اپنی تعریف کے گن نہ گاؤ، رجز نہ پڑھو اس لیے کہ آدمی کو بلندیوں کی چوٹی پر بھی ہمیشہ گرنے کا خطرہ رہتا ہے،

اور اس کا گرنا اور اس کا ڈھلاکہ جس نے زیادہ بلندیاں طے کی ہوں زیادہ خطرناک اور زیادہ المناک ہوتا ہے!

☆☆☆☆☆☆

"اپنے اسماعیل کی قربانی دو"!

"اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کرو"!

اپنے دل نشیں فرزند کو، میوہ دل کو، پارۂ جگر کو، نور نظر کو، حاصل عمر کو، اپنے گوشت پوست کو، اپنے سرچشمہ مسرت کو، اپنی بہار زندگی کو، اپنی کل کائنات کو، اس چیز کو کہ جس نے تمہیں زندگی سے باندھ رکھا ہے، اپنے ہونے، جینے اور زندہ رہنے کے مفہوم کو، اپنے بیٹے کو نہیں ــــ اپنے اسماعیل کو، قربانی کے ایک گوسفند کی طرح پکڑو، خاک پر لٹاؤ، اس کے ہاتھ پیر کو اپنے ہاتھ پیر کے نیچے دباؤ تا کہ وہ ہاتھ پیر نہ مارے۔ اس کے سر کے بالوں کو مضبوطی سے اپنی مٹھی میں پکڑو

اور سر کو کھینچ کر پیچھے کی طرف خم دو تا کہ شہ رگ تن جائے اور فولادی تیغ کی دھار سے نہ کھیلے، اس کی گردن کی کھال نہ سمٹے اور قربانی کو زحمت میں مبتلا نہ کرے۔۔۔۔۔!

اس کی شہ رگ کاٹ دو،

اپنے پیروں تلے اس وقت تک دابے رکھو جب تک تمہیں یہ نہ محسوس ہو جائے کہ اس کا تڑپنا ختم ہو گیا ہے اور اس کے بعد تم اٹھ کھڑے ہو اور اپنی قربانی کے سرد بدن سے الگ ہو جاؤ،

اے ''تسلیم حق'' اے ''بندہ خدا''

یہ ہے وہ چیز کہ جسے ''حقیقت'' تم سے چاہتی ہے

یہ ہے ''دعوت ایمان'' اور ''پیام رسالت''

یہ تمہاری ذمہ داری ہے، اے ''ذمہ دار انسان''

اے ''اسمٰعیل کے پدر''

اب یہ ابراہیمؑ ہے کہ جو رسالت کی طویل راہ کے اختتام پر ایک ''دوراہہ'' پر آ گیا ہے

اس کا سراپا وجود چیخ رہا ہے اسمٰعیل!

اور حق اس کے سر پر کوبہ زن ہو رہا ہے ''ذبح''!

اسے انتخاب کرنا ہے!

''حقیقت'' اور ''منفعت'' دونوں اس میں، ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان ہیں، وہ منفعت کہ جس کا رشتہ اس کی جان سے ہے اور وہ حقیقت کہ جس

کا تعلق اس کے ایمان سے ہے!

اگر حقیقت اس سے اس کی موت کا تقاضا کرتی تو وہ اس کے لیے آسان تھا ابراہیمؑ برسہابرس سے اس کی راہ میں اپنی ''جان'' سے گزر چکے ہیں اور اسی بات نے انہیں مطمئن کر دیا تھا کہ وہ ''بندہ آزادِ حق'' ہو گئے ہیں اور یہ نیز ان کے لیے ایک ''خودخواہی'' ہے ایک ''ضعف'' ہے،

وہ باتیں کہ جو اچھی روحوں اور اچھے انسانوں کے لیے اچھی ہیں، ابراہیمؑ کے لیے۔۔۔روح خدا اور بلند پایہ انسان کے لیے۔۔۔۔۔۔بری اور بدنما ہیں۔

''اخلاق کی نسبیت'' کو ابراہیمؑ کی تعلیمات میں ملاحظہ فرمائیں کہ کیونکر تھیں اور کہاں تک تھیں؟!

اے ''اپنی جان سے ہاتھ دھونے والے'' اسماعیلؑ سے ہاتھ دھو لو!

''تردید''

کتنی جانکاہ! کتنی خطرناک!

اور نتیجہ میں ''توجیہ''!

ایسے موقع پر کہ جب آدمی کو اس کا ایمان بلائے اور دل نہ مانے!

''حسنات الابرار، سیئات المقربین'' اچھے آدمیوں کی اچھائیاں، مقرب انسانوں کی برائیاں ہیں۔

اس کی ذمہ داری اس کو ''دل پھیرنے'' کے لیے کہے، اس بات کو کہے کہ جو آسانی سے اس کے دل سے نہ نکل سکتی ہو تو وہ ''گریز کی راہ'' ڈھونڈتا ہے۔

اور ''صحیح توجیہات''، ''غلط توجیہات'' سے بدتر ہو جاتی ہیں، یعنی ایک ''

حقیقت'' کو کچلنے کے لیے دوسری ''حقیقت'' پر تکیہ!

اور کیا المیہ ہے کہ ''باطل'' ایک ہاتھ میں ''عقل'' کو تلوار پکڑواتا ہے اور دوسرے ہاتھ میں ''شرع'' کو سپر!

اور یہی وہ منزل ہے کہ جس میں قرآن بھی شرک کا پرچم بن جاتا ہے اور علیؑ کو بھی ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں!

''حسینؑ کی امت'' کو، ''یزید کی عاقبت'' ملتی ہے!

توجیہہ!

اور اس کی بدترین قسم ۔۔: عقلی توجیہہ!

اور المناک ترین قسم ۔۔۔: شرعی توجیہہ!

''ذمہ داری'' سے گریز ۔۔۔!

''اپنے اسمعیلؑ کو ذبح کرو''!

'' کیسے معلوم کہ اس عبارت میں یہی مفہوم لیا گیا ہے جو ہم سمجھ رہے ہیں ۔۔۔۔؟''

کیسے معلوم کہ لفظ ''ذبح'' سے مراد اس کے لغوی معنے ہیں اور یہ مجازاً استعمال نہیں ہوا ہے؟ جیسا کہ ۔۔۔۔ فی المثال ۔۔۔ کہا جاتا ہے:

''نفس کو مارو'' اس سے مراد یہ ہے کہ ''نفس کے وسوسے سے پرہیز کرو، پابند نفس نہ رہو'' یا معصوم کا کلام ہے ''موتوا قبل ان تموتوا'' (مرنے سے پہلے مر جاؤ) اس میں پہلا مرنا حقیقی اور دوسرا مجازی ہے، ایک ارادی موت ہے یعنی ''اپنے آپ کو مار دو'' اور ظاہر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ خود پرستی کو اپنے سے دور کر دو

پس ثابت ہوا کہ اس بیان میں ''موت'' بہ معنائے ''موت'' نہیں۔

کیسے معلوم کہ ''اپنے اسماعیل'' میں ''اپنے'' کی ضمیر خصوصی طور پر میری طرف لوٹتی ہے اور اس خطاب میں اس کا مخاطب میں ہوں؟ کیسے پتہ کہ اس منزل پر خطاب، عام نہیں؟ اور خاص خطاب کی صورت میں اسے مجازاً لایا گیا ہے؟ جس طرح کہ علم معانی و بیان کا طریقہ ہے اور کئی آیات و روایات اور شعراء کے اشعار سے اس کا ثبوت مہیا ہو سکتا ہے۔

'' کیسے معلوم کہ بنیادی طور پر لفظ ''اسماعیل'' سے مراد، یہی میرا بیٹا اسماعیل ہو؟ ممکن ہے یہ کسی اور مفہوم کا کنایہ ہو، مصداق، کوئی اور رہو، ہو سکتا ہے کہ اسماعیل کا لفظ اسم معانی یا اسم صفت ہو، کوئی مشتق لفظ ہو، بعید نہیں کہ یہ اپنے لغوی مفہوم میں آیا ہو اور اس عبارت میں علمیت (یا اسم معرفہ) نہ رکھتا ہو۔۔۔۔۔۔؟''

'' کیسے معلوم کہ ''ذبح اسماعیل'' کے اضافے میں لفظ اسماعیل مضاف الیہ نہ ہو اور اس نے مضاف کی جگہ لے لی ہو اور مضاف عقلی قاعدے کی رو سے حذف ہو گیا ہو اور یہ قاعدہ لسان عرب میں رائج ہے اور کلام الٰہی میں بھی آیا ہے جیسے ''سائل القریہ'' یعنی: ''سائل اهل القریہ ''اور یہاں'' ذبح اسماعیل'' سے مراد اسماعیل کی چاہت کا ذبح ہو۔

بالفرض اگر ہم ان تمام مذکورہ احتمالات کو رد بھی کر دیں یعنی اگر ہم ان تمام احتمالی مفاہیم کو محال فرض کریں اور خداوند عالم کے ارشاد کو اسی مفہوم میں لیں کہ جو ظاہر الفاظ سے فوری طور پر سامع کے ذہن میں اترتا ہے، اور ان تمام الفاظ میں سے کسی ایک لفظ کے بھی ممکنہ مفہوم کو تسلیم نہ کریں، یہ بات کیسے معلوم ہو گی کہ اس

حکم کے اجراء کا موقع اور باری تعالی کے امر کا تعین ''ابھی اور اسی وقت'' ہے؟

اس حکم کی ''نص'' میں اس پر عمل کا وقت معین اور مقید نہیں ہوا ہے، اور یہ عقلی اصل واضح ہے کہ جس چیز کو شرع نے متعین نہیں کیا اور وہ وحی میں منصوص نہیں ہے اسے عقل کے تعین پر چھوڑتی ہے اور یہ مکلّف پر ہے کہ وہ اس کو اپنے تقاضوں، مصلحتوں، زمان و مکان کی ضرورتوں، سہولتوں اور موجودہ اسباب و لوازم کی بنیاد پر اختیار کرے،

جس طرح کہ کتاب اللہ میں حکم جہاد آیا ہے لیکن جہاد کی صورت کو افراد حالات و کیفیات اور عقل کے تقاضوں کے مطابق معین کرتے ہیں یا پھر سنت میں ''طلب علم'' کا حکم ہوا ہے اور ہر مومن پر مومن طالب علم ایک فریضہ ہے اور یہ حکم سب کے لیے ہے لیکن کوئی، اس بات کا پابند نہیں کہ جونہی وہ اس واجب تکلیف کا مکلّف ہوا طلب علم کے لیے اقدام کرے اگر وہ اپنی عمر کے آخری لمحوں میں بھی کہ جب وہ بستر مرگ پر موت و زیست کے درمیان ہو اور اس واجب پر عمل کرے تو اس کی جانب سے اطاعت امر ''ہوگیا''

اور اسی حکم کی طرح ''حج'' ہے کہ جو حاجی کو زندگی میں مقید کرتا ہے اور اسے رکھ چھوڑا جاتا ہے اس وقت کے لیے کہ جب وہ اپنے تمام فرائض سے فارغ ہو جائے اور اس میں کوئی شرعی اشکال بھی نہیں ہے کیونکہ یہ وہ دین ہے کہ جسے سر سے اتارنا ضروری ہے اب جب بھی اتارا، اتارا

چونکہ یہ بندہ مومن حج کے بارے میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں مسئول ہے دنیا میں نہیں اور شرع کے احکام، موت کے بعد ثواب و صلہ حاصل کرنے کے

لیے ہیں،موت سے پہلے کی زندگی میں حصول کمال، اور فکر و احساس کی تربیت کے لیےنہیں ہیں۔

کیسے معلوم کہ بنیادی طور پر یہ فعل امر کہ ''اسمعیل کو ذبح کرو'' علم اصول کے اعتبار سے ۔۔۔۔ایک ''انشائی امر'' ہو؟ بلکہ یہ احتمال قوی، بلکہ اقوی اور یہ ظن متصل بہ یقین اس کو ایک ''ارشادی امر'' کہنا مناسب ہوگا لیکن '' آتـو الزکاۃ'' کی آیت کی طرح نہیں کہ لوگوں پر یہ فرض ہوجائے کہ وہ اسے فوری طور پر اس کے اہل کو ادا کریں اس لیے کہ یہ ایک ''مولوی''یعنی منسوب بہ مولی امر ہے، یعنی اس امر کی طرح ہے کہ جو''مولی'' یا آقا اپنے عبد یا اپنے غلام کو دیتا ہے کہ جس کا انشاء۔۔۔یعنی انجام دہی اور عمل پذیری۔۔اس کے غلام پر واجب ہے اور ضروری ہے کہ وہ فوری طور پر اس کی اطاعت کرے، بلکہ '' تـدلـو بهـا الـی الحکام'' کی آیت کی طرح ہے کہ جس میں باری تعالی چاہتا ہے کہ ہمیں اس امر پر ارشار کرے کہ حاکموں کا، یتیموں کے مال کو کھانا ، حق تعالی کی نگاہ میں ایک قبیح فعل ہے، لہذا اس آیت میں امر ارشادی ہے اور ارشادی امر وہ ہوتا ہے کہ اگر شارع نہ بھی کہے تب بھی یہ امر بہ حکم عقل لازم ہوتا ہے بہ الفاظ دیگر ارشادی امر وہ امر ہے کہ جس کے ذریعے شارع، انسان کو عقل کے حکم کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اس بنا پر اگر ہم دوسرے احتمالوں تفسیروں اور تاویلوں کی بھی نفی کریں تو قدر متیقن یہ ہے کہ اس حکم سے باری تعالی کا مقصد، یہ بیان کرنا ہے کہ اصولاً بندگی اور اطاعت الہی کی منزل پر فرزند کی محبت بے معنی ہے، اور اس کا ''محصل''، مفہوم، یہ کلی حقیقت ہے کہ حق تعالی کے سامنے ضروری ہے کہ مطلق خود سپردگی، اور مکمل

تسلیم کا عالم ہو، اس کے سامنے ہر چیز کو بھلانا ایک امر واقع ہے اور زندگی کی عزیز ترین چاہتیں، حق سے رجوع، اور اس سے اتصال کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنی چاہئیں، اور چونکہ اولاد کی شدید محبت، بندہ کو اپنی ذات میں مشغول اور ذکر خدا سے باز رکھتی ہے اور ابراہیمؑ کو اسماعیلؑ سے شدید محبت ہوگئی تھی اس لیے لسان وحی میں ''ذبح کرو'' کے لفظ کے ساتھ اس کی نفی کی گئی ہے اور اس نفی سے بھی مراد خوشی اور مسرت کی نفی ہے، یعنی اس مفہوم کی طرف ابراہیمؑ کو توجہ دلانا ہے کہ اسماعیلؑ سے تمہاری شدید محبت اس بات میں رکاوٹ بنتی ہے کہ تم اپنی روح اور اپنے قلب کو مکمل طور پر حق تعالی کے عشق میں مصروف رکھو، اور اس کے غیر کی محبت سے سمجھ لو۔۔۔۔ جس طرح کہ اپنے مقام پر تحقیق کو پہنچی۔۔۔۔ کہ ''اسمعیل کے ذبح'' سے مراد ''اسمعیل کی چاہت'' کا ذبح ہے، اور یہ وہی مفہوم ہے کہ جو بصورت خبر ''انما اموالکم و اولادکم فتنة'' کی آیت میں آیا ہے۔

ان تمام عقلی اور شرعی وجوہ، آیتوں اور روایتوں کے استناد، علم کلام و اصول کے پیمانوں اور عقلی و نقلی شواہد سے ہٹ کر، ان قوانین کی رو سے جو ہمارے پاس ہیں'' بنیادی طور پر یہ عمل، خلاف شرع مبین ہے!''

پس معصیت اور فعل حرام کو کسی طرح بھی ذات باری تعالی کی سند نہیں بنایا جا سکتا۔

ہاں ''توجیہ''! ''گریز کی راہ'' ڈھونڈنا، اس موقع پر کہ جب ''ذمہ داری'' سخت ہو جاتی ہے اور اس امر کے مناسب حال نہیں ہوتی جسے آدمی چاہتا ہے، لیکن جب حقیقت ''زندگی کے پہلو'' میں آتی ہے بہت سے ''حق طلب'' ہو جاتے ہیں، کام

کاج، بازار کی مصروفیتوں اور اچھی، آرام دہ بے دغدغہ و بے دردسر زندگی کے حوالے سے ''نیک کاموں'' کی انجام دہی کے ذریعے حق کو راضی کیا جا سکتا ہے اور جب ''حقیقت''، ''زندگی کی گزرگاہ'' میں آ جائے اور خود سامان زندگی بن جائے اور سرمایہ کار اور روٹی پانی دینے لگے اور اس کے نتیجے میں: پیشہ، ایک با ضابطہ پیشہ اور کام کاج کا لائسنس بن جائے اور سامان خورد و نوش فراہم کرے، نام ونشان دے تو پھر ہر کوئی حق پرست ہو جاتا ہے اور باحمیت مومن، اور اس آرزو میں بھی رہتا ہے کہ وہ اس راہ میں سرپرست امور اور صاحب اثر شخصیت بن جائے۔

لیکن جب حق ''زندگی کے مقابل'' آتا ہے اور ''حق پرستی'' باعث زحمت باعث دردسر اور باعث خطر و ضرر ہو جاتی ہے۔۔۔۔اور ایک ایسی ذمہ داری لاد دیتی ہے کہ جو بہت بھاری ہے اور راستہ بھی پتھریلا اور چڑھان والا، اور پھر اس میں جگہ جگہ گرنے کا خطرہ اور کثرت سے رہزنوں کی پناہ گاہیں، ہوا طوفانی، رات کالی اور ہول انگیز، ساتھی بھی مختصر اور ہر قدم پر ان کی کمی اور آخر میں تنہا! اور ہر اس چیز سے دل اٹھالینا جو تمہیں نیچے درہ میں رہنے کو کہتی ہے اور اس قوم اور قبیلے کے ساتھ ہمساز ہونا کہ جس نے رات کی خو پکڑی ہو اور درہ میں رہ گئے ہوں اور سب ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوں، حق کا پیغام تم سے کہتا ہے کہ تم اپنے نام ونان اور جان و عشق کے اسمٰعیل سے وابستگی کو ختم کر دو اور چل پڑو، تمہارے دل کا وسوسہ تم سے کہتا ہے کہ رہ جاؤ، رکے رہو، سمجھوتہ کرو، ایسی منزل پر انسان کا آخری فریب کہ جو آگاہ بھی ہے اور ذمہ دار بھی ''توجیہ'' ہے اس راستے کی دریافت کہ جو

اسے روک سکتے اور وہ رہ جائے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے وجدان اور اپنے ضمیر کو بھی مطمئن کرے، اپنی ملامت کی آواز کو اپنے اندر گھونٹ دے، دین میں اس طرح تحریف کرے کہ وہ دنیا سے میل کھائے، وہ راستہ اختیار کرے کہ جس سے دوسروں کی طرح وہ بھی اپنے اسمٰعیل کو بچالے لیکن دوسروں کی طرح، حق سے کفر، خدا کی نافرمانی، اور خلق خدا سے خیانت اور بددیانتی کا الزام اس کے سر نہ آئے۔ شراب پیے لیکن بقصد شربت، بہ نیت دوا! توجیہہ یعنی ناحق کو حق کی صورت دینا، اب تم جو چاہو اس کا نام رکھو:

توجیہہ فقہی، توجیہ شرعی، توجیہ عقلی، توجیہ عرفی، توجیہ علمی، توجیہ عمرانی، یا پھر نفسیاتی توجیہ، سماجی علوم پر مبنی توجیہ، ڈیالکٹیکی (Dialectique) یا منطقی اور جدلی توجیہہ، روشن خیالانہ توجیہہ، جو بھی ہو۔۔۔۔

لیکن، حج میں، وہ بھی عالی نسب بوڑھے ابراہیمؑ کی سرگزشت میں، وہ بھی ایسا ابراہیمؑ کہ جو تمام آزمائشوں میں کامیاب رہا اور جو تقویٰ، صداقت، علم و عمل، مشقت، جہاد اور حق پرستی میں یکتا اور مطلق تھا۔

انہیں آشکارا "کیسے معلوم"موں میں سے ایک معلوم، ابراہیمؑ کی پختہ عقل، اس کی ہموار اور اٹل صداقت کے گلے پڑ گیا:

اس پیام کو میں نے خواب میں سنا، کیسے معلوم کہ۔۔۔۔!

ابلیس ان کے دل میں "بیٹے کی محبت" کو ابھارتا ہے اور ان کی عقل میں "منطقی دلیل" پھونکتا ہے۔

یہ پہلی بار،

''حجرۂ اولیٰ'' رمی کرو

ابراہیمؑ، حکم کی تعمیل سے پہلو تہی کرتے ہیں اور اپنے اسمٰعیلؑ کو بچا لیتے ہیں،

☆☆☆☆☆☆☆

''ابراہیمؑ، اپنے اسمٰعیلؑ کی گردن پر چھری چلاؤ''

اس مرتبہ، پیام صریح تر اور قاطع تر ہے۔۔۔۔۔!

جنگ ابراہیمؑ کے اندر ایک غوغا برپا کرتی ہے۔تاریخ کا عظیم سورما، بے چارگی کے عالم میں ہے اور پریشانی، تردید، خوف اور کم طاقتی نے اسے عاجز کر دیا ہے،

توحید کی عظیم رسالت کا محافظ، بازیچہ ابلیس؟!

خدا اور ابلیس کے درمیان کشاکش میں وہ چکنا چور ہو گیا ہے، اور درد و غم نے اس کی ہڈیوں تک کو جلا دیا ہے۔

بشری وجود، اور اس بشری وجود کی گہرائی میں عقل و عشق، شعور و وجدان، زندگی اور ایمان! اور خود اور خدا کا تضاد!

بشر۔۔۔حیوان و انسان، فطرت و خدا، عزیزہ و خود آگاہی، زمین و آسمان، دنیا و آخرت، خود خواہی و خدا خواہی، واقعیت و حقیقت، لذت و فضیلت، رہنے و چلنے، شہود و غیبت، ہونے و ہوتے رہنے، اسارت و نجات، رہائی و ذمہ داری، خود پسندی و خدا پسندی، شرک و توحید،

''میرے لیے'' اور ''ہمارے لیے''

اور آخر میں ''وہ جو ہے'' اور ''وہ جو ہونا چاہئے'' کے درمیان واسطہ کی ایک کڑی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

دوسرا دن ہے، ''ذمہ داری'' کا بوجھ ''چاہت'' کی کشش پر پچھلے دن سے زیادہ بھاری ہو رہا ہے۔

اسماعیلؑ خطرے میں پڑا ہے اور اس کی حفاظت دشوار تر، ابلیس کو، ابراہیمؑ کے فریب کے لیے زیادہ ہوشیاری، زیادہ منطق اور زیادہ مہارت کی ضرورت ہے۔

کچھ اس طرح کی ترکیب کرنی ہے کہ جس طرح اس کے ''آدم'' کو ''ممنوعہ میوہ'' کھلایا۔۔۔!

ابراہیمؑ: ایک انسان، جمع ضدین، نور وظلمت کی جنگ کے محاذ، آہورا اور اہریمن، کیچڑ اور روح کے بنے ہوئے، بدبودار کیچڑ اور روح خدا، یہ " فالھمھا فجورھا وتقوھا'' کا نفس!

اور ''تم'' ایک تردید، ایک ''پس وپیش''، ایک ''انتخاب'' اور بس

''رشتہ'' کو یا ''پیام'' کو۔۔۔۔؟

اے خدا کے رسولؐ! اے ''مسئول''! اے لوگوں کے پیام آور! تم چاہتے ہو کہ اپنے اسمعیلؑ کے باپ رہو؟

لیکن۔۔۔۔ میں اسمعیلؑ کو ذبح کروں؟ یا۔۔۔۔ اپنے ہاتھوں کو۔۔۔۔۔؟

ہاں۔۔۔۔!

حق کے سامنے اسماعیلؑ سے ہاتھ دھونا پڑے گا، عقیدہ کا تقاضا، جذبہ اور محبت کے تقاضے سے برتر ہے۔

دعوت ''پیام''؟ یا ''باپ ہونے'' کی لذت؟

ابلیس ان کے دل میں ''بیٹے کی محبت'' کو بڑھاتا ہے، اور ایک ''**منطقی دلیل**''

دیتا ہے،

لیکن ۔۔۔ میں نے تو اس پیام کو خواب میں سنا، کیسے معلوم کہ ۔۔۔۔۔؟

یہ دوسری بار،

''جمرہ وسطیٰ'' رمی کرو ۔۔۔۔۔!

حکم کی انجام دہی سے اپنے آپ کو باز رکھتے ہیں اور اسمٰعیلؑ کو بچا لیتے ہیں،

☆☆☆☆☆☆

''ابراہیمؑ! اپنے اسمٰعیلؑ کو ذبح کرو''!

زیادہ صراحت اور زیادہ سختی سے،

''توجیہ'' سخت مشکل ہوگئی، حقیقت کی روشنی اور ذمہ داری کا دباؤ راہ فرار سے زیادہ صریح اور زیادہ بھاری ہوگیا۔

ابراہیمؑ سخت بے چین ہیں اور محسوس کر رہے ہیں کہ اب پیام میں تردید، توجیہ نہیں بد دیانتی ہے، ''رشد'' و ''غی'' کی سرحد ان کے سامنے اتنی صاف اور اتنے صریح انداز میں نمایاں ہوئی ہے کہ ابلیس کی ساری فریب کاری معطل ہوگئی ہے۔

ابراہیمؑ کو احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے اس پیام کے انکار میں ابلیس کی بات مانی ہے۔

بس گرنے میں ایک قدم رہ گیا ہے!

ابراہیمؑ کا سقوط ۔۔۔۔۔!

بت شکن ابراہیمؑ، اولوالعزم رسول، اسلام کی بنیاد مستحکم کرنے والے، خلق کے راہبر ۔۔۔۔

توحید کی بلند چوٹی سے،

"شرک" کے پست ترین کیچڑ کی طرف!

میں کیا کہہ رہا ہوں ۔۔۔۔۔۔۔؟

شرک ۔۔۔۔؟ نہیں! شرک، خدا کے ساتھ کسی دوسرے یا دوسروں کی پرستش ہے۔

اور اس وقت ۔۔۔۔ اس زبان میں جس زبان میں کہ قرآن عبادت اور توحید و شرک کی بات کرتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ابراہیمؑ، خدا کے بجائے اس ابلیس کی پرستش کے دہانے میں ہیں کہ جو ۔۔۔۔۔۔ منیٰ کے محاذ میں ۔۔۔۔۔ الہ کے روبرو دھڑلے سے کھڑا ہے!

کسی تدبیر سے یہ ممکن نہیں کہ دونوں کے ساتھ دوستی کی جائے،

اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ خود کو ان سے علیحدہ کر لیا جائے

نہ "مشترک زندگی" نہ "غیر جانبداری"!

اہ ۔۔۔۔! کہ یہ داستان کتنی دشوار اور کتنی ہولناک ہے

اور انسان، دنیا کا یہ خدائی چہرہ کہ جو کائنات کو اپنے زیر فرمان لا سکتا ہے کس قدر کمزور اور ناتواں ہے!

اپنے اندر روح خدا رکھتا ہے،

اور ۔۔۔۔۔

''ضعف'' سے آغشتہ ہے۔۔۔۔۔۔!

حج میں کوئی مقام، سقوط یا زوال سے محفوظ نہیں! زندگی میں، پاؤں پاؤں چلنے والے بالک کی طرح اور اس دہانے پر، جہاں سے گرنے کا خطرہ ہے، ہمیشہ اس بات کی ضرورت ہے کہ احتیاط سے کام لیا جائے! توحیدی پیغمبروں کے خاتم بھی۔۔۔۔۔کہ جو سلسلہ معصومین میں پہلے معصوم ہیں۔۔۔۔۔۔اگر اپنے آپ کو نہ سنبھالیں، تو پھسل جائیں گے اور جو کچھ کیا ہے وہ سب برباد ہو جائے گا، حتیٰ کہ وہ شرک کے خطرے سے بھی محفوظ نہیں۔

ابراہیمؑ صاحب عزم پیغمبروں کے پدر تاریخ انسان میں قاتل شرک اور بتوں کے توڑنے والے، عمر کے آخری مرحلہ میں اپنی الٰہی عزت اور انسانی طاقت کی بلندی پر صرف ''فرزند کی چاہت'' انہیں ابلیس کی تباہی کے دہانے تک لے آئی ہے!

باہمت ترین بطل توحید، پیغمبران الٰہی کے پدر بزرگوار، ایک صدی کی ابراہیمی زندگی گزارنے کے بعد بھرپور افتخار و یقین کی الٰہی صورت بن کر ابلیس کا شکار ہو گئے ہیں۔

اب تمہارے لیے کوئی راہ نہیں رہی ہے خدا اور شیطان تمہارے دونوں طرف کھڑے ہیں، کس کو انتخاب کرتے ہو؟ ابراہیمؑ!

ابراہیمؑ پر حجت تمام ہو چکی ہے اور یہ بات اب ان پر کھل چکی ہے کہ یہ ''پیام'' پیام حق ہے اور اب اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

کہ اس کی تردید ابلیسی عمل ہے

وہ اس سلسلے میں اور بھی ''منطقی دلیل'' لا سکتے ہیں ان کی **منطقی دلیل** ابھی اسی طرح باقی ہے مگر ان کا ضمیر ان کا مذاق اڑا رہا ہے۔

وہ حقیقت کی روشنی اور گرمی کو ایک انگارے کی طرح اپنی فطرت کی گہرائی میں، اپنے احساس میں اور اپنے پورے وجود میں محسوس کر رہے ہیں۔

''حقیقت''، عقلی دلائل کی محتاجی سے کہیں زیادہ طاقت ور، کہیں زیادہ واضح، اور کہیں زیادہ قریب تر ہے حقیقت شناس مرد، اس کو سورج کی گرمی کی طرح محسوس کرتا ہے اور جس طرح اپنی موجودگی اسے دکھائی دیتی ہے اسی طرح وہ حق کے وجود کا بھی وجدان کرتا ہے۔

حق پرست انسان، حق کو پانے والا شامہ رکھتا ہے، ایک ایسا شامہ کہ جو کبھی خطا نہیں ہوتا، بالکل شہد کی مکھی کی طرح کہ جو میلوں دور سے کوہ و دشت و تاریکی و طوفان اور کوہستانی، بری اور بحری الٹے سیدھے راستوں سے اپنے نظر نہ آنے والے چھتے کی راہ کو اپنے اندر کی سمت معین کرنے والی طاقت سے ڈھونڈتی ہے اور پہنچ جاتی ہے حق شناس انسان بھی اسی طرح حق کو ڈھونڈ لیتا ہے اور اس کی سمت کو، راتوں میں، طوفانوں میں، سازشوں میں، ہزاروں وسوسوں میں، شعبدہ بازیوں میں، چکرا دینے والی نظر بندیوں میں ـــــ تشخیص دیتا ہے اور ابراہیم ـــــ تاریخ کے حق پرستوں کا سرخیل ـــــ کہ جس نے اپنی ایک طویل عمر حق پرستی میں گزاری حق کی گود میں پلا، بڑھا، پختہ و بارآور ہوا، اس سے کس طرح ممکن

ہے کہ وہ حق کے پیام کو نہ سمجھے اور ابلیس کے وسوسے کو نہ جانے؟

ہر چند کہ اس وقت دوست نے، اس کے لیے ایک ایسی آگ روشن کی ہے کہ جو اس آگ سے زیادہ ہولناک اور زیادہ جلانے والی ہے کہ جسے دشمن نے افروختہ کیا تھا۔

اور ہر چند کہ، دشمن، اس وقت اس کوشش میں ہے کہ وہ اس آگ کو اس کے لیے گلزار بنا دے!

دوست اور دشمن اور حق و باطل کا معیار، وہ سلوک نہیں ہے جو تمہارے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ان کا معیار، کچھ اور ہے، میرے اور تمہارے نفع نقصان سے بالاتر۔

ابراہیمؑ اب سمجھ رہے ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہئے انہوں نے پیام مفہوم کو یقین سے پا لیا ہے۔۔۔۔ جانتے ہیں کہ وہ تمام تر دیدات شروع ہی سے شیطان کی کار گزاری تھی اس بوڑھے باپ کی ناقابل بیان محبت نے کہ جس نے ایک عمر انتظار کے بعد، ناامیدی کے عالم میں، ایک بیٹا پایا ہے اسے ناخودآگاہ طور پر اس طرح کی توجیہات و تردیدات میں الجھا دیا تاکہ کسی طرح گریز کی راہ کھل جائے، ایک ایسی راہ کہ جس میں شاید وہ خدا کے مقابل آئے بغیر، حق سے سرتابی کیے بغیر اپنے لیے اسماعیلؑ کو باقی رکھ سکے۔ لیکن اب ہر چیز اس پر کھل گئی ہے۔

دردناک، دردناک!

آہ۔۔۔۔ کتنی عظیم مصیبت! کتنا ہولناک موقف!

ابراہیمؑ فرائض کی ادائیگی کی راہ پر ہیں، ہاں، وہ اس کو اب اچھی طرح جانتے ہیں لیکن یہ فریضہ، تصور پدری سے زیادہ تلخ اور زیادہ دشوار ہے۔

وہ بھی ابراہیمؑ جیسے تنہا اور بوڑھے باپ!

اور وہ بھی اسمعیلؑ جیسے تنہا فرزند کی قربانی!

کاش کہ یہ قربانی، اسمعیلؑ کے ہاتھوں ابراہیمؑ کی ہوتی، کتنا آسان تھا۔۔۔۔۔۔!

اور کتنا لذت بخش!

لیکن نہیں، نوجوان اسماعیلؑ کو مرنا اور بوڑھے باپ کو زندہ رہنا ہوگا، اکیلا اور مصیبت زدہ۔۔۔

اپنے بوڑھے خون سے رنگین ہاتھوں کے ساتھ!

ابراہیمؑ جب بھی اس پیام کے بارے میں سوچتے ہیں سوائے تسلیم اور کوئی بات ان کے ذہن میں نہیں آتی اور اب معمولی سی تردید بھی ان کے نزدیک نہیں پھٹکتی، پیام، پیام خدا ہے اور ابراہیمؑ، تاریخ کے یہ بڑے گنہگار، اس کے سامنے تسلیم محض!

لیکن ہر بار جب وہ حکم کے اجراء اور اسمعیلؑ کے ذبح کے بارے میں سوچتے ہیں تو عاجزی اور لاچاری اس طرح ان پر بوجھ ڈالتی ہے کہ وہ دوہرے ہو جاتے ہیں غم نے آئینہ کی طرح ان کے صاف و شفاف کھلے ہوئے چہرے کو، ایک جلے ہوئے چمڑے کی صورت بنا دیا اور اس پر جھریوں کے، اور نیل کے اثرات پیدا کر دیے اور اب وہ غم کے پہاڑ تلے گویا اپنی ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز سن رہے ہیں۔

ابلیس، جب ابراہیمؑ کے پورے وجود پر ضعف، بے چارگی اور ہراس کے غلبہ کو دیکھتا ہے، اور دیکھتا ہے کہ درد و غم اس کا کیا حشر بنا رہا ہے تو اس کی امید بندھ

جاتی ہے، اس لیے کہ ابلیس ۔۔۔۔وہ کینہ پرور دشمن کہ جو زمین پر آدم کے ہبوط سے اس کے بچوں کی تاک میں ہے۔۔۔۔ جہاں کہیں بھی آدم زاد کی بو سونگھتا ہے حاضر ہو جاتا ہے اور جس کسی پر بھی خوف، کمزوری، تردید، یاس، حسد، خودخواہی، بے شعوری، حتیٰ کہ کسی چیز میں حد درجہ دل چسپی کے اثرات کو دیکھتا ہے اپنا کام شروع کر دیتا ہے یہاں تک کہ اچھی چیزیں ابلیس کے لیے برا سرمایہ ہو سکتی ہیں اور وہ تمہارے پیروں میں زنجیر ڈال دیتا ہے، تمہیں اپنی طرف بلاتا ہے، فرائض کی انجام دہی سے روکتا ہے، پیام حق کی روشنی اور صراحت کو تمہارے دل میں بجھاتا ہے اور تمہارے اندر سستی پیدا کرتا ہے، حتیٰ کہ فرزند کی محبت میں تمہیں اندھا کر دیتا ہے ''انما اموالکم واولادکم فتنۃ'' ! فتنہ۔۔۔؟ ''آزمائش کی بھٹی''! ''عقیدے کے راستے کی رکاوٹ''! اور اسمٰعیلؑ اس وقت ابراہیمؑ کی واحد دلچسپی کا مرکز اور ابلیس کے مقابل ان کی واحد کمزوری ہیں۔

تاہم اب ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ کی حیات سے دل اٹھا لیا ہے، پیام، پیام حق ہے لیکن ان کے دل میں ''اسماعیل کی موجودگی'' کی جائے لذت کو اس کے کھونے کے درد نے پر کر دیا ہے غم ایک بپھرے ہوئے بجو کی طرح ابراہیمؑ کو چمٹے اندر ہی اندر سے انہیں کھا رہا ہے غم کی بو ابلیس کو مست کر رہی ہے، وہ خوش ہو رہا ہے۔ غم آدم زاد کو ابلیس کا تر نوالہ بناتا ہے۔

ابلیس کی ایک دفعہ پھر امید بندھ گئی۔

اس نے پھر غم میں ڈوبے ہوئے ابراہیمؑ پر لالچ کی نگاہ ڈالی، اور ان کی سمت بڑھا اور آہستہ سے ان کے ''ناخودآگاہ شعور'' میں دوڑ گیا اور پھر وہی کہا جو اس سے

دو دفعہ پہلے کر چکا تھا،

ابلیس کی منطق ہمیشہ ایک ہے، ایک چیز کی تکرار ہے ہر چند کہ وہ سینکڑوں رنگ و نیرنگ کا حامل ہو:

اس پیام کو میں نے خواب میں ۔۔۔۔!

لیکن نہیں، بس ہے، اب بس ہے ابراہیمؑ!

ابراہیمؑ نے فیصلہ کیا،

انتخاب کیا،

معلوم ہے کہ ابراہیمؑ نے کس چیز کو ''انتخاب'' کیا؟

کس چیز کو۔۔۔۔؟

''بندگی خدا کی مطلق آزادی کو''!

ذبح اسماعیلؑ کو!

وہ آخری رکاوٹ جو اسے اپنی بندگی کی طرف بلا رہی تھی!

پہلے انہوں نے ارادہ کیا کہ اس بات کو اپنے لڑکے سے بیان کریں، لڑکے کو آواز دی۔۔۔۔

لڑکا آیا،

باپ نے ''اپنی اس قربانی'' کو سر سے پاؤں تک دیکھا!

اسماعیلؑ، یہ عظیم ذبیحہ!

☆☆☆☆☆☆

اس وقت منیٰ میں لوگوں سے دور، ایک پتھر پر باپ اور بیٹے نے خلوت اختیار

کی ہے، دونوں میں گفتگو ہو رہی ہے۔

باپ کے سر اور چہرے پر بڑھاپے کی برف جمی ہوئی ہے ایک سو سال سے زیادہ کے عرصے نے ان کے دکھ بھرے وجود کو یہ شکل دے دی ہے،

اور بیٹا، نو شگفتہ و نازک!

جزیرہ نمائے عرب کے آسمان کو، ۔۔۔۔۔ نہیں، آسمان جہاں کو یہ منظر دیکھنے کی تاب نہیں تاریخ کے بس میں نہیں کہ اسے سنے روئے زمین پر باپ اور بیٹے کے درمیان اس طرح کی گفتگو ہرگز کسی کے خیال سے بھی نہیں گزری۔۔۔۔

گفتگو اتنی صمیمانہ اور اتنی ہولناک!

باپ کو گویا ہمت نہیں ہو رہی ہے کہ وہ اپنی بات کہہ سکے اور اپنی روح کی کشاکش کو بیان کر سکے۔

حتیٰ کہ وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ: مجھے مامور کیا گیا ہے کہ میں تمہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کروں اپنا دل خدا کے حوالے کر کے، ہاتھوں سے کلیجہ تھام کے کہتے ہیں:

اسمٰعیلؑ، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔۔۔۔۔!

ان جملوں کو وہ اتنی تیزی سے ادا کرتے ہیں کہ خود نہ سنیں اور نہ سمجھیں اور جملہ جلد ادا ہو۔ اور پھر چپ ہو جاتے ہیں ہولناک چہرہ اور ہراساں نگاہیں اسمٰعیلؑ کو دیکھنے کی ہمت نہیں کر رہی تھیں۔

اسمٰعیلؑ صورت حال کو سمجھ گئے، اپنے والد کے قابل رحم چہرہ پر ان کا دل جلا، اسمٰعیلؑ نے انہیں تسلی دی:

"والد گرامی! حق تعالے کے فرمان میں تردد نہ کیجئے"

راضی بہ رضائے الٰہی رہیے مجھے بھی آپ مکمل تسلیم کا پیکر پائیں گے اور دیکھیں گے کہ میں انشاءاللہ صابروں سے ہوں گا۔۔۔۔!

ابراہیمؑ میں اب ایک عجیب طاقت آ گئی تھی ایک ایسا ارادہ پیدا ہو گیا تھا کہ جو حق پرستی کی طاقت کے علاوہ کسی چیز سے جنبش میں نہیں آتا تھا اب ان میں مطلق آزادی پیدا ہو گئی تھی، ایک مصمم ارادے کے ساتھ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اتنی پھرتی اور اتنی چستی دکھائی کہ ابلیس کو مایوس کر دیا اور اسماعیلؑ۔۔۔۔جواں مرد توحید۔۔۔۔کہ جو سرتاپا آزادی مطلق تھا اور جسے صرف حق پرستی کی طاقت سرکا سکتی تھی، تسلیم حق میں اتنا نرم اور اتنا فرمانبردار ہو گیا تھا کہ گویا ایک نہایت ہی "آسودہ و بردبار قربانی" ہے!

باپ نے چھری ہاتھ میں لی اور ایک نا قابل بیان سختی اور طاقت سے پتھر پر تیز کرنے کی غرض سے گھسنا شروع کیا!

وہ باپ کی محبت کو، اپنی زندگی کے عزیز ترین جگر گوشے کی نسبت اس طرح ظاہر کر رہے تھے یہ وہ واحد محبت تھی کہ جو وہ اپنے فرزند کی نسبت کر سکتے تھے۔

اس قوت کے ساتھ کہ جو عشق، روح کو عطا کرتا ہے پہلے انہوں نے اپنے آپ کو اندر سے مار دیا اور اپنی رگ جاں کو کاٹ کر اپنے دروں کو اپنے آپ سے خالی کر لیا اور خدا کے عشق سے معمور ہو گئے۔

ایک ایسا زندہ کہ جو صرف خدا کے ذریعے سانس لے رہا ہے!

پھر وہ خدا کی قوت سے اٹھے اپنی جواں سال قربانی کو۔۔۔کہ جو نہایت

سکون اور انتہائی آرام سے کھڑا تھا۔۔۔۔۔قربان گاہ لے گئے، اسے مٹی پر لٹایا، پھرتی سے ہاتھوں اور پیروں کے نیچے دبایا، پتھر پر اس کا سر رکھا، بالوں میں ہاتھ ڈال کر سر کو کسی قدر پیچھے کی طرف خم کیا اور جب اس کی شاہرگ ابھری تو خود کو خدا کے سپرد کر کے چھری کو اپنی قربانی کے گلے پر رکھا اور چلایا۔۔۔۔

غیظ آمیز سختی اور ہول آور تیزی کے ساتھ۔

اس عظیم المرتبت بوڑھے انسان کی ساری کوشش یہ ہے کہ وہ قبل اس کے کہ اپنے آپ میں آئے، اپنی آنکھیں کھولے اور دیکھنے کا عمل انجام دے ایک لمحہ میں اس کی پوری ہستی ختم ہو جائے اور اسے چھٹکارا ملے۔

لیکن۔۔۔۔۔۔

اف! یہ چھری!

یہ چھری۔۔۔۔نہیں کاٹ رہی ہے!

آزار دے رہی ہے!

یہ کیا بے رحمی اور تشدد ہے!

ابراہیمؑ غصے میں چھری کو پتھر پر دے مارتے ہیں!

ایک زخمی شیر کی طرح مضطرب ہوتے ہیں، غم اور غصے سے بل کھاتے ہیں، ڈرتے ہیں، اپنے باپ ہونے کی بات انہیں ڈراتی ہے، بجلی کی طرح اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، جھپٹ کر چھری کو پکڑتے ہیں اور اپنی قربانی پر ایک بار پھر جھک جاتے ہیں جو اسی طرح آرام اور خاموشی سے لیٹا ہے اور جنبش نہیں کرتا۔

کہ اچانک،

ایک دنبہ!

اور ایک پیام کہ:

"اے ابراہیمؑ! خدا اسماعیلؑ کے ذبح سے منصرف ہو گیا ہے، اس دنبہ کو بھیجا ہے کہ تم اس کی جگہ اسے ذبح کرو، تم نے حکم پر عمل کر لیا ہے۔"

اللہ اکبر۔۔۔۔۔!

یعنی کہ خدا کے لیے انسان کی قربانی۔۔۔۔۔۔ کہ جو گزشتہ میں ایک عبادت اور رائجہ دینی روایت تھی۔۔۔۔۔۔ ممنوع ہو گئی!

"ملت ابراہیمؑ" میں، دنبے کی قربانی، انسان کی قربانی کے بجائے!

اور اس سے زیادہ ممکنہ مفہوم،

یعنی کہ ابراہیمؑ کا خدا، دوسرے خداؤں کی طرح پیاسا نہیں ہے، خون کا پیاسا، یہ خدا کے بندے ہیں، جو بھوکے ہیں، گوشت کے بھوکے،

اور اس سے بھی زیادہ پر معنی بات یہ کہ،

خدا شروع ہی سے نہیں چاہتا تھا کہ اسمعیلؑ ذبح ہو،

بلکہ یہ چاہتا تھا کہ ابراہیمؑ، اسمعیلؑ کے ذبح کنندہ ہوں، اور ہو گئے، کتنی جرأت مندی سے!

بس اس کے بعد قتل اسماعیلؑ ایک امر عبث ہے!

یہاں پر بات "خدا کی چاہت" کی نہیں۔

ہر جگہ "انسان کی چاہت" کی بات ہے

اور یہ ہے "مہربان، حکیم" اور "انسان دوست" خدا کی "حکمت"

کہ جو ''ابراہیمؑ کو اسماعیلؑ کی قربانی کے بلند ترین نقطے تک لے جاتا ہے،
بغیر اس کے کہ اسماعیلؑ کی قربانی کرے!''

اور اسماعیلؑ کو ''خدا کے عظیم ذبیحہ'' کے مقام پر ارتقاء دیتا ہے، بغیر اس کے کہ اس کو کوئی گزند پہنچے!

اس لیے کہ اس دین کی داستان، تشدد، انسان کی خود آزادی، خون، اور خداؤں کی عطش کی داستان نہیں، ''کمال انسان'' کی داستان ہے۔ قید غریزہ سے آزادی ہے، خود خواہی کے تنگ حصار سے رہائی ہے، اور صعود روح معراج عشق اور ارادہ بشری کا معجزہ ساماں اقتدار ہے، نیز ہر اس قید سے رہائی ہے کہ جو تمہیں ''حقیقت کے آگے ایک ذمہ دار انسان'' کے نام پر اسیر و عاجز کرتا ہے،

اور بالآخر ''شہادت'' کی بلند چوٹی کا حصول ہے،

اسماعیلؑ کی طرح،

اور ''شہادت'' سے بالاتر

وہ چیز کہ جس کا قاموس بشر میں ابھی تک کوئی نام نہیں ہے

ابراہیمی صورت!

اور اس داستان کا اختتام؟ ایک دنبہ کا ذبح،

اور وہ چیز کہ جو خدا اس عظیم ترین انسانی ٹریجیڈی میں اپنے لیے چاہتا تھا۔۔۔۔؟

ایک دنبہ کا ذبح چند بھوکوں کے لیے!

☆☆☆☆☆☆

اور اب تم، اے وہ کہ جو منیٰ میں پہنچے ہو ضرور ابراہیمؑ کی طرح اپنی قربانی اپنے ساتھ لائے ہو گے، تم نے آغاز ہی میں اپنے اسمٰعیل کو منیٰ میں ذبح کرنے کے لیے انتخاب کر لیا ہو گا!

تمہارا اسمٰعیل کون ہے؟ کیا ہے؟

ضروری نہیں کہ کوئی اسے جانے، بس تم جانو اور تمہارا خدا،

تمہارا اسمٰعیل ممکن ہے تمہارا فرزند ہو، تمہارا واحد بیٹا نہ ہو، تمہاری بیوی ہو، تمہارا شوہر ہو، تمہارا کام ہو، تمہاری شہرت ہو، تمہاری شہوت ہو، تمہاری طاقت ہو، تمہاری پوزیشن ہو، تمہارا مقام ہو۔۔۔۔۔۔

مجھے نہیں معلوم، ہر وہ چیز کہ جو تمہاری نظر میں ابراہیمؑ کے نزدیک اسمٰعیلؑ کی جگہ رکھے،

ہر وہ چیز کہ جو حقیقت کے لیے کام کی نسبت فرض کی ادائیگی میں رکاوٹ بن گئی ہے، تمہاری آزادی کی راہ میں حائل ہو گئی ہے، اس لذت سے مل گئی ہے کہ جو تمہیں اپنے ساتھ رہنے کو کہہ رہی ہے، جو عوامی یا سماجی زنجیر کی طرح تمہیں تمہاری پائیدار زمین پر باندھے ہوئے ہے اور جانے نہیں دے رہی ہے، وہی کہ جو ابلیس کے ساتھ شریک کار بنی ہے تاکہ تم اسے اپنے پاس رکھو، وہی کہ جو تمہارے کانوں کو پیام حق کے حضور بہرا کر دیتی ہے تمہاری سوچ کو تاریک اور دل کو میلا کرتی ہے، وہی کہ جو فرمان ایمان کے مقابل عصیان کو اور بھاری اور دشوار ذمہ داری سے فرار کی تمہارے لیے توجیہ کرتی ہے، ہر وہ چیز کہ جو تمہیں اپنے پاس رکھتی ہے تاکہ تم اسے اپنے پاس رکھو۔۔۔!

یہ سب اسماعیل کی علامتیں ہیں، تم خود اپنی زندگی میں اسے ڈھونڈو، اس کا انتخاب کرو اور اب جب تم نے ''خدا کا ارادہ'' کرلیا ہے منیٰ میں اسے ذبح کرو!

دنبے کو ابھی آغاز ہی میں تم خود انتخاب نہ کرو، رکے رہو کہ خدا انتخاب کرے اور اسے تمہارے اسماعیل کی ذبح کے بجائے تمہیں عطا کرے۔

یہی وہ صورت ہے کہ جس میں وہ دنبے کے ذبح کو، قربانی کے طور پر تم سے قبول کرتا ہے،

اسماعیل کے بجائے دنبے کو ذبح کرنا ''قربانی'' ہے اور دنبے کو بعنوان دنبہ ذبح کرنا ''قصابی''!

☆☆☆☆☆☆☆

تثلیث کے بت

اب منیٰ میں ان تین بتوں کو تم نے پہچانا؟ یہ تینوں وسوسہ ابراہیمؑ میں مظہر ابلیس ہیں!

کیا آدمی جب ''اپنے آپ سے جی اٹھالیتا ہے'' اور مطلق آزادی کی معراج تک پہنچتا ہے، ہر قید و بند سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے اور سرتاپا الٰہی موجود بن جاتا ہے اور وجود ''برائے خود'' مگر ''بالغیر'' کے ۔۔۔ گویا اعتباری ۔۔۔ مرحلہ سے وجود ''برائے خدا'' مگر ''بہ خود'' کے ۔۔۔ گویا اصالتی ۔۔۔۔۔۔ ابراہیم مرحلہ تک رفعت پاتا ہے تو ان تین مرحلوں سے اپنے آپ کو گزار لیتا ہے؟

کیا یہ تین بت، اس خط سیر کے تین منفی مرحلے نہیں ہیں کہ جس کے تین مثبت

مرحلے اس حج اکبر میں عرفات، مشعر اور منیٰ ہیں؟

جمرۂ اولیٰ، عرفات کی ضد، جمرہ وسطیٰ، مشعر کی ضد، جمرہ عقبیٰ

---

1 Existence Pour Sol

---

2 Existence Sol- Authentique

---

3 جمرۂ عقبیٰ کو اس رو سے کہ وہ "عقبہ" کے قریب ہے (وہ جگہ کہ جہاں جناب رسالت مآبؐ نے حج پر آنے والے مدینہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ پیمان باندھا تھا) جمرہ عقبیٰ کہا جاتا ہے اسے جمرہ عقبہ بھی کہا جاتا ہے۔

منیٰ کی ضد۔۔۔۔۔؟

اب اور سوچنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے، میری سوچ اس سے آگے نہیں بڑھتی۔

لیکن اس سوال کا جواب ضروری ہے کہ یہ تین بت، ابلیس کے تین طاقت ور اور اصلی حامل ہیں کہ جو ابراہیم بننے کی راہ کے سرے پر، انسان کی گھات میں بیٹھے ہیں اور اسے پیغام الٰہی کی انجام دہی سے روکتے ہیں۔

ان کا اصلی کام کیا ہے؟

حق کے پیام کو مسخ کرنا اور جھٹلانا

آدمی کو، اس کی سب سے بڑی دلچسپی کی بنیاد پر کہ جو اس کا سب سے زیادہ کمزور نقطہ اور اس کے زوال کی لغزش گاہ ہے اسے کمال کی سمت جانے سے اور حق کی سونپی ہوئی ذمہ داری سے روکتے ہیں اور مفلوج کرتے ہیں۔

ان کی دوسری نشانی یہ ہے کہ وہ ہمیں اپنے عینی مصادیق تک پہنچانے کے

لیے کہ جن سے ان کا علامتی یا اشارتی رابطہ ہے، ہماری مدد کرتے ہیں یہی سبب ہے کہ یہ تین بت، تین مستقل بت ہیں ان میں سے ہر ایک کا ایک نام ایک عنوان اور ایک ٹھکانا ہے لیکن یہ تینوں ایک دوسرے کے معاون اور ایک ہی خط سیر میں ہیں۔اور تینوں اس انسان کے راستے پر بیٹھے ہیں کہ جو فرض شناس ہے اور آگے بڑھ رہا ہے۔

سب سے اہم یہ بات ہے کہ یہ تینوں، تین مستقل وجود ہونے کے باوجود ایک وجود کے مظہر ہیں: ابلیس!

ایک ہستی ہے مگر اس کے باوجود "تین"، تین "ہستیاں" ہیں مگر اس کے باوجود "ایک"!

تعجب کی بات ہے کہ یہ تثلیث کی علمی اور مروجہ تعریف ہے!

خدا کی تین صورتیں!

یہودیوں میں: تین اقنوم (تین قالب، جیسا کہ فیلون نے کہا ہے،

عیسائیت میں: باپ، بیٹا، روح القدس!

یونان میں: تین چہرے، ایک سر میں!

ہندوستان میں: "ویشنو" یہاں بھی تین چہرے ایک سر میں

ہندوؤں میں: "منو" (برہما کا بیٹا) تین حقیقتوں میں سر، ہاتھ اور سینہ،

قدیم ایران میں: اہورا مزدا تین آتشکدوں (گشنسب، اتخر اور برزین مہر) میں

اور دوسری جگہ: خدا کا ذریعہ، خدا کا سایہ، خدا کی آیت

شرک کیا ہے؟ دنیائی دین، وہی کہ جسے تاریخ کے علمی فلسفہ میں بہت صحیح طور پر کہا ہے کہ یہ معاشرے کے ڈھانچے کی پیداوار ہے موجودہ نظام کی نشاندہی کرنے والا ہے، معاشرے کی مادی بنیاد کے ساتھ سازگار تعمیر ہے اور بالآخر لوگوں کو ان کی خود آگاہی سے غافل کرنے والا ہے!

یہ سب باتیں درست ہیں اور ان مفاہیم سے درست تر ہیں کہ جنہیں اس کے بارے میں بولنے والوں نے سمجھا ہے، لیکن دین شرک ہے دین توحید،

---

1 Trinite

شرک کی ضد ہے اور اس کے ساتھ کسی زادگاہ، کسی ذات اور کسی صورت کا تصور نہیں آسکتا تاریخ کی جنگ مذہب کے خلاف، مذہب کی جنگ ہے، شرک کے خلاف توحید!

لیکن بات یہ ہے کہ توحید کے دین کو بھی، اس کے اجتماعی عمل میں، دین شرک کردیا گیا ہے، شرک در نقاب توحید! اور کتنا ہولناک تر اور پائیدار تر!

عیسائیت کی تثلیث، توحید رہی ہے! کیا ''ویشنو''، ''آہورا'' وغیرہ وغیرہ ایک خدا نہیں ہے۔۔۔؟

اور میں سمجھتا ہوں کہ تم ادیان کی بنیاد توحید پر رہی ہے مگر جب اجتماعی نظام کو جو تاریخ میں شرک سے بدل گیا ہے اور شروع کا واحد، متحد روح کا حامل اور طبقات سے پاک معاشرہ، بہت سے طبقات اور بہت سے گروہوں میں تقسیم ہو گیا تو توحید نے شرک کی صورت اختیار کرلی۔

آدم سے دو بیٹوں کا وجود رہا، دو آدم زاد، مویشی پرور ہابیل کو اس کے زراعت

پیشہ بھائی قابیل نے قتل کر دیا۔ کسی نے قابیل کے مرنے کی خبر نہیں دی ہے، قابیل نہیں مرا ہے، وہ کہ جو وارث آدم ہوا ایک غاصب تھا، ایک قاتل، بھائی کو قتل کرنے والا، بندہ نفس، صاحب **ملک**، خدا کا مجرم اور آدم کا خلف نا خلف!

تاریخ پر حاکم بنی آدم، بنی قابیل ہیں۔

معاشرے نے ترقی کی، اقدار و نظام پیچیدہ ہو گئے، تفریق، تخصص اور طبقات کے مرحلے سامنے آئے، حکمران طاقت، تقدیر ساز قوت، حق کا غاصب اور ہر سفید و سیاہ کا مالک قابیل بھی تین چہروں میں نمودار ہوا، اور ترقی یافتہ معاشرے، سیاست اور اقتصاد و مذہب میں اپنی جگہ بنالی اور ان تینوں مراکز پر علیحدہ علیحدہ ڈیرہ ڈال دیا اور زور و زر و زہد کی تین قوتوں کو ابھارا اور اس طرح استبداد، استثمار اور استحمار (استحصال کی تین صورتوں) نے جڑ پکڑی کہ تو حید ان کے تین مظاہر کو فرعون، قارون اور **بلعم** باعور کے نام سے یاد کرتی ہے، لیکن شرک زمین کے ان تین خداؤں کو تین جہتی مسلط نظام میں، دین سے توجیہ کرتا ہے اور تین خدا آسمان پر!

یہ تین صورتیں تمہیں خدا کی بندگی سے اپنی بندگی کی طرف بلاتی ہیں اے کہ جس نے ابراہیمؑ کا لباس پہنا ہوا ہے یہ سب تم کو ''اسمٰعیل پرستی'' کی طرف کھینچ رہی ہیں تاکہ وہ خود تم پر چھائی رہیں، تمہیں مصروف کر دیں، تمہاری جیب کو خالی اور عقل کو معطل کریں اور تمہیں اندھیرے میں کھینچ لائیں!

اے وہ کہ جو منیٰ میں آئے ہو، مارو

اے وہ کہ جو اپنے اسمٰعیل کو بھی قتل گاہ میں لائے ہو!

ابراہیمؑ کی طرح ابلیس کو اس کے تینوں چہروں میں رمی کرو!

اے اس عظیم بت شکن کے پیروکار، توحید کے سپاہی، تینوں بتوں کو توڑ دو۔

اور دسویں ذی الحجہ کے طلوع آفتاب کے ساتھ ہجوم خلائق کے لمحوں کو کہ جس کا اعلان وقت نے کیا ہے امت کے قدم بہ قدم، احرام پوش بھیڑ کے ہمراہ، مشعر سے، منیٰ کی سرحد سے گزر جاؤ اور جمرات کی وادی پر یلغار بول دو، پہلے حملے میں آخری کو مارو!

ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہ آخری کون ہے کہ پہلے اس کا ڈھانا ضروری ہے؟

فرعون۔۔۔؟

قارون۔۔۔۔؟

بلعم باعور۔۔۔۔؟

یہ تینوں بت قابیلی قوت کے یہ تین مجسمے، ابلیس کے تین مظہر، توحید کی ضد پر مبنی، تثلیث شرک ہیں

فرعون کو مارو کہ: ان الحکم الا اللہ

قارون کا مارو کہ: المال للہ

اور بلعم باعور کو مارو کہ: الدین کلہ للہ

خدا کے جانشین لوگوں کی فطرت میں ہیں اور خدا کا گھرانہ زمین میں، لوگوں اور زمین کے ورثاء نیک اور شائستہ بندے۔

یعنی اللہ کی حکومت لوگوں کے ہاتھ میں ہے،

اور تمام سرمایوں کا تعلق لوگوں سے ہے

اور اللہ کے دین کے مکمل طور پر ذمہ دار، لوگ ہیں!

ان تینوں میں کون فرعون ہے اور زور پرستی۔۔۔۔؟ کون قارون ہے اور زر پرستی۔۔۔؟ اور کون بلعم باعور ہے اور ملا پرستی۔۔۔۔۔؟

ہر روشن خیال اپنی فکری بصیرت اور اس سماجی مبارزہ کی روش کے ساتھ کہ جو اس کا خاصہ ہے نیز اس سماجی نظام کے مطابق کہ جس میں وہ جوابدہ ہے بنیادی تکیہ کسی ایک پر دھرتا ہے ایک سیاسی مبارز، زیادہ تر فاشیزم، ملیٹر یزم اور استبدادی نظاموں میں آخری کو فرعون گردانتا ہے۔

ایک اقتصادی مفکر اور معاشی عامل کے تقدیر ساز ہونے کا معتقد، آخری کو قارون سمجھتا ہے ایک مجاہد فکر اور روشن خیال آدمی کہ جو جہل و فکری جمہور کو اور شعور و خود آگاہی وارتقا کا گلا گھونٹنے والے عامل کو مذہب شرک یا مسخ شدہ توحید جانتا ہے اور اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جب تک اذہان میں حرکت پیدا نہ ہو کوئی چیز اپنی جگہ سے نہیں ہلتی، آخری کو بلعم باعور گردانتا ہے۔

پہلے دو تین سفر میں جب میں گیا تو میں نے آخری کو بلعم باعور قرار دیا اور بلعم کی نیت سے رمی کیا، میں نے اپنے اس انتخاب کے سلسلے میں خاص طور پر قرآن کو اپنا ہمنوا پایا کہ جس نے زیادہ تر نفاق، شرک اور جہل پر حملہ اور ملا پرستی پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے:

اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ!

اور کتنا تیز اور غضب آلود لہجہ، خاص طور پر ان مذہبی پیشواؤں کے لیے کہ

''کمثل الحمار یحمل اسفارا''

"فمظله کمثل اکلب ان تحمل علیه یلهث او تتر که یلهث"

(خدا کو چھوڑ کر انہوں نے اپنے ملاؤں کو اپنا ارباب بنالیا ہے۔ یہ بے مصرف ملا اس گدھے کی طرح ہیں جس پر کتابیں لا ددی گئی ہوں۔ اور منافق ملا اس کتے کی طرح ہے کہ اگر اس پر حملہ کرو تب بھی بھونکتا ہے اور اگر چھوڑو تب بھی۔۔۔۔)

اور آخری سورہ میں جس پر کہ قرآن اختتام پذیر ہوتا ہے بڑے اعجاز بیان کے ساتھ بڑی خوبصورتی اور ٹھوس انداز میں میرے نظریہ کی تائید ہوتی ہے سورہ، جناب رسالت مآبؐ سے مخاطب ہے، اس منزل پر کہ جہاں قرآن ختم ہوتا ہے اس شخصیت سے کہ جو رسالت الٰہی کی عظیم ترین منزل پر ہے اور بشر کی نجات، اس کی آگاہی اور رہبری کا ذمہ دار ہے کہتا ہے کہ تم ایک "شر" سے محفوظ نہیں ہو، اللہ سے اس کے لیے پناہ مانگو۔۔۔۔!

وہاں جہاں خدا کا نام آتا ہے، تین صفات میں اس کو پہنچوا تا ہے:

"قل اعوذ ب رب الناس"، "ملک الناس"، "ا له الناس"!

ان تین قوتوں کی نفی کہ جن کو ان تین بتوں نے اپنے سے مخصوص کرلیا ہے اور اس کا اثبات ذات الٰہی کے لیے توحید!

یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ الٰہی اور روحانی قوت آخر میں آئی ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ جناب رسالت مآبؐ جیسی شخصیت کا لوگوں کے ولی نعمت، لوگوں کے مالک اور لوگوں کے خدا، مالکیت، ملوکیت، روحانیت سے پناہ مانگنا کس شخص کے شر سے ہے؟ خناس کے شر سے، خناس کون ہے؟ قرآن خود واضح طور پر بتاتا ہے

" من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس " !

ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں اس قوت کی بات ہو رہی ہے کہ جو لوگوں کے سینوں میں ان کے اندیشہ و احساس و عقیدہ میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

اور منیٰ میں بھی اس ابلیس کی گفتگو ہے کہ جس نے ابراہیمؑ کے سینے میں وسوسہ ڈالا۔

پس آخری میں یہی وسوسہ گر خناس ہے ۔۔۔۔۔ عالم نما دین فروش، دانشمند علم فروش اور روشن خیال خیائن!

اور قرآن، تاریخ بشر میں ظلم، ضلالت اور تفرقہ کے پہلے عامل کو کہ جس نے ابتداء کے بے اونچ نیچ اور بے تضاد والے معاشرہ کو اختلاف و امتیاز میں مبتلا کیا ان لوگوں سے جانتا ہے کہ جو اپنے آپ کو دین اور علوم دینی کا ذمہ دار سمجھتے ہیں اور احکام شرع و دین کو پھیلانے والے ہیں اور جو اختلافات کو دور کرنے اور حق کی حکومت کے استقرار کے لیے آئے تھے یہی لوگ کہ جنہوں نے دین کی ذمہ داری سنبھالی ہوئی تھی، اختلافات، تفریقات اور تضادات کا باعث بنے۔ وہ بھی دینی تعصّبات اور فکری اختلافات کی بنیاد پر نہیں اور نہ ہی ناخود آگاہ طور پر بلکہ جانتے بوجھتے ہوئے، اس لیے کہ انہیں ظلم و حسد اور سرکشی مطلوب تھی)بغی (!

" کان الناس امة واحدة"

لوگ، سب ایک گروہ تھے ایک یکساں نوعیت کا بے طبقہ و بے تضاد و بے تفرقہ معاشرہ

" فبعث اللہ النبین مبشرین و منذرین وانفزل معھم الکتب

بـالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفو فيه وما اختلف فيه الا الذين اوتوه من بعد ماجاء تهم البينت بغيا بينهم.....''

''اور پھر خداوند عالم نے پیغمبروں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا خلق کیا اور ان کے ساتھ برحق کتاب کو اتارا تا کہ یہ کتاب ان کے درمیان موجودہ اختلافات کا فیصلہ کرے مگر وہی لوگ کہ جن کے پاس حق کی کتاب آئی بعد ازیں کہ حق وباطل کی واضح نشانیاں انہیں ملیں انہوں نے اپنے درمیان حق تلفی اور''

سورہ بقرہ آیت 213 اور نیز سورہ یونس آیت 19

ستم گردی کو روبعمل لانے کے لیے اس میں اختلاف کیا۔۔۔

لیکن یہ ''حج'' اس سے کہیں زیادہ عمیق اور اس سے کہیں زیادہ شاداب ہے کہ جو مکمل طور پر مجھ جیسے شخص کی عقل میں سمائے۔

ہر بار جب میں جاتا تھا تو یہی سمجھتا تھا کہ میں نے مکمل طور پر اسے سمجھ لیا ہے اور اگلا سفر بجز تکرار کے اور کچھ نہیں ہوگا لیکن دوسرے سفر میں مجھے حیرت ہوتی تھی کہ پچھلے سفر میں، میں نے حج کے بارے میں کیا جانا تھا؟

اور تم، اے میری تحریر کو پڑھنے والے، یہ سمجھ رہے ہو گے کہ میں نے حج کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ حج کے پورے مفہوم کو پیش کرتا ہے یا وہ سب باتیں جو میں نے کہی ہیں وہی حج کا مفہوم ہے، نہیں جس بات کا دعویٰ میں خود کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ سب باتیں وہ ہیں جنہیں میں نے حج سے اخذ کیا ہے اور تم کوشش کرو کہ اسے کسی اور طرح سے سمجھو، کہ یہ ''مناسک'' عملیہ کا رسالہ نہیں ہے، رسالہ فکریہ ہے یہ سب کا سب ایک عام ذہن کی تاب وتوان ہے کہ جس نے یہ کوشش کی

ہے کہ اپنی استعداد کے مطابق اس معجزہ آسا اشاریاتی تمثیل کو کہ جس میں ہدایت کار، عالم کا ہدایت کار حل کرے، اور سمندر کو کوزے میں سموئے۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی میں اس سفر پر گیا میں نے اپنے گزشتہ کے تاثرات کی تصحیح کی، اپنی پچھلی تفسیر کو مکمل کیا اور نئے نئے راز پائے اور اس پر بہت سے نکتوں کا اضافہ کیا اور وہ کشف شہودات کہ جو گزشتہ سفر میں میرے لیے سب کچھ تھا بعد کے سفر میں کچھ نہ رہا۔

آخری سفر میں، میں نے سوچا کہ آخر میں کیوں ان چیزوں کو معین کروں کہ جن کو خود حج کا عمل کروانے والے نے معین نہیں کیا ہے اگر تعین ہونا ضروری تھا تو تعین ہو جاتا کیا یہ بات کہ اس نے ان تینوں کا تعین نہیں کیا ہے خود، ایک طرح کا تعین نہیں؟

کیا ایسا نہیں ہے کہ یہ تینوں ایک ہیں اور یہ ایک تین؟

پس ان تین بتوں کی شخصیتیں، ان تین ''بعدوں'' کی تفکیک کو ذہن میں لاتے ہیں کہ جو لاینفک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان کا تعین نہیں کرتا یہ بتانے کے لیے کہ ہر بت میں دو اور بت چھپے ہوئے ہیں اور ہر رمی میں ان دو اور بتوں کی رمی کی بھی ''نیت'' کرو

اور پھر یہ آدمیوں کے قالبی ذہن میں، فلسفیوں اور عالموں کے ذہن، کہ جو ایک طرح کے قالب اور ایک طرح کے قاعدے تراشتے ہیں اور اس کا نام عمرانیات، فلسفہ، تاریخ اور نفسیات رکھتے ہیں حج کا خالق جانتا ہے کہ، تہذیب و تمدن اور مدنیت کے ہر دور میں، ہر تاریخی مرحلہ میں، ہر معاشرتی نظام میں، ہر

پیداواری ڈھانچے، طبقاتی بافت، فکری عمارت اور اجتماعی روابط میں ان تینوں قوتوں میں سے کوئی ایک قوت تقدیر ساز ہے اور ان دوسرے دو کی محافظ جس کے نتیجے میں ان کی نفی حامل نجات، باعث کامیابی اور بقرہ عید ہے اور اس بنا پر اسی کو چاہیے کہ منیٰ میں جمرہ عقبی کی حیثیت دی جائے اور پہلے حملے میں اس کو جمرات کی برستی گولیوں کی زد پر لایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ رمی کرنے والا کہ جو ایک سرمایہ دار ترقی یافتہ ملک سے یا وہ جو قرون وسطیٰ کے ایک پسماندہ مذہبی معاشرہ سے یا وہ کہ جو فاشی اور شہنشاہی نظام سے آتا ہے۔ رمی جمرات کے اندر ان کی نیتوں میں فرق ہوتا ہے اگرچہ کہ تینوں ایک ہیں اور اس آخری نے پہلے اور دوسرے کو سنبھال رکھا ہے اور یہی سوچنے کا مقام ہے اس لیے کہ فرعون لوٹ مار کو قارون کے لیے قانونی بناتا ہے اور بلعم شرعی اور قارون بلعم کے امور کو دولت سے چلاتا ہے، اور فرعون طاقت سے تحفظ دیتا ہے بلعم فرعون کی قوت کے پائے کو آسمان کے خداؤں کے دوش پر دھرتا ہے اور قارون زمین کے خداؤں کے دوش پر اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے دو ہم ذات ہمزار کو اپنے دونوں پہلوؤں میں اپنے ہاتھ سے چمٹائے ہوئے ہے اور اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے ان دونوں کا بھی سہارا بنا ہوا ہے اور تم زمین کے جس حصے سے بھی آئے ہو ہر دور اور ہر زمانے میں ہر اس نیت سے کہ جس کا تقاضا قوم میں تمہاری ابراہیمی ذمہ داری کرتی ہے، آخری کو تینوں کی نیت سے مارو، اس لیے کہ جب تم نے ابلیس کو اس کے آخری فریب میں ٹھکرا دیا تو اس کے باقی فریب ازخود ختم ہو گئے۔

کیونکہ آدمی ہمیشہ آخری فریب سے مار کھاتا ہے۔

آخری کو مارا۔۔؟ رو در رو۔۔۔؟ اس کے سر پر۔۔۔۔۔۔؟ لگا۔۔۔۔؟ سات بار۔۔۔۔؟ ساتوں مرتبہ لگا۔۔۔۔؟ سات آسمان اور سات سیاروں کی تعداد میں۔۔۔۔۔؟ ہفتہ کے تمام دنوں کے مطابق۔۔۔۔؟ یعنی کہ جہاد ہم آہنگ زماں، ہمانند جہاں! یعنہ وہ جنگ کہ جس کا آغاز خلقت سے ہوا ہے؟ جو فطرت کا ہم ساز ہے۔۔۔۔؟

میں کیا کہہ رہا ہوں۔۔۔۔۔؟

یعنی بے شمار! یعنی ہمیشہ، جس میں وقفہ نہیں، جس میں گزشت نہیں، جس میں صلح وصفائی نہیں، جس میں ''جنگ بندی'' نہیں یعنی پر امن بقائے باہمی بتوں کے ساتھ ہرگز نہیں، یعنی تمہاری ساری عمر منیٰ میں ہے اور سارے وقت رمی!

سات کثرت کا عدد ہے۔

آخری گر گیا اے ابراہیمؑ، ابلیس نے تمہاری مصمم اور مسلسل سنگساری کے نتیجے میں گھٹنے ٹیک دیے اور مفلوج ہو گیا۔

اور تم، اے انسان، اے زمین پر خدا کے جانشین، تم نے بھی خدا کی طرح ابلیس کو رجم کیا، اور اسے بھگا دیا۔

اس واحد فرشتے کو کہ جس نے تمہارے آگے جھکنے میں نافرمانی کی، تم نے اپنی ابراہیمی قوت سے اسے اپنے آگے گرا دیا اور آزاد ہو گئے، ابراہیمؑ ہو گئے۔۔۔۔۔! اے بازیچہ ابلیس، اے بت کے پجاری، اب تم تمام فرشتوں کے مسجود ہو!

اب تم مقام ابراہیمؑ پر پہنچے ہو، پیام کو سن رہے ہو، حکم کو تشخیص دے رہے ہو، جنگ کے آخری محاذ سے کامیاب لوٹ رہے ہو، تم نے آخری بت کو توڑ دیا اور اب ''اپنے اسماعیل کو راہ عشق میں ذبح کرنے'' کے مقام پر پہنچے ہو، حق پرستی میں تم اپنے اسماعیل کو بھی ذبح کر سکتے ہو۔

''جمرہ عقبیٰ'' کی رمی سے واپس لوٹ رہے ہو، فاتح بن کر، دل میں عشق کی جوت جگا کے، حق کے آزاد بندے بن کر، اب تمہارا ارادہ ذبح کا ہے، تم مصمم قدموں سے، ابراہیمؑ کے نشان قدم پر قدم رکھتے ہوئے، ایک ہاتھ میں اپنے پارہ جگر اسماعیل کا ہاتھ اور دوسرے میں اپنی تیغ ایمان تھامے مقتل میں جاتے ہو، اسمٰعیل کو خاک پر لٹاتے ہو،

اپنے ارادہ کے آگے،

اپنی حق بیں نگاہوں کے سامنے،

کلیجے پر غفلت کے دانت گاڑ کر، دل کو خدا سے وابستہ کر کے،

اے سرتاپا مجسمہ حق، اے منیٰ میں آنے والے، تیغ کو اسماعیل کے حلقوم پر دھرو!

اور۔۔۔

۔۔۔۔۔۔

۔۔۔

۔۔۔۔دنبے کے گلے پر چھری پھیرو۔۔۔۔۔!

اس لیے کہ ابراہیمؑ کا خدا خون کا پیاسا نہیں، تمہارے اسماعیل کی اسے

ضرورت نہیں،

خدا خود تمہارے اسماعیل کا فدیہ ادا کرتا ہے،

یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ وہ تمہیں اس منزل تک لے آئے! اپنے تاریک گھٹے گھر سے، اے ابلیس کے تین سایوں کے قتیل، منیٰ کے سرخ مقتل تک، اے بت شکن توحید!

اور اب تم، اے کہ جس نے راہ خدا میں اسماعیل کے گلے پر چھری رکھ دی------

منیٰ میں آئے ہو تا کہ اسماعیل کو ذبح کرو لیکن ابھی تمہارے ہاتھ ابلیس کے خون سے رنگے ہوئے ہیں اور تمہارا اسماعیل پر عزم و پر افتخار تمہارے پاس کھڑا ہے----

تم ''اسمٰعیل کے ذبح'' میں ''ابلیس کی رمی'' کو پہنچتے ہو۔

ابلیس کے گھٹنے جھکانے پر وہی شخص قادر ہے کہ جو پہلے، اپنے اسمٰعیل کی قید سے آزاد ہو جائے لیکن یہاں بات الٹی ہے، جب تک اسمٰعیل کا خوف تمہارے اندر ہے، ابلیس ''عقبہ'' میں قائم ہے!

عجیب بات ہے اس کوہستان میں کیسی کیسی باتیں آدمی کو سمجھائی جاتی ہیں------!

اب تم ابراہیمؑ ہو گئے ہو، تم نے ابلیس کو زمیں بوس کر دیا، اپنے اسمٰعیل کو مقتل سے واپس لے چلو، جس چیز کو تمہیں ذبح کرنا تھا وہ اسمٰعیل نہیں تھے اسمٰعیل کی وابستگی تھی، ابلیس کا ذیعہ تمسک تھا، اسمٰعیلؑ خود محبوب خدا ہیں، عطیہ خدا ہیں، اس کو

خدا نے خود تمہیں بخشا اور اب وہی خدا ہے کہ جس نے تمہیں اس کا فدیہ دیا،

اسمعیل کو مقتل سے واپس لے آو، تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ منیٰ کے محاذ سے لوٹ آو، وعدہ گاہ خدا سے، ابراہیمی پیغام توحید کو سنبھالے خلق خدا کی طرف لوٹ آو تا کہ ''حرام سرزمین''، ''حرام زمانے''، ''حرام معاشرے'' حریم پاک الٰہی، لوگوں کے لیے ''آزادی کے گھر اور آزادی، برابری، عشق اور امنیت کی پناہ گاہ کی بنیاد رکھو!''

☆☆☆☆☆☆

عید

اب سب کچھ ختم ہو گیا ہے حج نے اختتام پا لیا ہے

مگر کہاں ــــــ؟

منیٰ میں ــــــ! تعجب ہے ــــ! مکہ کی دیوار کی پشت پر ــــ!

منیٰ، مکہ کے پہلو بہ پہلو واقع ہے، مکہ کا ایک حصہ ہے، یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر کعبہ ہے!

حج کیوں، کعبہ پہنچنے سے پہلے، ختم ہو گیا؟

مکہ میں کیوں نہیں ہوا، مسجد الحرام میں کیوں نہیں ہوا، کعبہ میں کیوں نہیں ہوا،

منیٰ میں کیوں ہوا ــــ؟

اس راز کو سمجھنے کی ضرورت ہے، تمہیں چاہئے کہ حج کے تمام رازوں کو سمجھو، جو کچھ تم نے انجام دیا ہے اس کے بارے میں سوچو،

تنہائی کے غور وفکر میں نہیں،

بھیڑ میں، ہجوم خلائق میں

اس سے ہٹ کر، حج کا تکیہ ہجوم پر ہے یہ جگہ خدا، ابراہیمؑ محمدؐ اور لوگوں کی وعدہ گاہ ہے،

ان لوگوں کی وعدہ گاہ کہ جو زمین کے ہر کونے سے یہاں آئے ہیں، مختلف رنگوں کے ساتھ، مختلف قومیتوں کے ساتھ، مختلف زبانوں کے ساتھ، اور مختلف ملکوں اور مختلف نظاموں سے رابطہ کے ساتھ۔

لیکن سب کا کلچر ایک، سب کا ایمان ایک، سب کی تاریخ ایک، سب کی آرزو ایک اور سب کا عشق ایک!

ہر گروہ کسی نہ کسی قوم کا ایک فطری اور آزاد نمائندہ جس کا سرکار سے کوئی تعلق نہیں، اس کا بھیجا ہوا نہیں، پرخلوص لوگوں کے اندر سے، عام لوگوں سے، مدرسہ اور مزرعہ سے۔۔۔۔نہ اس میں طبقہ کی قید، نہ مشغلہ کی قید، نہ شخصیت کی قید، نہ علم کی قید اور نہ مال و دولت کی قید۔

اس میں مستطیع ہونا شرط ہے، یعنی حج کی توانائی کی قید ہے، دولتمند ہونے کی نہیں حج دولت ٹیکس نہیں، فرض ہے بالکل اسی طرح جس طرح نماز، اور اس کی استطاعت، شرط عقل ہے چونکہ استطاعت ہر فرض کی انجام دہی کے ساتھ ہے!

یہاں تمام قوموں کے سچے نمائندے موجود ہیں، اپنے سے مخصوص دکھوں اور سب کے مشترک دردوں کے ساتھ۔

☆☆☆☆☆☆

عید کے بعد دو دن وقوف

آئیڈیالوجی کے لیے ایک نشست

اور عمل کے لیے ایک نشست

آج دسویں ذی الحجہ، عید قربان کے دن، حج اختتام پذیر ہوا، لیکن کل، گیارہویں اور پرسوں، بارہویں کو بھی تمہیں حتمی طور پر یہاں رہنا ہے۔

تیرہویں کو بھی منیٰ میں رہ سکتے ہو، تمہیں اس معاملے میں اختیار ہے ان تین دنوں میں منیٰ سے باہر جانا منع ہے! یہاں تک کہ طواف کعبہ کے لیے تمہیں حق نہیں کہ تم رات کو باہر نکلو!

مگر کیوں۔۔۔؟ رمی ختم ہوگئی، قربانی کا عمل ختم ہوگیا، ہم سب احرام سے باہر نکل آئے، جشن بھی منالیا ہے، احرام کی تمام حرمتوں کی پابندی ختم ہوگئی ہے۔

پھر کیوں ایک ملین آدمی، تین دن تک اس خشک درہ میں، شہر کے دروازے کے عقب میں پڑے رہیں؟

تاکہ۔۔۔ ہم سب بیٹھیں اور حج کے بارے میں فکر کو مہمیز کریں جو کچھ ہم نے کیا ہے اسے سامنے لائیں اور اس پر غور کریں۔

اپنے ہم فکروں، ہمدردوں اور پوری دنیا سے آنے والے ساتھیوں کے ساتھ کہ جو ایک جذبہ اور ایک ایمان کی گرمی سے گرمی حیات حاصل کررہے ہیں، بیٹھ کر اپنی تکلیفوں، اپنی ضرورتوں، اپنی دشواریوں اور اپنی آرزوؤں کو ایک دوسرے کے سامنے بیان کریں اور مسلمان ملکوں سے آئے ہوئے دانشمندوں فرض شناس روشن

خیال لوگوں اور ان مسلمان مجاہدوں کو پہچانیں کہ جو اپنی اپنی سرزمینوں میں، استعماد، اشتماد (استعمار ہی کی ایک قسم) ظلم وستم، فقر و جہل، خرافات، نفاق اور تباہی و بربادی کے عمل سے برسرِ پیکار ہیں اور ان کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کریں، ایک دوسرے سے مدد چاہیں دنیا بھر کے مسلمان، اسلامی دنیا اور اسلام کو اپنے عہد میں پرکھیں اور دنیا کے بڑے بلاکوں اور اندرون ملک ان کے ایجنٹوں کی سازشوں، ان کی دشمنیوں اور ممکنہ خطرات کو ایک دوسرے سے بیان کریں اور ان کے لیے کوئی حل تلاش کریں، اور تفرقہ افگنی، اندھے تعصبات، گمراہ کن تبلیغاتی موجوں، جہل پرور ہرزہ سرائیوں، فضا کو مکدر کرنے والی کینہ پروریوں، فرقہ وارانہ عصبیتوں، بدعت سازیوں، بے راہ رویوں، مذہب تراشیوں تہذیب کا گلا گھونٹنے والوں اور ان سیکڑوں رنگا رنگ بیماریوں کے خلاف کہ جو ''امت'' کے لیے خطرہ بنی ہوئی ہیں ایک عالمی مشترکہ جنگ کا منصوبہ بنائیں اسلامی اہداف اور عظیم انسانی آرزوؤں کی تکمیل، زیرِ تسلط قوموں کی آزادی، سختیوں میں گھری ہوئی ان مسلمان اقلیتوں کی دستگیری کہ جو فاشی اور دیگر متعصب سیاسی اور مذہبی حکومتوں کے زیرِ اثر ہیں، دشمن کے مقابل ایک مفاہمانہ اور ہم آہنگانہ جذبہ کی تشکیل، ایک دوسرے کے ساتھ فکری اور عاطفی ارتباط اور مشترکہ دشمن کے مقابل اپنی صفوں میں اتحاد و استحکام، نیز اسلامی مذاہب کے علمی، فکری اور فقہی اختلافی مسائل پر گفتگو اور اختلافات کو کم کرنے کی کوشش، ایک دوسرے کے درمیان فاصلوں کو کم کرنے اور ایک دوسرے کو صحیح طور پر سمجھنے کی جدوجہد اور بحث و گفتگو کے ذریعے مختلف نظریات کے آزادانہ جائزے اور آراء و عقائد کے ٹکراؤ کی روشنی میں حقیقت کی جستجو اور

ابتدائی اسلام کے سرچشمے کو پانے کی راہ میں۔۔۔۔مکہ کی دیوار کے پشت پر منیٰ میں دنیا کے ایک ملین مسلمان نمائندوں کا تین دن لازمی توقف:

اور وہ بھی ایک ایسے کوہستانی درہ میں کہ جہاں نہ دیکھنے کے لیے کوئی چیز ہے اور نہ کرنے کے لیے کوئی کام، نہ خریداری کے لیے بازار ہے اور نہ گھومنے کے لیے گردش گاہ، حتیٰ کہ زندگی کے لیے کوئی آبادی بھی ڈھونڈیے تو نہیں!

یہاں گھر یا عمارت کی تعمیر بہ فرمان پیغمبرؐ ممنوع ہے۔

ان لمحوں میں جب کہ حج نے سب کو انفرادی زندگی کی بندشوں سے آزاد کردیا اور ابراہیمؑ کی طاقتور روح نے ان لوگوں سے خوف وہوس وکمزوریوں کو دھو دیا کہ جنہوں نے اس کے کردار کوکما حقہ ادا کیا اور ان کے اندر اعتقادی فرض شناسی اور ایثار علی النفس یا بالفاظ دیگر نفس کشی کی طاقت کو ابھارا،

اس موقع پر کہ جب حج کے اختتام نے دلوں کو توفیق سے لبریز کردیا ہے اور احرام، میقات، طواف، سعی، عرفات، مشعر، منیٰ، رمی، قربانی اور عید نے دلوں میں ایمان وعشق کی آگ کو فروزاں کیا ہے اور ہر کسی کو۔۔۔۔کہ جو زندگی میں ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اور سینکڑوں ضرورتوں، دغدغوں اور مصروفیتوں کے دانتوں اور پنجوں میں ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہے۔۔۔۔۔سرتاپا اخلاص اور مکمل ایمان بنادیا ہے!

لا بناء فی المنی

ایک ایسی زمین پر،

ایک ایسے زمانے میں

دنیا بھر کے ایک ملین سے زیادہ مسلمانوں کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ

وہ۔۔۔ایک ساتھ بیٹھ کر ایک دوسرے کے مسائل کے بارے میں سوچے بغیر۔۔۔حج کو اختتام تک پہنچائیں اور زمین پر پھیل کر اپنی انفرادی اور قومی زندگی کے خول میں چلے جائیں۔

اس لیے کہ حج میقات سے منیٰ تک ساتھ آنے کا نام ہے عرفات، مشعر اور منیٰ کی یہ تین منزلیں ہمیشہ باقی ہیں لیکن حج ہمیشہ نہیں، سوائے ان دنوں کے سال کے دوسرے دنوں میں تمہاری آمد بے سود ہے یہاں جو اس وقت خدا کی شان نظر آ رہی ہے کل جب سب لوگ چلے جائیں گے تو یہاں کی زمین بھی کہ جس کی صفت یہ ہے کہ یہاں نہ پانی ہے اور نہ آبادی دوسری زمینوں کی طرح اجاڑ ہو جائے گی۔

تمہیں یہاں یہ سکھانے کے لیے لایا گیا ہے کہ ہجوم خلائق سے دور، بہشت کی تمنا، ایک بدصورت خودخواہی کا فریب ہے، ایک ''ادھار مادیت'' ہے کہ جو ''نقد مادیت'' سے بدتر ہے، اس لالچی کی سوداگرانہ روح ہے کہ جس نے اپنی ہوش رانی اور شکم پروری کو موت کے بعد پر منتہی کر رکھا ہے ایک احمق ''بورجوار'' (Bourgesis) یا سرمایہ دار کہ جس نے نقد کو چھوڑ کر ادھار پر تکیہ کیا ہے۔

زاھد بھی ایک مادی آدمی کی طرح خود پرست ہے مادی آدمی ٹیکنیک کو وسیلہ بناتا ہے اور زاہد مذہب کو مادی آدمی سائنس کو اپنی مسرت کا ذریعہ بناتا ہے اور زاہد خدا کو یہ دونوں اپنی اپنی بہشت کے طالب ہیں وہ اس دنیا میں اور یہ دوسری دنیا میں!

لیکن ابراہیمؑ اور محمدؐ کا اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ''اللہ'' اس طرح کے ''خود پرست مقدس آدمی'' سے بیزار ہے اگر ایک دن بھی، کوئی مخلوق خدا سے غافل ہو

جائے اور وہ دن اختتام کو پہنچے اور صرف یہی نہیں کہ وہ اپنے معاشرے کے بارے میں نہ سوچے بلکہ ''کوشش'' سے دریغ کرے تو نہ صرف یہ کہ وہ گنہگار ہے بلکہ مسلمان بھی نہیں ہے!

تم نے حج مکمل کرلیا، اپنے اسمٰعیل کی قربانی کے ذریعے تم نے ابراہیمی رفعت تک بلندی حاصل کرلی،

لیکن یہ اختتام کار نہیں، آغاز ہے یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ تم ''اپنی خدمت'' سے ''خلق کی خدمت'' تک پہنچو۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ ''موسم'' میں آؤ تا کہ ہجوم خلائق کے ساتھ تمہارا ساتھ رہے، کیونکہ تنہائی میں تمہیں حرم میں راہ نہیں ملے گی۔

اور اب حج کے اختتام پر یہ سب ابراہیمی صفت لوگ ابلیس کے آخری اڈہ کو تباہ کرنے، اپنے عزیز ترین خود پرستی کے رشتے کو منقطع کرنے اور اجتماعی کامیابی حاصل کرنے اے وہ تمام لوگ کہ جو اپنے آپ کو منیٰ میں پہنچانے کے قابل ہوئے ہو،

قبل اس کے کہ تم لوگ بکھر جاؤ، حتیٰ کہ قبل ازیں کہ تم ''خانہ خدا'' جاؤ اپنی دو ابراہیمی ذمہ داریوں کو ان دو دنوں میں پورا کرو

1 مجموعی طور پر ایک آزاد علمی اور فکری سیمینار

2 ایک عظیم عالمی اور اجتماعی کانفرنس

من اصبح ولم یھتم بامور المسلمین فلیس بمسلم ''پیغمبرؐ''

یہ دو دن اس بات کے لیے مخصوص ہیں کہ ہم نے حج سے کیا نتیجہ اخذ کیا ایک

کانفرنس، بند ہال میں نہیں، ایک کھلی کوہستانی وادی میں ۔۔۔۔۔! ایک پستہ قد چھت کے نیچے نہیں بلکہ بلند آسمان کے نیچے، بے در، بے دیوار، بے قید، بے بندش اور بلا رسومات ۔۔۔۔۔

ایک کانفرنس، سربراہان مملکت کی نہیں، سرکاری نمائندوں کی نہیں، ماہر سیاستدانوں کی نہیں، سیاسی رہنماؤں کی نہیں، سیکرٹری جنرلوں کی نہیں، پارلیمنٹ کی ممبران کی نہیں، سینٹ کے سینیٹرز کی نہیں، کیبنٹ کے وزراء کی نہیں، یونیورسٹی کے اساتذہ کی نہیں، علماء دین کی نہیں، ممتاز روشن خیال لوگوں کی نہیں، اقتصادی امور کے ماہرین کی نہیں، عظیم سماجی شخصیتوں کی نہیں، معتبر افراد کی نہیں ۔۔۔۔ بلکہ

''لوگوں کی اپنی'' کانفرنس!

'' واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلے کل ضا مر یاتین من کل فج عمیق ''

ہاں ''لوگوں کی اپنی''!

بقول ''امہ سیزر''

''کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ لوگوں کا قیم (سرپرست) بنے اور لوگوں کی طرف سے ان کا نمائندہ بن کر بات کرے!''

اور ''شاندل'' کے قول کے مطابق

''جہاں پر کہ لوگ خود موجود نہ ہوں ان کی طرف سے بات کرنا جھوٹ ہے اور بڑی بے شرمی کی ضرورت ہے! اس لیے کہ صرف خدا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ

خلق کے بارے میں فیصلہ کرے اور صرف خلق کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ زمین پر ''خدا کا جانشین'' ''ہو''!

یہی وجہ ہے کہ

''منیٰ کانفرنس'' میں جسے خدا منعقد کرتا ہے، لوگ بلاواسطہ شریک ہیں

اس کانفرنس میں ہر سال خدا موسم حج میں دنیا کے تمام لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اسمعیلؑ کی قتل گاہ عقبہ کے محاذ سے لوٹتے ہوئے اس کانفرنس میں شرکت کریں اور خدا کے سامنے ابراہیمؑ سے تجدید عہد کریں اور زمین پر ''نظام توحید'' اور استقرار ایمان کے لیے نیز زمانے کے بتوں کو توڑنے اور دنیا میں ''شہر حرام'' کے قیام کے لیے ایک دوسرے سے معاہدہ کریں، اور تاریخ بشر میں اس ابراہیمی رسالت کے خاتم، جناب محمد مصطفیٰؐ کے پیرو کاروں کے عنوان سے کہ جس نے پیغمبروں کی رسالت کے سلسلے کو آگاہ اور فرض شناس روشن خیال لوگوں کے دوش پر ڈالا ہے ''امت شہید'' کی رسالت کی بنیاد کو ''توحید'' کے ڈھانچہ پر اور ''حکمت''، ''امامت'' اور ''قسط'' (عدالت) کی ذمہ داری کے ساتھ اس مقام پر، خلق و خدا کی وعدہ گاہ پر، اس جہاد و شہادت و عشق کی سرزمین پر استوار کرنے کا عہد کریں اور ایک ''امت'' بن کر خوبصورتیوں کی طرف بلانے اور ''بدصورتیوں'' کے خلاف جنگ کا عزم کریں۔

اور ''کتاب و اسلحہ'' کے پیغمبر کی دعوت پر دشمن کے مقابل سخت ترین محاذ قائم کرنے اور اپنوں کے ساتھ مہربانی برتنے کے لیے دوست اور دشمن کی تشخیص کریں۔

یہ منیٰ کی آزاد کانفرنس ہے کہ جس میں ہر سال دنیا کے تمام مسلمان خاک و خون کی بندسرحدوں اوراپنے سیاسی حصاروں کے بستہ نظام سے، ''لوگوں کے رب'' ''لوگوں کے ملک'' اور ''لوگوں کے الہٰ'' کی دعوت پر باہر نکل آتے ہیں تاکہ اس کھلے کوہستان میں آسمان کی چھت کے نیچے ایک دوسرے کے ساتھ آزادی سے سوچیں، گفتگوکریں، مسائل کوپیش کریں، اس کی چارہ جوئی کریں اوراپنے تمام ہم خیال ساتھیوں سے اس سلسلے میں مدد کے طالب ہوں۔۔۔۔۔!

اور۔۔۔ایک علمی اورفکری نشست قائم کریں، لیکن اکیڈمیوں کے آمفی تھیٹروں (Amphitheatre) میں نہیں، یونیورسٹی کی علمی محفل میں نہیں، علماء اور ماہرین کی مخصوص چہاردیواریوں میں نہیں! بلکہ ایک چند روزہ سیمینار، ایک فکری آیڈیالوجیکل سیمینار اوراس میں ہرکسی کو بولنے اوراپنے خیالات کوپیش کرنے کا حق ہے وہ عام آدمی ہو کہ خاص، یونیورسٹی کا استاد ہو یا کارخانے کا مزدور، ایک جلیل القدر عالم ہو یا گمنام و بےفخر دھقان یہاں آنے والا ہر شخص بولنے اوراپنے نظریات کوپیش کرنے میں آزاد ہے۔

یہاں تمام علامتیں، تمام درجے، تمام رنگ اورتمام فاصلے میقات میں ہیچ ہیں

یہاں سب ایک وجود ہیں: انسان!

اورایک صف کے حامل: حاجی!

اوربس!

انسان میں، ابراہیم سے بالاتر ہونا کوئی مقام نہیں

اوریہاں ہرکوئی ابراہیم کے کردار میں ظاہرہوا ہے۔

اب حج کے اختتام پر بکھر نہ جاؤ، اپنے اپنے ملک، اپنے اپنے شہر اور اپنے اپنے گھروں کو نہ لوٹو، عید قربان کے بعد تمہیں دو دن اور یہاں رہنا ہے بیٹھے رہو، ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے رہو، ایک دوسرے کے ساتھ سوچو اور اس سوال کا ہمیشہ اور ہر جگہ جواب دو کہ:

معاشرہ میں

''ہمیں کیا کردار ادا کرنا ہے؟''

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپس میں مل بیٹھ کر سوچا کہ تم نے حج میں کیا کیا ہے۔۔۔۔؟

☆☆☆☆☆

ایک کلی جائزہ

آیئے نتیجہ نکالنے بیٹھیں، ہمیں سمجھنا ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ کیا تھا، ان سب باتوں کا مقصد کیا تھا؟ یہ سارے راز کیا ہیں؟

تصوف۔۔۔۔۔عرفات اور مشعر سے گزرے بغیر۔۔۔۔منیٰ سے شروع کرتا اور منیٰ میں رہ جاتا ہے فلسفہ، مشعر تک پہنچتا ہے اور منیٰ تک نہیں آتا تمدن، بغیر مشعر و منیٰ، عرفات میں ساکن ہے، اور اسلام عرفات سے شروع کرتا، مشعر سے گزرتا ہے حملہ آورانہ اور فرض شناسانہ صورت میں، اور پھر منیٰ میں پہنچتا ہے، عشق کی وادی میں کمال مطلوب اور منتہائے آرزو کے مرحلہ میں!

اس منیٰ میں کہ جو سرزمین عشق ہے کتنی عجیب بات ہے کہ یہاں خدا بھی ہے

اور ابلیس بھی!

یہاں تمہارے بارے میں تمہاری سرگزشت کے بارے میں گفتگو ہے دنیا کے بارے میں نہیں اس لیے کہ دنیا میں، صرف خدا ہے، توحید! یہاں انسان کی گفتگو ہے کہ جس میں خدا اور ابلیس دونوں کا گھر ہے، ثنویت، انسان میں ہے، فطرت میں نہیں اور منیٰ تمہارے ایمان اور عشق کی سرزمین ہے،

تمہاری سرنوشت ہے وہاں جہاں خدا اور ابلیس تمہارے اسمٰعیل کی بنیاد پر لڑتے ہیں! منیٰ تمہاری آرزوؤں کی سرزمین ہے۔

کیا یہ تعجب کا مقام نہیں کہ فتح و کامیابی کے دن ''لہو کی عید'' اور ''فرزند کی ولادت کے جشن'' کے بجائے ''فرزند کی شہادت'' کا جشن!

''عید قربان''!

اس قوم کو دیکھو اور اس کی رسومات، تاریخ اور افتخارات کا مشاہدہ کرو۔۔۔!

یہ خاک و خون والی ملت نہیں بلکہ عقیدہ و جہاد کی ملت ہے!

امت توحید ہے!

وہ بندگان خدا کہ جنہوں نے انسان کی آزادی کے پیام کو۔۔۔۔۔ آدم سے آخری زمانے تک۔۔۔۔۔ اپنے دوش پر اٹھا رکھا ہے اور جنگ برائے آزادی کے دائرہ کو اپنی فطرت کی گہرائی تک وسعت دی ہے! اور ''میدان جہاد'' کو ''بدر'' سے ''منیٰ'' تک کھینچ لائے ہیں وہ بندے کہ جنہوں نے ''آزادی'' کے مفہوم کو اس بلندی تک سمجھا ہے! آزاد ہونا فرعون سے نہیں بلکہ اسمٰعیل سے بھی! صرف دشمن سے نہیں، اپنے سے بھی!

☆☆☆☆☆☆

عید کے بعد، رمی!

پہلے دن پہلے حملہ میں تم نے آخری بت پر چڑھائی کی اور پھر اپنے اسمٰعیل کی قتل گاہ کی سمت راستے کو کھولا

احرام سے باہر آئے، فاتح بن کر جشن منایا مسرتوں کے ساتھ!

اور اب دوسرا دن ہے، تمہیں رمی کرنا ہے، لیکن تینوں بتوں کی رمی۔۔۔۔!

اس بار اس کی ترتیب یہ ہوگی

شروع میں پہلی منزل پر واقع ہونے والا بت، اس کے بعد درمیانی اور آخر میں آخری بت

تیسرے دن بھی رمی کی یہی صورت رہے گی

چوتھے دن تمہاری مرضی ہے منیٰ میں رہو یا جاؤ،

اگر رہ گئے تو پھر تمہیں پچھلے دودنوں کی طرح تینوں کو رمی کرنا ہوگا۔

اگر چلے گئے تو تم پر لازم ہے کہ تم اپنے بچے ہوئے اسلحے کو منیٰ کے محاذ میں مٹی تلے دفن کردو۔۔۔!

یہ حکم ہے!

عید کے بعد "ایام تشریق" میں رمی جمرات کے لیے ضروری ہے کہ تم منیٰ میں وقوف کرو

یعنی کیا؟

دسویں ذی الحجہ کو میں مقام قرب ابراہیمؑ تک پہنچا، اسمٰعیلؑ کے ایثار کی قوت کو پایا، ابلیس کے آخری ٹھکانے کو پہلے دن کے پہلے حملے میں تہس نہس کیا، قربانی کی منزل سے گزرا، احرام سے باہر آیا، لڑائی کامیابی سے اختتام کو پہنچی اور میں نے جشن منایا اب فتح منیٰ کے بعد پھر یہ جنگ کیسی؟ دشمن کے آخری ٹھکانے کی تباہی کے بعد پھر رمی کیوں۔۔۔؟

اصطلاحاً "عید قربان کے بعد کے تین دنوں کو کہتے ہیں"

سبق یہ ہے:

یعنی بے جان ابلیس کے دوبارہ جان میں جان آنے سے ہرگز غافل نہ ہونا۔۔۔!

اس لیے کہ انقلاب کامیابی کے بعد ہمیشہ خطرے میں ہے اسے ہمیشہ انقلاب دشمن عناصر کا خطرہ ہے،

کچلے ہوئے سانپ۔۔۔۔۔ فتح کی حرارت، جشن کی غفلت اور طاقت کے غرور میں، پھر سے سر اٹھاتے، اور رنگ بدلتے ہیں

دوستی کا نقاب پہن کر اندر ہی اندر دھماکے سے اڑا دیتے ہیں

انقلاب کی تمام کامیابیوں کے غاصب، مجاہدوں کے میراث خوار اور شہیدوں کے تعزیہ خواں بن جاتے ہیں۔

تمہاری کامیابی تمہیں آسودہ نہ کر دے، جب منیٰ کی زمام تھامی ہے تو اسلحہ کو بھی ہاتھ سے نہ چھوڑو، اس لیے کہ ابلیس کو اگر دروازے سے بھگاؤ گے تو وہ کھڑکی سے آجائے گا، باہر کوٹو گے تو اندر سے سر نکالے گا، جنگ میں ناتوان کر دو گے تو صلح

میں تو ان گر ہو جائے گا، منیٰ میں نابود کرو گے تو وہ تمہیں ''منیت'' میں نابود کر دے گا۔۔۔۔

اور میں کیا کہہ رہا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

''وسواس'' کے ہزاروں نقاب ہیں ''کفر'' کے سیاہ جامہ میں اسے عریاں کرو گے تو وہ دین کی سبز ردا اوڑھ لے گا ''شرک'' کے چہرے میں اسے رسوا کرو گے تو وہ ''توحید'' کا نقاب چہرے پر چڑھا لے گا، بت خانے کو اس کے سر پر توڑو گے تو وہ محراب میں گھر کر لے گا، بدر میں اس کا خون بہاؤ گے تو وہ کربلا میں انتقام لے گا، مدینہ کی خندق میں تلوار کھائے گا تو کوفہ کی مسجد میں اس کا جواب دے گا، احد میں ہبل کے بت کو اس کے ہاتھ سے چھینو گے تو صفین میں قرآن الٰہی کو ہاتھ میں لے گا۔

اور تم کتنے بے فکر و روشن خیال اور سادہ لوح سپاہی ہو گے اگر تم نے یہ سوچ لیا کہ دسویں ذی الحجہ کو دشمن کا ٹھکانہ تہس نہس کر کے اور ''عقبہ'' کے میدان میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اب قصہ تمام ہو گیا ہے اور تم نے سپاہیانہ لباس تن سے اتار کر صلح کا لباس پہن لیا، عطر لگایا، اپنے آپ کو سنوارا، جشن منایا اور سمجھ گئے کہ جنگ ختم ہو گئی اور جہاد اختتام کو پہنچا، خطرہ جڑ سے ختم ہو گیا اور اب تم سیدھے منیٰ کو چھوڑ کر ''خدا نہ خدا'' جا سکتے ہو اور وہاں جا کر زیارت و عبادت میں ''سرگرم عمل'' ہو سکتے ہو یا پھر فاتحانہ طور پر ''اپنے گھر'' لوٹ سکتے ہو اور اپنی زندگی کے کام دھندوں میں مصروف عمل ہو سکتے ہو۔۔۔۔!

اے ''ابراہیمی مجاہد!'' یہ نہ بھولو کہ دسویں ذی الحجہ ''عید قربان'' ہے ''عید فتح''

نہیں! ذبح اسمعیلؑ حج کا اختتام نہیں حج کا آغاز ہے، توحید کے سپاہی عشق کی سر زمین پر پہنچے ہیں اور سپاہ توحید کے ارادوں نے ابلیس کی مزاحمت کے اڈے کو تہس نہس کیا ہے اور منیٰ پر چھا گئے ہیں لیکن ابراہیمی انقلاب کی کامیابی کے بعد اے توحید کے مجاہدو، اپنے اسلحوں کو ہاتھ سے رکھ کر فاتحانہ جگالی میں نہ لگ جگاؤ، شکست خوردہ دشمن کی احیاء کا خطرہ اسی طرح باقی ہے ابلیس کے تین اڈے تباہ و برباد ہو گئے لیکن ابھی اسی طرح قائم ہیں منیٰ کی زمین میں ان کی جڑیں ابھی باقی ہیں فتح اور عید قربان کے بعد تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم اپنے دلاورانہ جذبہ اور جہاد و چوکسی کی حالت کو برقرار رکھو، تمہیں چاہئے کہ تم بڑی ہوشیاری اور انتہائی بیداری کے ساتھ ان تمام سپاہیوں کی رفاقت وہمراہی میں کہ جو مشعر سے حملہ آور ہیں اور منیٰ پر ان کا قبضہ ہے ایک منظم تدوین شدہ پروگرام کے مطابق ایک تعین شدہ دور کے ساتھ ابلیس کے اڈوں کو مسلسل اور منظم طور پر مارو اور انہیں اپنی گولیوں کی بوچھاڑ میں لیے رہو یہاں تک کہ اس کی جڑ کٹ جائے، انقلاب ابھی خطرے میں ہے، کامیابی سے ہمکنار ہونے والا انقلاب بھی خطرے میں ہے!

اپنی عظیم ترین فتح پر غرور میں مبتلا نہ ہونا!

اس لیے کہ ابراہیم ہونے کے بعد بھی خطرہ تم سے ٹلا نہیں!

اپنے اسمعیل کو ذبح کرنے کے بعد بھی تم خطرے میں ہو!

اس لیے کہ ابلیس تمہارا "ہفت رنگی" اور "ہفتاد دامی" دشمن ہے،

کل اس نے اسمعیل کی زندگی کو تمہیں دھوکہ دینے کے لیے بہانہ بنایا تھا!

آج وہ اسماعیل کے ذبح کو تمہارے غرور کا ذریعہ بنا سکتا ہے!

پس لازم ہے کہ تم مسلسل ''رمی جمرات'' میں رہو

جب تک تم منیٰ کی سرزمین میں ہو ان تینوں کو کوٹتے رہو!

اس لیے کہ منیٰ تمہارے ''ایمان'' تمہارے ''عشق'' تمہاری تمام'' آرزوؤں'' اور تمناؤں کا مرکز، تمہاری کامیابیوں کا محاذ، تمہاری عظمت و بلندی کا مینا اور تمہاری ہجرت کی آخری منزل ہے،

تمہارا حج ہے، تمہارے کمال کی بلند ترین چوٹی ہے، تمہاری ''زندگی کا آیڈل اور تمہاری آیڈل زندگی ہے''۔۔۔۔

اور توحید کی راہ پر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ تمہارے تین ہولناک ترین دشمنوں کا ٹھکانا ہو، شرک کے تین طاغوت تمہاری گھات میں بیٹھے ہوں!

تم نے منیٰ میں رسائی حاصل کی ہے، پس تم ہمیشہ منیٰ میں ہو، اور میں کیا کہہ رہا ہوں۔۔۔۔؟ منیٰ نیز ہمیشہ تم میں ہے،

منیٰ ہمیشہ خطرے میں ہے اور طاغوت ہمیشہ طاغی، باغی، اس لیے عید قربان کے بعد بھی رمی کرو، جب تک تم منیٰ میں ہو ہر روز تینوں کو سرکوب کرو۔

یعنی اپنی پوری زندگی ''جہاد'' میں گزارو۔

یعنی، صرف ایک مرتبہ کا جہاد مختصر سی راہ کو طے کر کے تمہیں حکومت تک نہیں پہنچاتا،

یعنی، صرف ایک مرتبہ کا جہاد، حصول قوت کا ذریعہ نہیں،

یعنی، دشمن پر تمہارے غلبے سے جہاد، ختم نہیں ہو جاتا،

یعنی، ''عید قربان'' مناؤ مگر ''عید فتح'' نہ مناؤ،

یعنی، احرام کو اپنے تن سے اتارو مگر ''جمرات'' کو ہاتھوں سے تھامے رہو،

یعنی، کامیابی ''ایک دن میں''، تمہیں حاصل ہو گی، لیکن اگر تم نے اپنے آپ کو کامیاب سمجھا تو وہ ایکبارگی تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے گی۔

یعنی، دشمن پر کامیابی کے لیے صرف ''ایک رمی'' اور اس کی ہستی کو ختم کرنے کے لیے۔ ''سات رمی''

دشمن کے اڈے کی تباہی ''سات ضربوں'' سے اور اس سے مکمل گلوخلاصی ''ستر ضربوں'' سے،

یعنی جو اسلحہ تم نے مشعر میں جمع کیا ہے اسے بانٹ دو، کتنی گولیاں ہیں؟ ستر! تعجب کی بات ہے! پھر سات، ستر:

آخری بت پر پہلے دن ایک حملہ، اس کے بعد آنے والے تین دنوں میں تین حملے، ترتیب وار تینوں بتوں میں سے ہر بت کے لیے سات ''جمرے'' مجموعاً ستر جمرے ''دس حملوں'' میں تعداد ختم لیکن آخر کے تین حملے آخری دن سے مخصوص ہیں، تیرہویں ذی الحجہ ''وقوف'' کا چوتھا دن اس کامیابی کے بعد جو تم نے پہلے دن (ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو) حاصل کی تھی تمہیں دو دن اور یہاں رہنا ہے اور لڑنا ہے، فتح کے بعد جنگ کو جاری رکھنا ہے اور ترتیب کے ساتھ تینوں اڈوں کو اپنے نشانے کی زد پر لانا ہے۔

چوتھے دن کا انتخاب تمہارے ہاتھ میں ہے، اگر منیٰ میں تمہارا کام ختم نہیں ہوا ہے، اگر ابھی تمہیں خطرے کا احساس ہے تو رہ سکتے ہو، اگر رہ گئے تو لڑنا ضروری ہو گا، بالکل پہلے کے دو دنوں کی طرح، تین حملے، ترتیب وار تینوں اڈوں پر، اور

اس بنا پر جنگ کے لیے ضروری ہے کہ تم ''مشعر'' سے ''ستر گولیاں'' اپنے ساتھ لاؤ، اور جس بات کا حکم ہے اور جو ناگزیر ہے وہ یہ ہے کہ تم ''سات بار'' تینوں اڈوں پر حملہ کرو، اور اسی لیے ضروری ہے کہ تم نے جو اسلحہ ذخیرہ کیا ہے اس کو حصے بناؤ، 1/7 حصے کو کامیابی کے حصول کے لیے اور 6/7 کو کامیابی کے بعد جنگ کو جاری رکھنے کے لیے کام میں لاؤ تا کہ تمہارا حشر بھی دوسری تمام تحریکوں اور دوسرے تمام انقلابوں کی طرح نہ ہو۔ اور اسلام کی تاریخ بھی پچھلی تاریخوں کی طرح نہ ہو جائے اور تم فتح مکہ کے بعد ''ابوسفیان کے گھٹنے ٹیکنے'' کو ''ابوسفیان کے اسلام'' پر محمول نہ کرو اور ''33 سالہ جہاد'' میں ''رسالت'' کی کامیابی، بیرونی محاذ میں شرک کے زوال، بت کے چہرے میں اشرافیت کی شکست اور قریش کے وجود میں پرورش پانے والی جاہلیت پر غلبے کے بعد ضروری ہے کہ زر، زور اور تذویر کے تین مرکزوں کو بھی۔۔۔ کہ جو بدر و احد و فتح مکہ میں ساقط ہو گئے تھے۔۔۔۔

امامت کے دو سو کچھ سالوں میں، استمرار جہاد اور رمی جمرات کی برقراری کے ساتھ اور عقبہ کے اڈے کی تباہی کے بعد نیست و نابود کر دیا جائے تا کہ شرک توحید کا لباس نہ پہنے، ''خندق'' کے اس پار شکست کھانے والا خناس، خندق کے اس پار نہ آ جائے، جاہلیت، اسلام کی وارث نہ بنے کیونکہ اگر تم نے ''سقیفہ'' میں کامیابی کا جشن منایا تو جلاد، خلافت رسولؐ کے نقاب میں ان سب چیزوں کا جنہیں تم نے عرفات، مشعر اور منیٰ میں حاصل کیا ہے کربلا میں لہو بہا دے گا اور انہیں فرات کی سطح آب پر چھوڑ دے گا!

رمی کروائے ''ابراہیمی مجاہد'' کہ جو مشعر سے آئے ہو اور ایمان و جہاد کی سر

زمین منیٰ میں ہو، ابلیس اپنے تینوں اڈوں پر تمہاری تاک میں ہے، جب تک تم ہو، وہ بھی ہے۔

☆☆☆☆☆

وحی کا آخری پیغام

حج، اپنے عمل سے اسی پیام کو عملاً دکھاتا ہے جسے قرآن الفاظ میں بیان کرتا ہے تاکید ہے کہ حج کے دوران قرآن کو بھی ختم کیا جائے۔

گویا اس وقت ہمیں قرآن کے اختتام پر ہونا چاہیے۔ پس اجازت دیں کہ ہم حج کے اختتام پر اس کتاب کے اختتام سے کچھ درس حاصل کریں۔

قرآن کے آخری جملے "ایک خطرے" کی بات کرتے ہیں، اور حج کے آخری اعمال "رمی" کی۔

حج کے آخری مرحلہ میں "تین بتوں کی رمی" کی گفتگو ہے، اور قرآن کے آخری سورہ میں تین قوتوں کی! حج کے اختتام پر پھر وہی "خطرہ"! اور ابراہیمؑ کے پیروکاروں سے خطاب کہ اس خطرے سے ڈرتے رہو، اور قرآن کے اختتام پر پھر وہی "شر" اور ابراہیمی پیمبرؐ سے خطاب کہ اس "شر" سے ڈرتے رہو!

تعجب کا مقام ہے قرآن اختتام کو پہنچا مگر خطرہ ختم نہیں ہوا! رسالت کامیابی سے اختتام کو پہنچی اور خطرہ ختم نہیں ہوا، نبوت اختتام کو پہنچی اور خطرہ ختم نہیں ہوا۔

حیرت کی بات ہے کہ قرآن جن دو سورتوں میں اختتام کو پہنچتا ہے ان دونوں میں "ایک شر سے پناہ" کی بات آئی ہے اور دونوں میں خدا ہے جو ڈرا رہا ہے اور

جسے ڈرا رہا ہے وہ بھی تاریخ میں رسالت توحید کا خاتمہ اور ابراہیمؑ کی رسالت کا مکمل کرنے والا ہے، محمدؐ ہے!

اور حج بھی ان دو دنوں کے وقوف کے بعد اختتام کو پہنچے گا جن میں ''رمی'' کی گفتگو ہے اور دونوں میں خدا ہے جو ڈرا رہا ہے اور اس کو ڈرا رہا ہے جو تاریخ میں رسالت توحید کا آغاز کنندہ ہے۔

اور تم اے محمدؐ کے پیروکار! اے وہ کہ جس نے ابراہیمؑ کی سنت کو ''عمل'' میں نہیں بلکہ اشاریت میں اختتام کو پہنچایا ہے، منیٰ کو چھوڑ کر آرام سے کہاں جا رہے ہو۔۔۔؟

حج کے اختتام پر اے ''حاجی''! رک جاؤ کہ ہم قرآن کے اختتام کو پڑھیں اور دیکھیں کہ ہمارے کامیاب نبیؐ کی رسالت، کس خطرے میں ہے؟ منیٰ کے میدان کو چھوڑنے اور جمرات کے تین تباہ شدہ اڈوں کو پیچھے چھوڑ کر زندگی کی سمت جانے سے پہلے خدا کے آخری پیغام کو سنیں کہ وہ اپنے دوست کو، خلق پر مبعوث انسان کو کس چیز سے ڈرا رہا ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ ذات ختمی مرتبت کو خطرے کا اعلان کہ تم خدا سے پناہ مانگو، اور ان ''شروں'' کا انہیں دکھانا کہ جو ان کی گھات میں ہیں اور خاص طور پر ان دونوں سورتوں کو قرآن کے اختتام پر رکھنا کہ جو بعثت کے شروع سالوں

قل: '' اعوذ برب الفلق''

کہو (اے محمدؐ) کہ میں سپیدہ صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں

من شر ما خلق

ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا ہے۔

''ومن شر غاسق اذا وقب''

اور ظلمت کے شر سے جب وہ چھا جائے

''ومن شر النفثت فی العقد''

اور گرہوں پر پھونک مارنے والیوں کے شر سے کہ جو دلوں میں، جذبوں میں اور مقاصد میں کھوٹ ڈالتی ہیں

(اور آخر میں) ''ومن شر حاسد اذا حسد''

اور حسد کرنے والے کے حسد سے جب وہ حسد کرے!

یہاں بات بیرونی دشمن کی ہے جو میری قوم سے، میرے ملک سے اور مجھ سے باہر ہے، جو چیز نظر آتی ہے وہ آشکار ہے اور اس کے ساتھ رو در رو جنگ ہے۔

تاریکیاں، تباہیاں اور پلیدیاں کہ جو شب کی طرح آگے بڑھ کر منیٰ کی وادی میں سیاہ چادر تان رہی ہیں اب طوفان کی طرح ہر حصے پر چھاتی جا رہی ہیں، انہوں نے منیٰ کی وادی کو اپنے وجود سے لبریز کر دیا ہے۔ ہر حصے پر ان کا

میں نازل ہوئی ہیں ان باتوں کی طرف اشارہ ہے کہ جو ان کے بعد ان کی امت میں رونما ہوئیں اور اشرافیت، شرک اور جاہلی قوانین نے پھر سے اسلام کے شاداب چہرے کو مضمحل کر دیا۔

راج ہے ہر چیز ان سے آلودہ ہو رہی ہے وہ عرفات کی روشنی، مشعر کی روشن بینی اور منیٰ کے ایمان و کمال آرزو کو مکدر کر رہے ہیں۔ انہوں نے ان سب چیزوں پر کیچڑ مل دی ہے اور انہیں محو کر رہے ہیں غرق کر رہے ہیں۔ اس طرح کہ تم منیٰ

میں ہو اور تمہیں سجھائی نہیں دیتا کہ تم منیٰ میں ہو، تمہارے وجود میں عشق موجزن ہے مگر معشوق دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ تمہارے اندر ایمان ہے مگر مقصود کو نہیں پا رہے ہو، تم اپنے اسماعیل کو ذبح کر رہے ہو لیکن توحید کی قتل گاہ میں نہیں، طاغوت کے قدموں میں،

''ظلمت'' قیامت ڈھا رہی ہے!

رمی کر رہے ہو، مگر ابلیسوں کو نہیں، فرشتوں کو، ذبح کر رہے ہو مگر دنبے کو نہیں، انسان کو، سعی کر رہے ہو مگر خود سے نہیں، دشمن کی لگام سے طواف جاری ہے مگر اللہ کے مدار پر نہیں، نمرود کے آہنگ پر۔

''ظلم'' قیامت ڈھا رہا ہے

'' غاسق '' اذا '' وقب ''

سازشیں، برملا بھی اور در پردہ بھی سیاسی جادوگر، فسونگران خیال، ساحران دم درود اور وردخوانان فریب، تفرقہ اندازی کر رہے ہیں، دشمنیاں پھیلا رہے ہیں، افواہیں اڑا رہے ہیں، بغض و کینے کے بیج دلوں میں بو رہے ہیں ملے ہوئے ہاتھوں کو مکوں میں بدل رہے ہیں، تعلقات کو توڑ رہے ہیں، شیرازوں کو بکھیر رہے ہیں، بھائیوں کو دشمن اور دشمنوں کو بھائی بنا رہے ہیں، گانٹھوں میں جادو دم کر رہے ہیں، تعلقات میں جدائی کی تیغ حائل کر رہے ہیں، ارادوں کو مفلوج کر رہے ہیں، ایمان کو تباہ اور عزم کو پست کر رہے ہیں، عہد و پیمان کو توڑ رہے ہیں، دین کے ایک پیکر کو فرقوں میں بانٹ رہے ہیں، امت واحدہ کے ایک پیکر کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں اور ہر فرقہ اور ہر ٹکڑے کو '' غاسق '' کے دانتوں اور پنجوں میں لقمہ بنا کر

دے رہے ہیں اس لیے کہ ''نفاثہ'' افراد ''غاسقوں'' کے کارکن ہیں اور یہ جادوگر لوگ شب کے پردے میں، شب کے لیے کام کرتے ہیں۔

اور آخر میں، حاسد کی بات آتی ہے مگر اس وقت نہیں جب وہ اپنے حسد کو پیتا ہے اس لیے کہ وہ ایک بیمار ہے اور ایک خود آزار بیماری اسے لگی ہوئی ہے، بلکہ اس وقت جب کہ وہ حسد کو عمل میں لاتا ہے!

اور یہ وہ اجنبی ''غاسق'' نہیں کہ جو کھل کر زور زبردستی سے اپنے ظلم کو اجاگر کرتا ہے، ''نفاثہ'' بھی نہیں کہ جو اندیش ''غاسق'' کا تنخواہ دار کارکن ہے۔

بلکہ ''اپنا'' ہے، ''دوست'' ہے! ہمدرد و ہمنوا ہے، دشمن نہیں ہے، دشمن کا ایجنٹ نہیں ہے، ''قاسط'' نہیں ہے، ''قاسط'' کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بھی نہیں ہے، یعنی عام متعصب عقل سے کورا مقدس نما ''مارق'' بھی نہیں ہے بلکہ ''ناکث'' ہے ''پشت سے خنجر گھونپنے والا'' ہے جو خیانت کرتا ہے اور خائن نہیں دوست کو مارتا ہے اور دشمن نہیں ہے جو بلا مزدوری اور بلا احسان مندی کے ''نفاثہ'' افراد کا آلہ کار اور ''غاسق واقب'' خیموں کا ستون ہے۔

مارتا ہے مگر اس کے ہاتھ خون سے آلودہ نہیں ہوتے، برائی کرتا ہے مگر کوئی اس پر بدگمان نہیں ہوتا، دوست کی راہ میں گڑھا کھودتا ہے لیکن ''غرض'' سے نہیں ''مرض'' سے!

بدترین اور علاج ناپذیر ترین بیماری: حسد!

وہ گرہ کہ جو کامیاب انقلابوں کو تہس نہس کر دیتی ہے،

اور مجاہدان دلیر کو فخر و مباہات کی بلند ترین چوٹی سے اٹھا کر نیچے پھینک دیتی

ہے۔

دوست کو، دوست کے ہاتھوں، شرعی ذبح کرا دیتی ہے،

اور دیندار پارسا آدمی کو، کفر و فسق کا آلہ قتالہ بنا دیتی ہے۔

بغیر اس کے کہ اسے خود محسوس ہو یا دوسرے جانیں۔۔۔!

اور یہی وجہ ہے کہ ''غاسق'' کے سیاہ خیمے کو منیٰ کی بلندی پر اجاڑا جا سکتا ہے،

''نفاثوں'' کے بلوں کو ڈھونڈ کر انہیں منیٰ سے بھگایا جا سکتا ہے۔

لیکن ''حاسد'' کا کیا کیا جائے؟ کہ جس نے آپ خود، غم پالا ہوا ہے جو اپنے آپ سے ''غاسق'' کا آلہ کار اور نفاثات غاسق کے ہاتھوں کا کھلونا بنا ہوا ہے۔

لیکن ہماری طرح ''غاسق'' کا دشمن ہے اور شاید ہم سے زیادہ غاسق کے نفاثوں کا دشمن۔۔۔!

اور یہی وجہ ہے کہ ان تین ''شر''وں کی صف میں آخری صف اس کی ہے۔

پہلے دن، اس ''منیٰ'' میں آخری ''جمرہ'' کی رمی، وہ ہے!

اس لیے کہ اندر سے ایمان و امید کی آخری آفت، وہ ہے،

اور یہاں پھر تین طاغوتوں کی تثلیث ہے!

جمرۂ اولیٰ: غاسق کو، تسلط شب اور ظلم و ظلمت کو،

جمرۂ وسطیٰ: نافث کو، اس کے کارکنوں کو: تفرقہ ڈالنے والے فریب کاروں، اندیشہ و اخلاق و آگاہی کے تباہ کرنے والوں، غاسق کے لیے فکر کی راہیں معین کرنے والوں اور رواقب کے دامن شب میں خلق خدا کو سلانے والوں کو،

جمرہ عقبیٰ: حاسد کو، غاسق کے پانچویں ستون کو، انجانے طور پر نافث کے ہاتھ

کا کھلونا بننے والے کو، اس دوست کو کہ جو دشمن کی خدمت پر مامور ہے۔

اس ترتیب سے ہم منیٰ کو ان تین طاغوتوں کے ہاتھوں سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں لیکن اس سے بھی زیادہ آسان صورت ہو سکتی ہے،

صبح ہونے دو، رک جاؤ کہ صبح کی سفیدی پھوٹے، اور نور کی سفید نہر منیٰ کی وادی میں اتر پڑے،

جب تیغ آفتاب غاسق کے خیمے کو چاک کر دے گا تو ظلم و ظلمت کے تسلط کو بھی منیٰ سے اٹھا لے گا، اور غاسق کی پناہ میں پنہاں نفاثوں کو منیٰ کی چٹانوں اور غاروں سے بھگا دے گا اور آخر میں جب رات کی طاقت اور ساحران شب نہیں رہیں گے تو حسد کی گرہیں بھی بندھی اور بے ضرر رہیں گی اور یہ بھی بیمار دوستوں کے دل میں دفن ہو جائے گا۔

اس لیے کہ یہ سب رات کا کرشمہ ہے، یہ تینوں "شر" شب کے سیاہکار ہیں رک جاؤ کہ شب ڈھل جائے، اور صبح کی سفیدی نمودار ہو،

اے صبح کی سفیدی کے خدا!

رب الفلق ۔۔۔۔!

لیکن آخری سورہ میں زیادہ ہولناک خطرے کی گفتگو ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منیٰ کو آزاد کرنا دشوار تر ہے!

اور یہی وجہ ہے کہ بقول فخر رازی، اس سورہ میں، خدا کی صرف ایک صفت پر تکیہ ہے اور یہاں تین صفتوں پر!

آغاز سخن اور آہنگ سخن بتا رہا ہے کہ داستان بڑی سنجیدہ، پرکشاکش اور طولانی

ہے۔

اس سورہ میں خدا، ''خداوند فلق'' کی تعبیر میں آیا ہے اس لیے کہ گفتگو ان طاقتوں کی ہے جو فلق کی دشمن ہیں، جن کی زندگی تاریکی میں بسر ہوتی ہے ان کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ رات کی سیاہ چادر کو روشنی کی تیغ ادھیڑ دے ''فلق'' کے آتے ہی وہ سب مر جائیں گے۔

اور اس سورہ میں خدا ''لوگوں کے رب''، ''لوگوں کے **ملک**'' اور ''لوگوں کے الہ'' کے عنوان سے آیا ہے! یعنی یہاں گفتگو ان طاقتوں کی ہے جو خدا کے مدعی اور عوام کے دشمن ہیں، جو لوگوں کے درمیان ان تین خدائی عناوین کے مدعی ہیں:

قل:

'' اعوذ ب''

کہو میں پناہ مانگتا ہوں

'' رب الناس''

لوگوں کے مالک سے

'' ملک الناس''

لوگوں کے **ملک** سے

'' الہ الناس''

لوگوں کے معبود سے

وہاں گفتگو دنیا کی تھی اور سماج کی، اس تاریکی کی قوت کی تھی کہ جو چھا جاتی ہے، ان لوگوں کی تھی جو در پردہ افکار میں سحر پھونکتے ہیں اور ان خود خواہوں کی تھی

کہ جو ۔۔۔بیماری کے سبب ۔۔۔ بد دیانتی کرتے ہیں گفتگو تین بشر دشمن آفتوں، تین عوام دشمن طاقتوں اور تین تباہی پھیلانے والی قوتوں کی تھی: ظلم و ظلمت، فساد وضلالت، اور خود وخواہی وخیانت اور ان کی قربانی بننے والے: لوگ، انسانی معاشرہ اور اسلامی تحریک

اور یہاں بات اجتماعی نظام کی ہے، طبقاتی ڈھانچے کی ہے، گفتگو ''لوگوں'' اور لوگوں پر حاکم قوتوں کی ہے، ان حکمرانوں کی ہے کہ جن کے ہاتھوں میں عوام کی تقدیر ہے ان لوگوں کی ہے کہ جو خدا اور مدعیان خدا سے رابطہ میں ہیں گفتگو لوگوں کے اصلی اور دائمی دشمن کی ہے اور اس کی قربانی بننے والے، نوع بشر اور انسانی معاشرہ نہیں بلکہ ''لوگوں'' کا ایک طبقہ ہے۔

یہ جو بت بنتے ہیں، طاغوت کی پرستش ہوتی ہے، بننے والے خدا کے مقام، خدا کی صفت، اور خدا کے خصوصی عنوان کے مدعی بنتے ہیں اس کا تعلق صرف لوگوں سے ہے اور یہ خدا کا۔۔۔ دنیا سے نہیں ہ فطرت سے نہیں۔۔۔ لوگوں سے رابطہ ہے کہ جس میں آڑ ڈالی جاتی ہے اور خدا کے بندوں کو بندگی کی طرف کھینچا جاتا ہے اور مجرد اندیش دانشمندوں کے تصور کے برخلاف کہ جو حقائق کو واقعیتوں کے متن میں نہیں بلکہ کتابوں کے متن میں پڑھتے ہیں۔۔۔ توحید اور شرک دو فلسفی نظریات نہیں، مدرسوں اور معبدوں کی چاردیواری میں ایک کلامی مشاجرہ یا کلامی بحث نہیں بلکہ انسان کی فطرت کی گہرائی، لوگوں کی زندگی کی روح، حرکت، تضاد اور جنگ و جدال سے بھری تاریخ کے اعماق قلب اور وقت کے بہتے ہوئے دھارے پر عوام اور عوام دشمنوں کی طبقاتی جنگ میں ایک زندہ و زایندہ واقعیت

ہے اور مجرد اندیش لوگوں کی سوچ کے برخلاف،شرک، ایک مذہب ہے، تاریخ پر حاکم مذہب، ہاں، لوگوں کی افیم۔۔۔! اور توحید، تاریخ کا محکوم مذہب، بنی نوع انسان کا خون،فطرت، پیغام اور عوام کا اسلحہ، اور بشریت کا سب سے بڑا، سب سے عمیق اور سب سے زیادہ پر اسرار المیہ۔۔۔۔۔۔ کہ جسے ابھی تک حتیٰ روشن خیال افراد بھی سمجھ نہیں پائے ہیں۔۔۔لوگوں کی آزادی کے واحد ذریعے سے لوگوں کو غلام بنانا، لوگوں کی عزت اور ان کے سرمایہ حیات سے لوگوں کی موت اور ان کی ذلت کا سامان فراہم کرنا!

مگر کس طرح۔۔۔؟

مذہب کے ذریعے، مذہب کو مسخ کر کے۔۔۔۔۔! تاریخ کا بڑا نفاق: ''ابلیس، تقدس الٰہی کی ردا میں۔۔۔۔۔!'' ''توحید، شرک کی خدمت میں۔۔۔۔۔!'' شرک؟ ''خداوندان زمین کے ہاتھوں میں تھما ہوا مذہب، آیات اھریمن۔۔۔۔۔۔!'' خناس! خناس؟ سب سے بڑا شر، لوگوں کا دشمن (ناس کا دشمن)

اور یہی وجہ ہے کہ اس سورہ میں ہر جگہ ''ناس'' کی تکرار ہوئی ہے

یہ زمین کے خدا کہ جنھوں نے لوگوں کے درمیان اپنے آپ کو خدائی قوت اک حامل بنایا ہے، کون ہیں؟ اور یہ طاغوت کہ جنھوں نے خدا اور خلق خدا کی نافرمانی اور حق سے بغاوت کی ہے، کون ہیں؟

پھر وہی تین طاغوت! تثلیث!

ان تینوں عنوانوں کا غاصب کہ جو اس سورہ میں خدا کے لیے آیا ہے اور جس کا

تعلق خاص خدا سے ہے،

توحید،توحید صفات!

اوراس کانقیض،شرک،شرک تثلیث، یہ ''جلاد قابیل'' ہے کہ جو تین چہروں میں نمودار ہوتا ہے اور لوگوں پر۔۔۔۔۔'' ہابیل شہید'' کے فرزندوں پر۔۔۔۔۔حکومت چلاتا ہے۔

قابیل ایک ہے،اورفرعون، قارون اوربلعم باعورا،اس ایک کے تین جلوے ہیں،ایسانہیں ہے کہ یہ تین الگ شخصیتیں اورتین الگ چہرے ہوں

اورعجیب بات یہ ہے کہ تاریخ کی تمام تثلیثیں اسی طرح ہیں تمام تثلیثی خدائی مذاہب میں خدا کاایک ''سر'' اورتین ''صورتیں'' ہیں۔

اس لیے کہ شروع میں عالم بشریت برادرانہ انداز میں زندگی گزارتا تھا،چونکہ جنگل اورپانی ملک عام تھا،سب فطرت کے آزاد دسترخوان پر یکساں تھے،مالک، خدااوربندے سب برابر تھے،عصرصیداورشکارآزادتھا،ہرکوئی درندگی کے پاؤں میں زنجیرڈالتاتھا،زندگی ساری ہابیلی تھی اوراخلاق بھی ہابیلی! کہ ایسے میں قابیل کاشت کاربن گیا اورکہا:''یہ زمین میری ملکیت ہے''یعنی''تمہاری ملکیت نہیں''

ایک ہے مگراس کے باوجود تین اورتین ہے مگراس کے باوجودایک!

علامہ میبدی نے تفسیر کشف الاسرار میں اس بات کومحسوس کیا ہے کہ یہاں گفتگو''مالکیت ،ملوکیت اورمذہبی پیشوائیت'' کی ہے لیکن اس نے ''ناس'' کے سلسلے میں اس کی توجیہ کوبگاڑدیا ہے

وہ کہتا ہے:یہ جو پانچ بار''ناس'' کی تکرارہوئی ہے پہلی بار،اس سے مرادبچے

ہیں کہ جن کو سرپرست اور مالک کی ضرورت ہے، دوسری بار، نوجوان کہ جن کو قوت اور ملوکیت کی ضرورت ہے، تیسری بار بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں مراد ہیں کہ جو اہل طاعت و عبادت ہیں (وہی تین قوتیں، تین خدائی مقام، نظام شرک میں عوام کے تین خدا، اس کو اپنے سے مخصوص کرلیا ہے، خدائی دعویٰ یعنی یہ) چوتھی بار اولیاء و صلحاء کہ جن کے گمراہ کرنے پر شیطان حریص ہے اور پانچویں بار بدکار مفسد لوگ!

یگانگت و گانگت میں بدل گئی اور یگانہ پرستی، دوگانہ پرستی ہوگئی، قابیل نے خدا کی جگہ پکڑی اور اس کے تین چہرے ہوگئے اور سہ گانہ پرستی، وہی تثلیث۔۔۔

تثلیث، یہ گھناؤنی مثلث وہ ہے کہ جس میں سارے پیغمبر، سارے عدل و انصاف طلب لوگ اور سارے شہداء مدفون ہیں۔

یہ وہ ''مذموم طلسم'' ہے کہ جو غلامی کے طوق کی طرح خدا کے بندوں کی گردن میں پڑا ہے اور اس جگت کے خدا کے بندوں کو سماج کے خداؤں کی بندگی میں لے آیا ہے تین پہلو والا طلسم! ایک ''شرکت'' کے تین شریک! پہلے نے لوگوں کو مصروف رکھا ہوا ہے، دوسرے نے ان کی جیبیں خالی کی ہیں اور تیسرا ان دونوں کا شریک۔۔۔ عالمانہ وضع قطع میں آسمانی زبان کے ساتھ ان کے کانوں میں زیر لب کہہ رہا ہے

صبر سے کام لو میرے دینی بھائی، دنیا کو اس کے اہل پر چھوڑ دو، اپنی بھوک کو اپنے گناہوں کی بخشش کا اثاثہ بناؤ، زندگی کے دوزخ کو آخرت کی جنت کے بدلے میں جھیل جاؤ، اگر یہ لوگ اس بات کو جان جائیں کہ آخرت میں ان لوگوں

کا صلہ کیا ہے کہ جو اس دنیا میں ظلم وغربت پر صبر کرتے ہیں تو وہ تم جیسے آج کے بد نصیب کی کل کی سعادت پر غبطہ کریں گے۔

"اپنے پیٹ کو غذا سے خالی رکھو میرے بھائی تا کہ تمہیں اپنے اندر معرفت کا نور دکھائی دے"!

"چارہ کار کچھ نہیں، جو کچھ ہم پر گزرتی ہے اسے پہلے سے تقدیر کے قلم"

......اصرهم والا غلل التي...... (اعراف 157)

نے ہماری پیشانی پر لکھ دیا ہے" السعید سعید فی بطن امه، الشقی شقی فی بطن امه" ہم جو بھی اعتراض کریں گے وہ اس کی مشیت پر اعتراض ہوگا، وہ دے یا نہ دے، شاکر رہو ہر چیز کو روز حساب پر چھوڑ دو، ظلم پر صبر اور غربت پر شکر کو اپنا وطیرہ بناؤ اور کچھ نہ کہو تا کہ صابروں کا اجر تمہارے ہاتھ سے نہ جائے اپنے تن کو بھول جاؤ تا کہ تمہیں کپڑے کی خواہش نہ ہو! اور یہ نہ بھولو کہ مخلوق پر اعتراض خالق پر اعتراض ہے "حق" اور "عدل" کا حساب، اللہ کا کام ہے خلق کا نہیں، کسی کی موت اور کسی کی حیات میں تمہیں کچھ کہنے کا حق نہیں اس لیے کہ احکم الحاکمین خدا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت میں تمہیں یہ دیکھ کر شرمندگی ہو کہ خدائے ارحم الراحمین نے ایک ایسے ظالم کو بخش دیا کہ جسے تم نے دنیا میں نہیں بخشا! ہر کوئی اپنے عمل کا ذمہ دار ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر؟ ٹھیک ہے، لیکن اولا: اس کی شرط علم وتقویٰ ہے، ثانیاً! اس بات کا یقین ہے کہ بات نتیجہ خیز ہوگی، ثالثاً: اگر اس میں تمہارے لیے ضرر کا احتمال ہو تو تکلیف ساقط ہے۔۔۔

اور یہ تینوں ایک دوسرے کے ہم دست و ہم داستان قابیل، تین نقابوں میں،

تثلیث کے دائی تین خداؤں کی صورت میں، اس سے کوئی فرق نہیں۔

اس کی بہترین مثال، امام حسینؑ کا عمل ہے کہ جنہوں نے اپنی ایک وصیت میں جو انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر اپنے بھائی محمد حنیفہ کو دی باضابطہ طور پر اعلان کیا کہ: ''میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے قیام کر رہا ہوں'' اور ہم نے دیکھا کہ اس کام میں ضرر بلکہ خطر تھا اور اس کا کوئی نتیجہ و اثر بھی نہیں تھا! (دیکھا آپ نے تذہب بر خلاف مذہب ''اسلام بر خلاف اسلام'' اور ''تشیع بر خلاف تشیع'' کس طرح ہے)

پڑتا کہ اس نے کفر کا لباس پہنا ہو یا اسلام کا، شرک کی صورت میں ہو یا توحید کی، وہ ہمیشہ ہر دور میں، ہر جگہ زمین کے پھیلے ہوئے دامن پر۔۔۔دین کے نام سے۔۔۔خلق خدا کی ''سرشت'' و ''سرنوشت'' پر حکومت کرتا ہے!

یہ تینوں طاغوت، قابیل کے تین چہرے ہیں مالک قابیل نے اپنے چہرا ہے بھائی حابیل کو قتل کیا اور پھر اس کے بن باپ کے بچے، اپنے قاتل چچا کی تولیت اور اس کی سرپرستی میں،

اور اس طرح جلاد، اپنے شہید کا وارث!

اور عجیب بات یہ ہے کہ سارے ابراہیمی پیغمبر۔۔۔۔۔توحید و عدالت کے داعی، وارثان ہابیل، عصر گلہ بانی اور برابری کے انسان۔۔۔سب کے سب چوپان تھے۔۔۔!

اور اس چوپانی سلسلے کے آخری مبعوث پیغمبرؐ جناب ''رسول امی'' کی تصریح کے مطابق۔۔۔۔ کہ جو خود ''قراریط'' میں مکہ کے لوگوں کی بکریاں چراتے

تھے۔۔۔"ما من رسول الارعی الغنم"!

اورکوئی صاحب رسالت ایسانہیں تھا کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں!

اور یہ قابیل کی سنت ہے کہ جو اپنے، بھیڑیے، لومڑی اور چوہے پر مشتمل تینوں فرزندوں کے ساتھ ہمیشہ تاریخ کے صفحہ پر اس کوشش میں رہا کہ استبداد سے (یعنی بھیڑیے کی صفت سے) یا استحمار سے (یعنی لومڑی کی

جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا: "میں قراریط میں مکہ کے لوگوں کی بکریاں چراتا تھا۔۔۔وما من نبی الارعی الغنم" کوئی ایسا پیغمبر نہیں کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں! (ابن ہشام ج ا ص118)

صفت "چالاکی" سے) یا پھر استثمار سے (یعنی چوہے کی صفت سے "چوری چوری") فرزندان ہابیل۔۔۔عوام۔۔۔کو "مینڈھا" بنائے!

اور اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور میں ہر متمدن شہر میں کہ جو علم وفرہنگ اور دینی معبدوں کا مرکز رہا ہے بجائے کسی فلسفی، کسی عالم، کسی حکیم اور کسی زعیم کے ایک "امی" "گلہ بان" صحرا کے گرم سینے سے نمودار ہوا اور بکریاں چرانا چھوڑ کر، قابیلی قوتوں کی بھینٹ چڑھنے والی امتوں کی نجات اور ان کی رہبری کے لیے اپنے بکریاں ہانکنے والے ڈنڈے سے خداوندان زمین کے درپے ہوا، اور یہی وہ منزل ہے کہ جہاں خدائے قرآن کے اس جلیل القدر بیان کی گہرائی اور گیرائی کو سمجھا جا سکتا ہے کہ جس میں اس نے بار بار فرمایا ہے:

"ہم نے خود لوگوں میں سے ایک رسول بھیجا اور خود ان کی قوم کی زبان میں بھیجا" اور تصریح بھی کی کہ "ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا

اور اس کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ عدالت اور برابری کے ساتھ قیام کریں اور لوہے کو نازل کیا کہ اس میں لوگوں کے لیے سختی ہے اور سود مندی۔۔۔۔۔۔'' (حدید)

اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ کے دورانیہ میں ہر جگہ ''پیغمبر'' خود لوگوں میں سے اٹھتے رہے ہیں اور انہوں نے ہابیل کے فرزندوں۔۔۔۔ یعنی لوگوں۔۔۔۔۔ کو توحید، عدالت اور آگاہی کی طرف بلایا ہے، لیکن لوگ پوری قوت سے ان پر ٹوٹتے تھے اور انہیں قتل کرتے تھے اور پھر ایک نسل گزرنے کے بعد یا

ان الذین یکفرون بایت اللہ ویقتلون النبین بغیر حق ویقتلون الذین یامرون بالقسط

اس سے پہلے ہی اس کے عزادار بن جاتے تھے اور اس کے ایمان کے وارث اور اس کی امت کے متولی ہو جاتے تھے۔

اگر ان کے پیغمبر کو ان پر کامیابی حاصل ہوتی تھی تو اس کے مطیع بن جاتے تھے اور اپنا لباس بدل دیتے تھے اور ابھی ایک نسل گزرنے بھی نہیں پاتی تھی کہ وہ اس کے نائب اور اس کے خلیفہ بن بیٹھتے تھے اور اس کے علم، اس کی کتاب، اس کی انگوٹھی اور اس کی تلوار کے مالک بن جاتے تھے۔

ایک قابیل ہے اور اس کے تین چہرے! سات رنگ، ستر نقاب، سات ہزار نام اور ستر ہزار دام

ایک قابیل ہے کہ جو قاتل ہے اور اس کا بھائی اس کا مقتول

ایک قابیل ہے کہ جو مالک ہے اور لوگ اس کے مملوک

ایک قابیل ہے کہ جو حاکم ہے اور لوگ اس کے محکوم

ایک قابیل ہے کہ جو ساحر ہے اور لوگ اس کے مسحور

یہ مالکیت ہے کہ جس نے ان دونوں بھائیوں کے درمیان دشمنی ڈالی، دو برابر کو دو نابرابر بنا دیا!

جس نے انسان کو دو نسلہ، معاشرے کو دو طبقہ، تاریخ کو دو رخہ، اور ایک کو دو خدا کر دیا! ثنویت رائج کی!

من الناس فبشر هم بعذاب اليم

وہ لوگ جو آیات الٰہی سے کفر اختیار کرتے ہیں (واضح حقیقتوں کو مسخ کرتے اور چھپاتے ہیں) اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں، نیز لوگوں میں سے ان افراد کو قتل کرتے ہیں جو برابری اور مساوات قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں ان کو دردناک عذاب کی بشارت دو۔

قرآن کی تعبیر میں، اس کے لیے: "استکبار و استضعاف" کا لفظ آیا ہے۔۔۔

استضعاف؟ کتنا بڑا اور گنجائش والا لفظ! ہر وہ چیز کہ جو لوگوں کو کمزور کر دے، ضعف کی طرف لے جائے۔

ایک قابیل ہے، اور اس کے تین اڈوں اور تین رخوں، اور تین فرزندوں کے ہاتھوں سے عمل میں آنے والا ایک "استصناف"

یا اسے زنجیر پہناتا ہے، زور سے: استبداد، سیاست، فرعون!

یا پھر اس کا خون چوستا ہے، زر سے: استثمار، اقتصاد، قارون!

یا پھر اسے فریب دیتا ہے، تزویر سے: استحمار، ایمان، بلعم باعورا!

اور ایک ''حاکم طبقہ'' ہے تین چہروں میں، تین طاقتیں حاکم ہیں اور ایک طبقہ میں، ایک قابیل ہے کہ جس کی تین صورتیں ہیں اور جو ایک وحدت کو تین خدائی صورتوں میں بدلتا ہے: تثلیث!

''ایک اور اس کے باوجود تین تین اور اس کے باوجود ایک''

لیکن سات رنگوں، ستر چہروں، سات سو ناموں اور سات ہزار داموں کے ساتھ!

کبھی نقاب اوڑھ کر اور کبھی بے نقاب۔۔۔ کبھی کفر سے، کبھی دین سے۔۔۔۔ کبھی شرک سے، کبھی توحید سے۔۔۔۔۔ کبھی تازیانوں کے ساتھ کبھی قانون کے ساتھ۔۔۔ کبھی ڈکٹیٹر بن کر اور کبھی ڈیموکریسی کے روپ میں۔۔۔۔ کبھی غلامی میں، کبھی آزادی میں۔۔۔۔ کبھی فیوڈلیزم میں اور کبھی سرمایہ دارانہ نظام میں۔۔۔۔ کبھی مذہب میں، کبھی سائنس میں۔۔۔ کبھی مذہبی پیشوائیت کے روپ میں اور کبھی روشن خیال بن کر۔۔۔ کبھی فلسفے کے رخ سے اور کبھی تصوف کے رخ سے۔۔۔۔ کبھی حصول لذت میں اور کبھی ریاضت میں۔۔۔۔ کبھی غیر متمدن معاشرے میں اور کبھی متمدن معاشرے میں۔۔۔ کبھی انحطاط کی صورت میں اور کبھی ارتقاء کے روپ میں۔۔۔ کبھی مادیت کے ساتھ، کبھی معنویت کے ساتھ۔۔۔ کبھی مسیحیت، کبھی اسلام، کبھی تسنن، کبھی تشیع۔۔۔

آپ جہاں سے بھگائیں گے پھر لوٹ آئے گا، دروازے سے نکالیں گے دیوار پھاند کر آئے گا۔

غلامی کا سر کچلو گے تو خواجہ اور خان ہو جائے گا اور غلام کو دہقان کر دے گا، جا گیرداری کو انقلاب کبیر سے توڑو گے تو سرمایہ دار خان بن جائے گا اور دہقان کو مزدور کر دے گا۔

موسیٰ توحید کے ید بیضا سے فرعون کو رود نیل میں غرق، قارون کو خاک کی تہہ میں دفن اور جادو کے مذہب کو رسالت کے اژدہے سے غرق کر دیتے ہیں۔۔۔۔۔

مگر، نیل میں ڈوبا ہوا فرعون فوراً ہی دریائے اردن سے ''شمعون'' بن کر ابھرتا ہے اور موسیٰ کا وارث بن جاتا ہے اور تازیانہ کے بجائے موسیٰ کی چھڑی ہاتھ میں لیتا ہے، اور فرعون کے جادوگر، ہارون کی اولاد اور ''احبار'' موسیٰ بن جاتے ہیں اور جادو کی رسیوں کے بجائے تورات کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہیں بلعم باعورا، اللہ کی آیت بن جاتا ہے اور قارون، امین ملت توحید یہ تینوں ''ارض موعود'' کے نام سے فلسطین کو نگل لیتے ہیں اور ''قدیم سبطیوں'' کو ''جدید قبطی'' بنا دیتے ہیں۔

مسیح موعود ظہور کرتے ہیں اور پھر یہودیوں کے مذہب کو منسوخ کر کے روم کی شہنشاہیت کو رمی کرتے ہیں۔

تو قیصر، پوپ۔۔۔۔۔۔یہودیوں کے احبار، راہبان مسیح۔۔۔۔روم کے سینیٹرز، وایتکان کے کارڈینلز۔۔۔۔۔۔محل، چرچ۔۔۔قیصر، پوپ اور جوپیٹر، مسیح بن جاتا ہے۔

جناب رسالت مآب تشریف لاتے ہیں، قیصر وخسرو رمی ہوتے ہیں، پادری

اور مذہبی پیشواؤں کا زور ٹوٹتا ہے، عرب اور عجم کی اشرافیت ختم ہو جاتی ہے۔۔۔۔!

تو قیصر وخسرو، خلیفہ۔۔۔۔ پادری اور مذہبی پیشوا، امام اور قاضی گاؤں کے مکھیا، صاحبان املاک، صاحبان دولت، ارسٹو کریٹ لوگ، جاگیردار اور اشراف۔۔۔۔ اصحاب، سادات، ذوات کریم، صاحبان بیوت، شرفاء اور اہل حسب ونسب ہو جاتے ہیں۔

قیصر و کسریٰ کی شہنشاہیت کا نام، خلافت رسول اللہ ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ چرچ اور آتش کدہ، مسجد۔۔۔ قتل عام، جہاد۔۔۔۔۔ غارت گریاں، زکوۃ۔۔۔ اور۔۔۔ عوام کی ذلت، مشیت الٰہی بن جاتی ہے۔

محمدؐ کا خاندان قتل ہو جاتا ہے، قید و بند کی سختیاں جھیلتا ہے، ظلم وغصب وقتل عام اور اسارت کی بھینٹ چڑھتا ہے اور ابو سفیان اور عباس کا خاندان، محمدؐ کا وارث بنتا ہے!

علیؑ مسلسل سنت محمدیؐ کو جاری رکھنے کے لئے استقامت دکھاتے ہیں اور اسلام کے سچے رہبر 250 سال تک خلافت سے لڑتے اور شہید ہوتے رہتے ہیں اور ان کے حق پرست پیروکار ولایت کے پرچم کو ظلم کی حکومت میں اپنے کاندھوں پر لیے پھرتے ہیں اور جاہلی سنت کی حاکمیت اور اشرافی خلافت میں سرخ شیعیت کی راہ اختیار کرتے ہیں اور حکومت جور اور نظام ظلم کو کچلنے کے لیے امامت اور عدالت کو اپنے مذہب کا شعار بناتے ہیں

اور امامت و عدالت کی راہ میں ہزار سال کے جہاد اور شہادت کے بعد

اچانک خلیفہ شیعہ ہو جاتا ہے اور صفوی سلطنت علوی ولایت کی وارث بن جاتی ہے اور اس کا دار الخلافہ عالی قاپو۔۔۔۔ اور ظلم جرا ہوتا ہے!!

یورپ میں جب چرچ احیاءِ نو کی زد پر آتا ہے اور سائنس، دین کی جانشین ہو جاتی ہے اور قدیم مدارس اسکولا جدید جامعات کے آگے متروک ہو جاتے ہیں اور اہل دانش دینی پیشواؤں کو معابد میں دھکیل دیتے ہیں

تو بلنم باعور اچرچ سے جامعہ میں آجاتا ہے!

فرانس کا انقلاب جاگیردارانہ نظام کی بیخ کنی کرتا ہے اور زمیندار قارون، گاؤں میں رمی ہو جاتا ہے تو فوراً شہر آکر بینک کا مالک بن جاتا ہے۔

فرعون کا سر انقلاب کے Gujllotine کی تیغ سے اڑ جاتا ہے اور وہ "محل" کے ایک گوشے میں رمی ہوتا ہے،

تو وہ قارون کے خزانے اور بلعم کے جادو سے ڈیموکریسی کے "بیلٹ باکس" سے سر نکالتا ہے۔۔۔۔۔!

اور ایک "گل" دوگل ہو جاتا ہے۔

وہ آلہ کہ جسے 1896ء میں فرانس کے اندر لوگوں کے سر کاٹنے کے لیے کام میں لایا گیا۔

فرانس کی زبان میں "گل" کوڑے کو کہتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ "ڈوگل" انقلاب کے بعد ڈیموکریسی اور لیبر ایزم کے زیر نقاب کتنا خوبصورت اور کتنا محبوب ہو جاتا ہے! حتیٰ کہ تیسری دنیا کے لوگ بھی اس کے فریفتہ ہو جاتے ہیں فرانس کے

ہمارے چچازاد بھائی ماننے والے نہیں ہیں، قابیل کے لڑکوں کو کہہ رہا ہوں۔ ان ہی تین ہمدست وہم داستان بھائیوں کو کہ جو ہمیشہ اور ہر جگہ ساتھ ہیں اگر تم نے زور اور زبردستی کے تازیانہ کو بھیڑیے کے ہاتھ سے چھینا تو چوہا تمہیں زر سے خرید لے گا۔ نہ بکے تو لومڑی، تمہیں دین سے دھوکہ دے گی، نہ ہوا تو سائنس سے، یہ بھی نہ ہوا تو ہنر سے، یہ بھی نہ ہوا تو فلسفہ سے، آئیڈیالوجی سے، یہ بھی نہ ہوا تو کھیل سے، یہ بھی نہ ہوا تو خواہ مخواہ کی کشمکش سے، بناوٹی جنگوں سے، یہ بھی نہ ہوا تو گریہ وزاری سے، دعا وندبہ سے، سینہ کوبی سے، ہائے وائے سے، ذہنی اور روحانی مصروفیت سے، ہر اس چیز سے کہ جو تمہیں ”حال“ سے غافل کر دے سارے رو بہ تاریخ کینوں سے، اس لگاؤ سے کہ جو موت کے بعد کا ہو، ان سے بھی بات نہ بنے تو مصرف لذت، تجمل، ظاہر بینی، مرتبے، مقام اور دولت کے جنوں سے، قرض و قسط سے، ”سگ دوی“ سے کہ جس کا نام ”زندگی“ رکھا ہوا ہے، کام اور اضافی کام سے کہ جس کا نام ”بہبود“ رکھا ہے! خوف سے، چاپلوسی سے، ذلت سے، ساری عمر روز وشب بھاگنے دوڑنے اور ہمیشہ چند سال پیچھے رہ جانے سے! ساری آزادی، سارے اقدار اور سارے وقت کو تعیش کی بھینٹ چڑھانے سے، جو کچھ تم نے گزشتہ میں کھایا ہے اس کی بنیاد پر تمہارے مستقبل کو تمہارے جدید آقاؤں کی نذر کرنے سے، ”آسائش کے وسائل“ کو خریدنے کے لیے ”زندگی کی آسائش“ کو بیچنے سے، تا دم مرگ تمام عمر دوڑانے بھگانے اور دم بھر کے لیے۔

گھٹیا استعمار کی بھینٹ بننے والے مسلمان، عصر استبداد میں نہیں بلکہ انقلاب کے بعد، ڈوگلوں کے کوڑے کھاتے ہیں اور ان کو ”ہورا“ بھی کہتے ہیں، خناس اور

سانس نہ لینے دینے سے، سوچنے سمجھنے کے لیے کوئی وقت نہ چھوڑنے سے، ان باتوں سے بھی نہ ہوا تو جاز کے شور اور جنسیت وغیرہ سے، ان سے بھی نہ نہ ہوا تو جذبہ تصوف سے، ہیروئین، ماری جوانا، ایل ایس ڈی اور ان جیسی ہزاروں چیزوں اور ہزاروں دوسری ''حق'' و ''باطل'' باتوں سے، ہر اس چیز سے جو تم کو اپنی طرف مصروف اور ان سے غافل رکھے۔

ہر اس چیز سے جو تمہیں منزل تک جانے نہ دے، اب خواہ اس کا نام کفر ہو یا ایمان

اور ہم ''لوگ'' زمانے کے دائی ''صغار یتیم'' ہر نقطہ زمین کے مستضعفین، شہید ہابیل کے لواحقین، خدا کے برحق بندے ''آدم'' کے ''اہل'' فرزند، بھائی چارگی کے پاسدار، برابری اور مساوات کے دوستدار، ابتدائی دور کی صاف ستھری فطرت، توحید برحق، اور وحدت و صلح کے نمائندے، اس عہد کی یادگار ہیں کہ جب بشریت ــــ خداوند فطرت کے عام دستر خوان پر ــــ ایک ''امت واحدہ'' تھی کہ جو پوری کی پوری اس کی شہادت سے دفن ہو گئی اور اس کا خون مکرو فریب اور بد دیانتی کے ہاتھوں قتل ہونے والے ہمارے باپ ــــ مالکیت کے معصوم قتیل ــــ کے خون کے ساتھ زمین پر بہا اور اس کے وجود میں ایک آرزو اور ایک ایمان کی طرح جذب ہو گیا۔

اور جواب بھی اس کے خون کا قرض بن کر، ایک شعلہ امید اور بیتاب رسالت کی طرح ہمارے سینوں میں موجود ہے۔

توحید کا پرچم، اس امید کی مشعل ہے اور اس پیغام کا یہ علم عرفات سے تاریخ کے منیٰ تک، مبعوث گلہ بانوں کے ہاتھ میں دست بدست گھوم رہا ہے اور نسل بہ نسل میراث بن رہا ہے، ہابیل سے ابراہیمؑ تک، ابراہیمؑ سے محمدؐ تک، محمدؐ سے حسینؑ تک اور حسینؑ سے،

ہم سب کے درمیان، تمام مہینوں میں، تمام دنوں میں، تمام سرزمینوں میں۔۔۔۔۔

آخرالزمان تک۔

اس وقت تک جب تک کہ عدل کا عالمی انقلاب وجود میں نہیں آتا، تاریخ کے محکوموں کو امامت اور زمین کے مستضعفوں کو ان کی وراثت نہیں ملتی۔

یہ پرچم کہ جو سینہ خاک اور تاریخ کے دھارے پر دست بدست گردش میں ہے ایک سرخ خط کھینچ رہا ہے۔

اور پرچم شرک، جور، جوع (بھوک) اور جہل کا پرچم، تین طاغوتوں کے ہاتھ ہیں۔

کفر و دین، تعصب و فرقہ نہیں، آسودہ لوگوں کی خیال تراشی اور پرسکون صوفیوں اور فلسفیوں کی جدال نہیں۔۔۔۔انسان کی ''غی'' گمراہی اور اکا ''رشد'' ہے!

کفر و دین کی نشانیاں بڑی روشن اور واضح ہیں، یہ ''رشد'' و ''غی'' کی بحث ہے اور ''قسط'' (عدل) و ''ظلم'' کی جنگ، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے، جھوٹ ہے، فریب ہے، نفاق ہے۔

کسی بات پر کان نہ دھرنا، کہ اس سراپا "نفاق" تاریخ میں صرف قابیل کے فرزندوں کو بولنے کا حق رہا ہے یہاں تک کہ حق اور دین کی گفتگو میں بھی ان ہی کا اختیار رہا ہے۔

اور میں کیا کہہ رہا ہوں ۔۔۔۔۔؟

حتیٰ کہ "شہید ہابیل" اور اس کے پسماندگان کی سرنوشت کے بارے میں بھی یہی لوگ بولنے والے ہیں! صرف قرآن کی بات سنو۔۔۔۔ان کی نہیں جو اس کے نام سے بول رہے ہیں۔۔۔۔اس لیے کہ قابیلی قبیلے کے لوگ مفسر بھی ہوئے ہیں! خود قرآن کی قسم کہ یہ وہ واحد سند ہے کہ جو ان کے ہاتھ سے محفوظ رہی ہے۔

اس سے سنو تا کہ وہ تمہیں انسان کی سرگزشت کے بارے میں بتائے اور تمہارے لیے "رسالت" کے مفہوم کی تفسیر کرے!

كان الناس امة واحدة ، فبعث الله النبين مبشرين ومنذرين

لوگ، ایک امت واحدہ تھے برابری کی بنیاد پر قائم ایک معاشرہ تھے، خدا نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء کو ان کے لیے مبعوث فرمایا۔ پر یہ سارے اختلافات نہ تعصب کی بنیاد پر عمل میں آئے اور نہ اختلاف عقیدہ وایمان کی بنیاد پر، یہ سب کچھ انجانے طور پر نہیں ہوا، بعقل وہوش جان بوجھ کر ہوا اس لیے کہ حق کشی اور ظلم کو راستہ ملے اور اہل غرض اور اہل حسد اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔

ذرا خدا کی بات سنو تا کہ وہ خود تمہیں بتائے کہ اس نے اپنے پیغمبروں کو کس بات پر مامور کیا ہے اور ہمارے لیے کیوں بھیجا ہے؟

"لقد ارسلنا رسلنا بالبینت وانزلنا معھم الکتب والمیزان لیقوم الناس القسط"

ہم نے اپنے صاحبان رسالت کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب کو اور ترازو کو نازل کیا تاکہ "لوگ برابری اور مساوات کے استقرار" اور ہر کسی کو اس کے حصے کے مطابق اس کا حق دلانے کے لیے قیام کریں! یہاں "رشد" اور "غی" ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہو گئے ہیں اور ہر ایک کی سرحد کھل کر سامنے آ گئی ہے،

کفر و دین آشکار ہو گئے، ہر ایک کا کردار بھی واضح ہو گیا، توحید اور شرک ایک دوسرے سے علیحدہ، اور ان کی صفیں معین ہو گئیں!

پھر قرآن کی طرف جائیے، تاکہ بغیر فلسفہ بافی، تصوف بازی، چکرا دینے والے کلامی اور اسکولائی معمہ سازی کے صاف، سادہ، روشن اور قاطع انداز میں اس طرح کہ ہر امی کی سمجھ میں آئے، وہ تمہیں بتائے کہ

"الذین امنو، یقاتلون فی سبیل اللہ"

"والذین کفرو، یقاتلون فی سبیل الطاغوت"

اور پھر فوراً ارشاد ہوتا ہے

"فقاتلو اولیاء الشیطن، ان کیدا الشیطن کان ضعیفا"

اور دلچسپ بات یہ ہے کہ "کتاب" (آئیڈیالوجی) اور "ترازو" (برابری مساوات) کے بعد فوراً ہی "لوہے" کی بات کی گئی ہے اور لوہے (مادی قوت) کے دونوں پہلوؤں کو سامنے لایا گیا ہے، اس کی عسکری طاقت کو بھی اور معاشیاتی

طاقت کو بھی عسکری قوت کو ''جہاد'' میں اور معاشیاتی طاقت کو ''زندگی'' میں!

''........ و انزلنا الحدید، فیه باس شدید، و منافع للناس'' !

(اور لوہے کو نازل کیا، اس میں جنگ کی شدید سختی بھی ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی) یعنی کہ برابری اور مساوات کی نسبت لوگوں کے قیام کے لیے'' کتاب بھی اور لوہا بھی؟'' نساء آیت 68

پس شیطان کے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کرو کہ شیطان کا مکر بڑا بودا ہے۔

شیطان کے ساتھی؟

ہاں، تثلیث کے طاغوت!

اور تم، اے یاران خدا!

اے کہ جس نے ابلیس کے بے رحمانہ یلغار میں، اپنے خدا کی ذات کو'' حکمت'' کے بلند مینار پر محفوظ رکھا ہوا ہے،

اور جادو کی سیاہ زہریلی ہواؤں میں ''جان جامہ تقویٰ'' زیب تن کر رکھا ہے،

الم تر الی الذین قیل لهم: کفو ایدیکم واقیمو الصلوة واتو الزکوة، فلما کتب علیهم '' القتال '' اذا فریق منهم یخشون الناس کخشیة الله، او اشد خشیة وقالو: ربنا لم کتبت علینا القتال، لولا اخرتنا الی اجل قریب! قل متاع الدنیا قلیل والاخر خیر لمن اتقی، ولا تظلمون فتیلا...! ''سورہ نساء، آیت 88''

اس آیت میں مذہبی اصطلاحات: شیطان، اولیاء، شیطان، سبیل اللہ، طاغوت، دنیا و آخرت اور خاص طور پر تقویٰ کو قرآن کی زبان سے بھی سنیے اور

دیکھیے کہ قرآن انہیں کس مفہوم میں پیش کرتا ہے؟

تقویٰ ''وقی'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی تحفظ دینے کے ہیں، پرہیز کرنے کے نہیں، یہ مثبت معنی رکھتا ہے اور اس کا ترجمہ منفی رنگ میں کیا گیا ہے

اس زور کے تانے اور زر کے بانے سے بچو کہ جس کو لوگوں کے تزویر کی مکڑی نے خدا کے راستے میں دام ظلم کی صورت میں بنا ہے۔

موت سے نہ ڈرو، قتال کے لیے مہلت نہ مانگو، تقویٰ اختیار کرو اور کھجور کے بیج کے اطراف لپٹے ہوئے باریک سے غلاف جتنا بھی ظلم نہ سہو!

تا کہ منفی سوچیں اور منفی عمل کریں یہ تقوائے ستیز ہے ''تقوائے پرہیز'' نہیں! اسی لیے میں نے اس کا ترجمہ ''جان جامہ'' کیا ہے اور خاص طور پر اس لیے بھی کہ قرآن نے بھی اسے ''لباس التقویٰ'' کہا ہے۔

قرآن کی گفتگو کا ڈھنگ دیکھیے! ہر جگہ اس نے شیطان کو ہولناک بتایا ہے ایک زبردست اور خطرناک دشمن مگر یہاں شیطان کے مکر کو ''ضعیف'' اور بودا کہا ہے! مگر کیوں؟ اس لیے کہ یہاں گفتگو ''قتال'' کی ہے اور یہاں مجاہدوں سے گفتگو ہو رہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں نے ظالم اور ستمگار کے نظام کو آیت کے مفہوم کے مطابق فولادی زنجیر سے نہیں بلکہ ''مکڑی کے جالے'' سے تعبیر کیا ہے اور تعجب کی بات ہے کہ قرآن کے ایک سورہ کا نام بھی ''سورہ عنکبوت'' ہے اور اس میں تنہائی کے پیام آوروں کی داستان ہے کہ جنہوں نے بڑے جابر حکمرانوں کی قوت اور محکوم لوگوں کے جہل کے خلاف جہاد کا آغاز کیا اور اپنے خالی ہاتھوں کے ساتھ، ظلم کے تمام محلات اور سحر کے تمام معابد کو تہس نہس کر دیا کیونکہ یہ تمام قوتیں

شرک پر قائم تھیں اور ان صاحبان قوت لوگوں کا۔۔۔کہ جو اپنی سرزمین پر استکبار اور غرور کی لعنت میں گرفتار تھے اور انہوں نے خلق خدا کو استضعاف کی بھینٹ چڑھایا ہوا تھا، خدا کے سوا باقی ہر چیز پر تکیہ تھا قرآن ان صاحبان اقتدار کو عنکبوت کا نام دیتا ہے اور ان کے نظام کو ''مکڑی کے جالے'' سے تعبیر کرتا ہے جسے مکڑی تنتی ہے

اور تم، اے توحیدی انسان، اے وہ کہ جس کی گردن پر ہابیل کے خون کا قرض اور جس کی پشت پر کتاب، ترازو اور لوہے کے تمام پیام آوروں کی پیغام رسانی کا بوجھ ہے!

اے ''آدم کے وارث''! ''کل انسان''!

اے ''توانائی''، ''آزادی'' اور ''علم و آگہی'' کے مظہر،

''شرک'' کے تین استصناف گر (کمزور بنانے والے) طاغوتوں کے خطرے سے خدا کی پناہ مانگو!

اس خدائے توحید سے

کہ جو ''لوگوں کا مالک'' ہے

''لوگوں کا ملک'' ہے

''لوگوں کا معبود'' ہے

اے وہ کہ جو عرفات، مشعر اور منیٰ سے شہادت کے سرخ خط کو

اور اپنے شکار کو اس میں پھانس کر اس کا خون چوستی ہے (تثلیث) لیکن اس کے باوجود وہ انتہائی بودی اور بے دم ہے اس کا ذکر اس لیے نہیں کہ وہ ایک طاقت

ور چیز ہے اور اس لیے بھی نہیں کہ لوگ کمزور ہیں یہ جہالت کی باتیں ہیں فقط یہ بتانا مقصود ہے کہ جو کچھ پیغمبران الٰہی اپنی قوم کو دینا چاہتے تھے وہ اسلحہ نہیں تھا پیام تھا، قوت نہیں تھی، حکمت تھی، خود آگاہی تھی! ''نور'' تھا

مثل الذین اتخذو من دون اللہ اولیکم کمثل العنکبوت اتخذت بیتا، وان اوھن البیوت، لبیت العنکبوت، لو کانو یعلمون، ان لوگوں کی مثال کہ جو خدا کے علاوہ دوسروں کو اپنا

عبور کر چکے ہو،

''طاغوت عقبہ'' کے ویرانے کو اپنے قدموں تلے کچل چکے ہو،

اپنے منیٰ کی سرزمین کو فتح کر چکے ہو،

اے ''ملت ابراہیمؑ'' اور ''سنت محمدؐ'' کے ثمر!

ذرا ہوشیار رہو ڈرا ابھی ختم نہیں ہوا ہے

ابھی تم خطرے میں ہو!

ابھی تمہیں قابیل کا خطرہ لاحق ہے، ابھی تین قابیلی طاغوتوں کی بازگشت کا خطرہ تمہارے ساتھ ہے۔

پیام بر خطرے میں ہے،

اس لیے کہ پیامبر کا پیام خطرے میں ہے،

پیغمبر کے پیرو کاروں کی امت خطرے میں ہے،

یعنی تم خطرے میں ہو

تمہاری آزادی، تمہاری زندگی، اور تمہارا ایمان،

توحید خطرے میں ہے

ڈرتے رہو،

ولی گردانتے ہیں مکڑی کی سی ہے کہ جو اپنے لیے ایک گھر بناتی ہے (اپنا ایک اڈہ اور پناہ گاہ تعمیر کرتی ہے) اور سب سے بودا اور بے دم گھر مکڑی کا ہے کاش وہ اس بات کو جانتے ہوتے! اور اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے وتلک الامثال نضربها للناس، وما یعقلها الا العالمون اور اس طرح کی مثالوں کو ہم کل آدمیوں کے لیے بیان کرتے ہیں مگر سوائے اہل علم کے سمجھتا ان کو ایک بھی نہیں۔

ان تین طاغوتوں کے شر سے ڈرو،

لوگوں کے ''مالک و ملک و معبود'' کے خدا سے پناہ مانگو!

تین طاغوت ہیں اور ایک ابلیس، ایک قابیل، ڈرو،

''من شر الوسواس الخناس''

''عقل کو نقصان پہنچانے والے'' کے شر سے کہ جو مخفی طور پر فریب کے سلسلے کو قائم رکھنے والا ہے

'' الذی یوسوس فی صدور الناس''

کہ جو لوگوں کے اندر انجانے طور پر وسوسہ ڈالتا ہے

''من الجنۃ و الناس''

''جنوں'' میں سے بھی ''آدمیوں'' میں سے بھی

''وسواس'' کون ہے۔۔۔؟ کیا ہے۔۔۔۔۔؟

لغات اس کا مفہوم پیش کرتے ہیں

''وسوسہ ساز'' اور نیز ''وہ مرض کہ جو سودا کے غلبہ سے وجود میں آتا ہے اور ذہن کو تباہ کر دیتا ہے،'' ''سودازدگی''! نیز ''بدی اور بد اندیشی، یا وہ بے ہودگی اور بے عقلی کہ جو انسان کے اندر رسوخ کرتی ہے اور انجانے طور پر اس کے وجود میں سما جاتی ہے''

''وہ چیز کہ جو تمہیں القا ہوتی ہے، نا خود آگاہ طور پر تمہارے اندر اتر جاتی ہے، تمہارے پیچھے لگ جاتی ہے، تم سے بات کرتی ہے، بغیر اس کے کہ تم سنو، بغیر اس کے کہ وہ تمہیں دکھائی دے۔''

یہ ''وسواس'' یہ ''سودازدگی'' یہ ''عقل و خود آگاہی کو نقصان پہنچانے والا وسوسہ ساز''

کس طرح ہے؟

''خناس'' ہے

''خناس'' کیا ہے۔۔۔؟

لغات کہتے ہیں:

''ہر وہ چیز جو تمہیں راستے سے ہٹا دے، تم پر چھا جائے، تمہیں اپنے اندر غائب کر دے، اپنے اندر پوشیدہ و پنہاں کر دے، اپنے اندر روکے اور قید کر دے۔ جو تمہارا پیچھا اس طرح کرے جس طرح عقاب کسی پرندے کا پیچھا کرتا ہے جو پوشیدہ ہے اور پوشیدہ طور پر کام کرتا ہے ایک ایسا مکار فریبی کہ جو حیلہ سے تمہاری طلب میں ہے، فریب سے تمہارے ساتھ ہے، فریب کے سلسلے میں ہمیشہ تمہارے ساتھ آمد و رفت رکھتا ہے، تم سے دست بردار نہیں ہے، جاتا ہے اور پھر

آتا ہے، تم اسے بھگا دیتے ہو تو وہ پھر آجاتا ہے۔''

یہ ''وسواس خناس'' کیا کرتا ہے؟

وسوسہ کرتا ہے۔۔۔۔!

''وسوسہ'' کیا ہے؟

لغات لکھتے ہیں:

''وہ چیز کہ جو تمہیں کسی ایسے ''شر'' یا ایسے بےہودہ کام میں مبتلا کرتی ہے کہ جس کی نہ کوئی اہمیت ہے اور نہ فائدہ، نہ منفعت ہے نہ خیر، جو بالکل بےکار اور لاحاصل ہے، وہ چیز کہ جو عقل کو نقصان پہنچاتی ہے اور ہذیان لاتی ہے، انسان بے سروپا باتیں کرنے لگتا ہے، مدہوش اور حیرت زدہ ہو جاتا ہے، اس کا ذہن مسخ ہو جاتا ہے، وہ اپنے وجود کو بھی فراموش کر دیتا ہے اور اپنے آپ سے بےگانہ ہو جاتا ہے۔''

یہ ''وسواس'' کہ جو ''خناس'' ہے اور ''وسوسہ'' کرتا ہے کس جنس کا حامل ہے۔۔۔؟

''جن'' سے ہے اور ''آدمی'' سے بھی!

''جن'' ۔۔۔۔؟ ایک نہ دکھائی دینے والی مخلوق، ایک مخفی طاقت، پوشیدہ قوت، ایک ایسی طاقت جو انسان پر مسلط ہے اور انسان نہیں ہے، جو نظر نہیں آتی۔۔۔

واہ! کتنا سچ ہے اور کتنا واضح، اور آج تو ہمیشہ سے زیادہ واضح ہے، ہمیشہ سے زیادہ متشدد اور المناک تر۔

وہ تین طاغوت، پوشیدہ ہیں اور آشکار، جاتے ہیں اور رنگ بدل کر آتے ہیں، شکست کھاتے ہیں اور پھر سر اٹھاتے ہیں۔

اور آج اس مشینی دور اور اس سرمایہ دارانہ نظام میں، استعمار کے تسلط میں پنہاں ''تمہارے'' استعمار میں، نیز موجودہ مسخ کر دینے والے ثقافتی استعمار میں، استعمار زدگی کی بیماری میں اور اس برین واشنگ اور ترقی یافتہ تکنیک میں وہ تینوں طاغوت ہمیشہ سے زیادہ المناک صورت میں ''انسان کو مسخ کرنے میں مصروف ہیں''

بقول ''شاندل''

''آج کے انسان کے لیے بڑا خطرہ، ایٹم بم کا دھماکہ نہیں، انسان کی ماہیت کا استحالہ (تبدیلی) ہے ''انسانیت'' کا قتل ہے! بڑی تیزی سے ایک ایسی نئی نسل ابھاری جارہی ہے جو انسان نہیں ''انسان نما مشین'' ہے جسے نہ خدا نے پیدا کیا اور نہ فطرت نے۔۔۔، ایک ایسا غلام ہے جسے اپنے آقا کی اچھائی برائی سے کوئی سروکار نہیں، ان باتوں سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، وہ آزاد ہے اور صرف غلام بننے کی کوشش میں رہتا ہے زر خرید بنتا ہے اور قیمت بھی خود ہی ادا کرتا ہے۔ چور کے گھر کے سامنے ایک لمبی صف میں انتظار کی گھڑی گزارتا ہے تا کہ اس کے غارت کی باری آئے اور اس سے پہلے اس صف میں آنے کے لیے جانے کتنے پاپڑ اسے بیلنے پڑے! اسے کبھی بلندی حاصل نہیں ہوگی وہ جوں کا توں رہے گا اس صورت میں اسے ہر چیز حاصل ہو سکتی ہے مگر اس کے بدلے اسے ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑے گا وہ صرف ایک ''سوداگرانہ مذہب'' کا مومن ہے اور اس سودے میں

وہ جو کچھ ادا کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ مہنگا ہے جسے وہ حاصل کرتا ہے اس کی پیدائش سے پہلے جو بات اس کے لیے لکھی گئی ہے ویسی زندگی نہیں گزارتا بلکہ ایک جگہ نصب ہو جاتا ہے اس کے نصیب میں یہ بات ہے کہ وہ دنیا کے آخری سرے تک دوڑے، مگر اب اس نے خدا اور انسان دونوں کو چھوڑ دیا ہے۔۔۔۔۔"

المیہ تصور سے زیادہ ہولناک تر ہے۔

"فطرت" اپنی جنس بدل رہی ہے۔

اور وہ تین طاغوت آج صرف "تیغ" کے زور "زر" کی طاقت اور "تسبیح" کے فریب سے وسوسہ نہیں کرتے، زور و زر نے، تباہ کاری، ظلمت سازی اور فریب کاری کی غیر معمولی طاقت نے "سائنس" کو فنون لطیفہ کے حیرت آور جادو کو اور "تکنیک" کی دیونما طاقت کو اپنی خدمت پر مامور کرلیا ہے۔

آج لوگ آزاد ہو رہے ہیں لیکن دنیا کے لوگوں کو اندر سے پابند

Les Chaiers P:64

کیا جا رہا ہے وہ آزاد ہیں کہ اپنی رائے اپنی مرضی کے مطابق بیلٹ بکس میں ڈالیں لیکن خناس جن اور خناس انسان اس سے پہلے اپنی رائے اس کے سینے میں انڈیل دیتے ہیں۔

آج کا المیہ "ایلینیشن" کا المیہ ہے "الینہ کرنا"؟ ہاں، یعنی "جن زدہ کرنا" وہ آدمی مجنون ہے کہ جس کے اندر جن نے گھر کرلیا ہو، اس کی انسانی ماہیت، اس کی حقیقی شخصیت اور خود آگاہی کو "چھپا" دیا ہو اور اس کی جگہ خود بیٹھ گیا ہو اور اس کی عقل کو آسیب زدہ کر دیا ہو۔

سیاسی استبداد، اجتماعی ترجیحات اور قدیم مغرب کی وحشیانہ نفع اندوزی کو ٹھکرا دیا گیا ہے لیکن یہ سب چیزیں ہمیشہ سے بدتر کیفیت کے ساتھ سرمایہ دارانہ نظام کی صورت میں لوٹ آئی ہیں اور انہوں نے لبرالیزم اور ڈیموکریسی کے نقاب میں اپنے آپ کو چھپالیا ہے۔

مشرق سے بردگی اور تاتاریوں اور چنگیزیوں کی بربریت کو نیز ھلاکو خان اور تیموریوں کی وحشیانہ حکومت میں قوموں کی اسارت کو ٹھکرا دیا گیا مگر یہ سب چیزیں ہمیشہ سے زیادہ تباہ کن انداز میں ہمیشہ سے بدتر کیفیت کے ساتھ استعمار کی صورت میں لوٹ آئی ہیں اور موڈرنائزیشن اور تمدن کے بھیس میں چھپ گئی ہیں عسکری جلاد، قدیم استعمار کے پیشہ ور قاتل ایجنٹ، (من الناس) تیسری دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں مگر انہوں نے، اقتصادی نظام ۔۔۔ سیاسی حکومت ۔۔۔ سماجی روابط ۔۔۔۔۔ فلسفہ تعلیم و تربیت ۔۔۔۔ ثقافت ۔۔۔ فنون لطیفہ ۔۔۔ اخلاق ۔۔۔ جنسی آزادی ۔۔۔۔۔۔ بے ہودہ و بے کار آیڈیالوجی ۔۔۔ تبلیغاتی جادو پھونکنے والوں ۔۔۔۔ مطبوعات کے ''نفاثوں'' کی فسوں کاری ۔۔۔ آرٹ اور ادبیات کے وسواس، اور فیشن وغیرہ کی صورت میں ۔۔۔ ذمہ دارانہ امور ۔۔۔ روایتی رشتوں ۔۔ ایمانی تعلقات ۔۔۔ نیہیلزم (Nrhilisim) کی سودازدگی ۔۔۔۔ تمدن کے جنون ۔۔۔ اور ۔۔۔۔ مصرف پرستی ۔۔۔۔ سیکس پرستی اور مغرب پرستی کے طاغوت اور استعمار نو کے نامرئی لباس میں پھر سے سر نکالا ہے اور صرف عسکری مراکز، دفتروں کی میز کرسیوں، کوچہ بازار اور آدمی (ناس) کی صورت میں ان کا

عمل دخل نہیں بلکہ انہوں نے پنہاں طور پر، نہ دکھائی دینے والے ہاتھوں کے ساتھ، نامرئی طاقتوں اور رابطوں کے ہمراہ، اقتصادی ڈھانچے میں، اجتماعی نظام میں، فکر کی گہرائی میں، اعتقاد میں، وجود میں، معاشرے کے طور طریقوں، ان کی علامتوں اور روابط میں، روح میں، احساس میں، اخلاق میں، ''اقدار'' میں، ''رائے'' میں اور انسانی عقل میں جن کی طرح حلول کر رکھا ہے۔

ان چودہ صدیوں میں کوئی عہد ایسا نہیں کہ جو ہمارے عہد کی طرح اس حیرت انگیز سورہ کی تفسیر کر سکے۔

اس لیے کہ گزشتہ پانچ سو صدیوں کے عرصے میں سطح زمین پر ہماری صدی کی طرح خناس نے آدمی کو خود آگاہ یا ناخود آگاہ طور پر اپنے پیدا اور پنہاں وسوسوں کی بھینٹ نہیں چڑھایا ''شر وسواس'' نے کبھی اس طرح ''صدور الناس'' کو تباہی سے ہمکنار نہیں کیا۔

ہاں، وحی کی ان بلیغ اور اعجاز آمیز آخری آیتوں کی زمین پر کبھی اس طرح صاف اور واضح تاویل نہیں ہوئی ہے۔

آج کا وہ روشن خیال جو اس صدی سے واقف ہے، آج کا وہ ماہر عمرانیات کہ جو نئی سرمایہ داری اور نئے استعمار کو سمجھتا ہے، بڑی وضاحت سے دیکھ سکتا ہے کہ کس طرح سزا کے طور پر ''قیصریہ'' کو آگ لگائی جاتی ہے، کس طرح بہ اعجاز سائنس دھوکہ دیا جاتا ہے، تمدن کے نام سے جاہلیت پیدا کی جاتی ہے، کس طرح وسوسہ گر خناس اور جادوگر ''نفاثے'' قوموں کو فرہنگ و ایمان و آگہی و اختیار سے ننگا کرتے ہیں، اندر سے۔۔۔ (صدور سے)۔۔۔۔ کھوکھلا کر دیتے ہیں

انسانوں کو اپنے آپ سے خالی اور خویش سے بے گانہ بنا دیتے ہیں تا کہ بشریت صرف اوزار تقلید بنے اور قومیں صرف مصرف کے لیے گلہ، اور بس ۔۔۔!

آج کے علوم انسانی کے آگاہ ماہرین کو جو نہ تو فرقوں اور روایتوں کے تنگ نظرانہ قالب میں محصور ہیں اور نہ ہی علاقائی مسائل، تاریخی عصبیت اور صنفی، تربیتی اور موروثی دباؤ کا شکار ہیں، نہ ان کی نگاہیں سیاسی رودادوں کی سطح پر لغزاں ہیں اور وہ سطحی ظواہر کو سامنے رکھ کر روزمرہ کے واقعات کی ظاہری صورت اور دل خوش کن باتوں کو تیزی اور سادگی کے ساتھ پرکھنے اور سادہ لوحانہ انداز میں راہ حل ڈھونڈنے میں مصروف ہیں، بلکہ وہ جو کچھ اس دور پر گزر رہی ہے اس کی تہ سے انسان کو دیکھ رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ اس پر کیا بیت رہی ہے، قوموں کا استعمار، کیپیٹلزم، طبقاتی استثمار ۔۔۔ جنگ افروزی اور لاکھوں لاکھ آدمیوں کا قتل، اقتصادی استعمار اور غریب ملکوں کے طبعی ذخائر اور مادی منافع کی بحث ربودی اور انہیں سمیٹ سماٹ کر لے جانا قوموں کی تقدیر پر بدنہاد عناصر کا تسلط اور انسانی حقوق کی نابودی ۔۔۔۔ ہاں یہ سب کچھ، لیکن یہ سب خارجی المیے ہیں، سیاسی، فوجی، اقتصادی، قومی اور قانونی ۔۔۔۔ المیے ہیں۔ ہولناک المیہ، انسانی المیہ ہے کہ جو لوگوں کے وجود میں ''صدور الناس'' میں گزرتا ہے، وہ المیے وہی تھے جن کا تذکرہ گزشتہ سورہ میں کیا گیا غاسق حاکم کا شر ۔۔۔ نفاثوں کا شر ۔۔۔ روحانی بھڑاس رکھنے والوں اور بدگہر عناصر کا شر، اور یہی وجہ ہے کہ ان کو سادہ صورت دی گئی لیکن اس سے زیادہ ہولناک المیہ وہ المیہ ہے کہ جو انسان کی نوعیت کو، دنیا جہان کے لوگوں کی فطری خلاقت کو مسخ کرنے کی دھمکی دے رہا ہے

انسان کے ''الینہ'' ہونے (Alienation) کا المیہ ہے، انسان کی، غیر انسان میں تبدیلی کا المیہ ہے، ''وسواس'' کا المیہ ہے! وسواس ان تین ''شر''وں کی طرح انسان کے وجود کو ٹھیس نہیں پہنچاتا، انسان کی ماہیت کو نقصان پہنچتا ہے آج کے مجروح و آگاہ سچے روشن خیال انسان کا ضمیر اس المیے سے کانپ رہا ہے اور چیخ چیخ کر فریاد کر رہا ہے۔

ہاں وہی ہے کہ جو دیکھ رہا ہے کہ ''ناس کے یہ خناس'' کون ہیں؟ وہی ہے کہ جو سمجھ رہا ہے کہ یہ ''جن خناس'' کیا ہیں؟

اس لیے کہ صرف وہی ہے کہ جو ''خناس'' کے مفہوم سے آشنا ہے اور انسان کی ''وسواس زدگی'' کے المیہ کی گہرائی اور پھیلاؤ کے اثر کو محسوس کرتا ہے اس کی نگاہیں، انسان کی ''حق کشی'' پر ہیں کہ انسان کی حقیقت کو کچلا جا رہا ہے۔

وہ ہے کہ جو اس بات کو جانتا ہے کہ۔۔۔۔ ہمیشہ اور ہمہ جابت تراش۔۔۔۔خناس ہمیشہ اور ہر جگہ انسان کی صورت میں نہیں ہے، کبھی دیو ہے اور کبھی پراسرار طاقت، کبھی پوشیدہ و پنہاں، ہمیشہ منہ پر اسارت کی لگام نہیں لگاتا، انسان کے اندر وسوسے پیدا کرتا ہے، بڑے آرام اور پوشیدہ طور پر انسان کے اندر اترتا ہے، تمہاری ماہیت میں، تمہاری شخصیت میں، تمہاری انسانیت میں، اور تمہارے ''تم ہونے'' میں حلول کرتا ہے، رسوخ کرتا ہے، تمہارے اندر تمہاری جگہ جا کر بیٹھتا ہے، تمہیں مجنوں بنا دیتا ہے، تمہاری عقل کو نقصان پہنچاتا ہے، جن زدہ اور ''الینہ'' کر دیتا ہے۔

ہاں ہمیشہ سے زیادہ ہولناک خطرہ تمہاری گھات میں ہے، صرف پہاڑ کی

کمین گاہ میں نہیں، چٹان کے پیچھے نہیں، تمہارے دل کی کمین گاہ میں، تمہارے سینہ میں، تمہارے ذہن کے پردوں کے پیچھے، صرف تمہاری جان اور تمہارے مال کی گھات میں نہیں، تمہارے ''انسان ہونے'' کی گھات میں، تمہارے ایمان کی گھات میں، تمہاری امت، تمہاری شناخت، تمہارے شعور، تمہارے عشق، تمہاری کامیابی، تمہارے جہاد کی ظفریابی، تمہاری نسل کے جہاد، تمہاری تاریخ کی میراث، تمہارے ابراہیم بننے کی راہ میں۔ تمہارے خدا سے قربت حاصل کرنے کی ہجرت میں۔

ہمیشہ تمہارا دشمن اسلحہ نہیں۔۔۔فوج نہیں۔۔۔بیرونی نہیں۔۔۔۔۔ آشکار نہیں۔۔۔۔ کبھی وہ نظام ہے۔۔۔۔۔۔۔ کبھی احساس ہے۔۔۔۔۔ کبھی اندیشہ ہے۔۔۔کبھی مالکیت ہے۔۔۔۔۔کبھی شیوہ زندگی ہے۔۔۔۔۔کبھی شیوہ کار ہے۔۔۔کبھی شیوہ فکر ہے۔۔۔۔کبھی آلہ کار ہے۔۔۔۔کبھی پیداوار کی شکل ہے۔۔۔۔ کبھی مصرف کی قسم ہے۔۔۔۔۔۔کبھی تمدن زدگی ہے۔۔۔۔کبھی ثقافتی استعمار ہے۔۔۔۔ مذہبی استحمار ہے۔۔۔۔کبھی طبقاتی استثمار ہے۔۔۔۔کبھی تعلقات عامہ کا سامان ہے۔۔۔ کبھی تبلیغات سے متعلق نظر نہ آنے والا مکڑی کا جال ہے۔۔۔۔کبھی جدید انداز کی دنیا زدگی ہے۔۔کبھی بیوروکریسی، ٹکنوکریسی اور مشینیزم (Machinisme) ہے۔۔۔۔کبھی نیشنلزم اور نسل پرستی ہے۔۔۔۔کبھی نازیزم (Nasisme) کی شخصیت پرستی۔۔۔سرمایہ دار طبقہ کی زر پرستی اور میلیٹریزم (Militarisime) کی زور پرستی ہے۔۔۔۔

کبھی ہیکو ریزم کی لذت پرستی، آئیڈیلزم کی ذہنیت پرستی۔۔۔۔۔ میٹریلزم کی عینیت پرستی۔۔۔۔ فنون لطیفہ کی زیبائی پرستی۔۔۔۔۔۔ رمانٹیزم (Romantism) کی احساس پرستیاور اگزسٹینشلیلزم کی عبث پسندی ہے۔۔۔۔اور کبھی صوفیانہ روح پرستی۔۔۔ راہبانہ زھد پرستی۔۔۔۔ ریسیزم کی خاک پرستی اور خون پرستی۔۔۔۔اور فاشیزم کی بطل پرستی اور دولت پرستی۔۔۔۔انڈویڈولیزم کی فرد پرستی۔۔۔۔۔سوشیالیزم کی جمع پرستی۔۔۔۔۔ کیمونیزم کی اقتصاد پرستی۔۔۔۔ فلسفہ کی عقل پرستی۔۔۔۔عرفان کی احساس پرستی، معنویت کی آسمان پرستی۔۔۔۔۔مادیت کی زمین پرستی۔۔۔ آئیڈیالیزم کی موہوم پرستی۔۔۔۔ ریلیزم کی موجود پرستی۔۔۔۔۔جبر تاریخ کی قانون پرستی۔۔۔۔۔ جبر تقدیر کی مشیت پرستی۔۔۔۔۔اور کبھی فرویڈیزم کی شہوت پرستی۔۔۔کبھی اکونومیزم کی شکم پرستی۔۔۔کبھی بایولوجیزم کی غریزہ پرستی۔۔۔۔۔ کبھی کفر کی دنیا پرستی۔۔۔۔۔کبھی دین کی آخرت پرستی۔۔۔۔۔۔اور یہاں تک کہ سینتھیزم کی لاابالی علم پرستی۔

یہ ہیں وہ شرک جدید کے بت! جدید قریش کے لات، عزیٰ، اساف اور نائلہ، اس تمدن کے کعبہ کے 360 بت

اور یہ وہ منزل ہے جہاں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ''خدا پرستی'' کیا ہے؟ پیغام ''توحید'' کی عظمت اور اس کے مفہوم کا پھیلاؤ کہاں تک ہے؟

اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ آج کا انسان جس کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ ''تعبد'' سے ''تعقل'' کی طرف مائل ہوا ہے اور مذہب کی قید سے سائنس اور

انسانی آزادی کی طرف رہا ہوا ہے ایک خدا کی پرستش نہیں کرتا، اس نے پرستش اور بندگی کو نہیں چھوڑا صرف توحید کو چھوڑا ہے، توحید کو نابود کیا ہے۔ ''مدنیت'' کا ''شرک جدید''، ''جاہلیت'' کے ''شرک قدیم'' سے بیشتر اور پست تر خداؤں کا حامل ہے جاہلیت میں وحشی عرب ایک خوبصورت، مرصع اور جواہر نگار مجسمہ کو پوجتا تھا کہ جو سونے یا یاقوت سرخ کا بنا ہوتا تھا وہ مظاہر قدرت، خوبصورتی، کمال، برکت، خیر، فن کے دیوتاؤں، فطرت کی قوتوں، فرشتوں، ایزدوں، اور موہوم، مگر ماورائی اور مقدس شخصیتوں کی پرستش کرتا تھا، لیکن آج نئے مذہب شرک کا معبود ''آلہ تناسل'' اور ''اسافل اعضا'' کی سرحد تک نیچے آ گیا ہے۔

وہ ہمیشہ اور ہمہ جا رہنے والے تین طاغوت آج ہمیشہ سے زیادہ ہر جگہ قیامت ڈھا رہے ہیں آج کا فرعون ایک ''نظام'' ہے اور آج کا قارون ایک طبقہ، اور بلعم باعورا نے مذہب کی ردا اتار کر، سائنس، آئیڈیالوجی، اور صنعت کا لباس پہن لیا ہے۔

حیرت ہے، پہلے سورہ میں قرآن، تین شر کے بارے میں گفتگو کرتا ہے لیکن اس کا تکیہ خدا کی ایک صفت پر ہے ''فلق''!

اور دوسرے سورہ میں ایک ''شر'' کی گفتگو کرتا ہے مگر تین صفتوں کے ساتھ: ''رب''، ''ملک'' اور ''الہ''!

وہ تین شر انسان دشمن قوتوں کے وہ تین بیرونی المیے ہیں کہ جو اس کے حق کو مارتے ہیں اور یہ ایک ''شر'' وہ اندرونی اور داخلی المیہ ہے کہ جسے ''حقیقت'' مارتی ہے غاسق کا تسلط، نفاثات کی اندیشہ کشی، بد دیانتوں کی زیان کاری مارتی ہے، قتل

کرتی ہے، غارت کرتی ہے، بشری حقوق اور انسانی آزادی کو کچلتی ہے، انسان کو فقیر، اسیر اور جاہل بناتی ہے، لیکن بہر حال ان تمام المیوں کے ملبے تلے انسان باقی رہتا ہے مگر المیہ یہ ہے کہ یہ انسان دشمن قوتیں، اس پر تسلط جمانے، اس کی ہستی کو غت ربود کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے آج ہمیشہ سے زیادہ اس کو اندر سے کھوکھلا کر رہی ہیں اس کی انسانی اقدار کو اپاہج بنا رہی ہیں اس لیے کہ تاریخ کے تجربہ نے ان تین قوتوں کو یہ سکھایا ہے کہ ایک طبقے، ایک ملت اور عوام کی سیاسی اور اقتصادی اسارت کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ اسے انسانی اسارت کی طرف لایا جائے، اسے اندر سے ساقط کیا جائے، اور اس کی سرشت اور اس کی فطرت کو بیمار کر دیا جائے، مسخ کر دیا جائے۔

یہ وہ شر ہے کہ جو ان تین "شر"وں سے زیادہ ہولناک ہے۔

ہر چند کہ شر انگیز طاقت ہر جگہ ایک سی ہے لیکن تثلیث کی حکومت کے نظام میں انسان کی انسانی فطرت کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اور وہ المیہ کہ جو آج کے سمجھ دار انسان کے وجدان کو ڈرا رہا ہے، خناس ہے،

انسان کا وہی دشمن کہ جو جاتا ہے اور پھر لوٹ آتا ہے، جس کے ہر جگہ تین چہرے ہیں اور جو ہر وقت ایک نئے نقاب میں ہے۔

"وسواس" مردم کش المیہ ہے، وہ زہر ہے کہ جسے تین سر اور سو چہروں والا سانپ، انسان پر انڈیلتا ہے اور کیا ایسا نہیں ہوا کہ ابلیس نے سانپ کی شکل میں آدم کو بہکایا اور اسے خدا کی جنت سے باہر نکال دیا۔

"وسواس" کا شر ان تین "شر"وں کی پیداوار ہے اور "خناس" اس طاغوت کا

بدگہر اہلکار، لیکن وہ شرکہ جو ان تین ''شر'' وں سے زیادہ المناک ہے اور قرآن اپنے آخری پیغام میں ہمیں سمجھاتا ہے وہ وسواس خناس ہے کہ جو خود شرک کی ان تین طاقتوں کا المیہ ہے لیکن شرک کی ان تین طاقتوں سے زیادہ شریر اور زیادہ مرگبار انسان کو اسارت، غارت اور ضلالت کی طرف کھینچنے والی ان تین طاقتوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے صرف ''الٰہی خود آگاہی'' کافی ہے، ضروری ہے کہ رات کو تیغ فلق سے شگافتہ کیا جائے لیکن اس خناس ابلیسی طاقت کے لیے کہ جو لوگوں کی ذات میں حلول کرتی ہے اور انسان کو ''وسواس'' میں بدل دیتی ہے ضروری ہے کہ توحید کی پناہ حاصل کی جائے اور مالکیت، ملوکیت، اور الوہیت کی تین طاقتوں کی یگانگت کے موقع پر خدائے واحد کی ذات کے سہارے تثلیث کے ڈھانچے کو انسان کے وجود اور نیز انسان کے اجتماع سے اکھاڑ پھینکا جائے، اور ایک ہابیلی معاشرے کو کہ جو ''اجتماعی توحید'' اور ''انسانی توحید'' کی بنیاد پر استوار ہے اس کی جگہ قائم کیا جائے، ایک ''مثالی امت'' وجود میں لائی جائے، ایک ایسی امت کہ جس کی طرف ابراہیمؑ کا پیغام آواز دیتا ہے اور جس کے بنیاد کی ذمہ داری اور خاتمیت کو لوگوں کے کاندھوں پر رکھا گیا ہے۔

لوگوں نے، آج اس المیے کو محسوس کر لیا ہے۔

ہم کو جو دنیا میں ابراہیمؑ کی سنت کے وارث ہیں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم دنیا کے لوگوں کی نجات کے راستے کو جو قطعی طور پر زوال سے دوچار ہے آج کی سمجھدار، پیکار جو اور انصاف پسند نسل کے سامنے لائیں قرآن، علیؑ کے خاندان اور حج نے ہماری ذمہ داری کو بہت بھاری کر دیا ہے۔

''غاسق'' اس وقت ہمیشہ سے زیادہ گھیراؤ کے ساتھ زمین پر مسلط ہے، اور یہی حال جادو پھونکنے والے نفاثوں کا بھی ہے کہ جو ہر جگہ ہمیشہ سے زیادہ قوت اور زیادہ پنہاں طور پر اپنے کام میں مصروف ہیں، آج انسان کا اپنے اوپر تسلط ہر زمانے سے زیادہ ضعف کا شکار ہے اور وسواس خناس۔۔۔۔ کہ جس کا تعلق جنوں اور انسانوں سے ہے۔۔۔۔ ہمیشہ سے زیادہ طاقتور اور زیادہ المناک ہے!

اے وہ کہ جو ''مقام ابراہیمؑ'' پر ایستادہ ہو اور ''وحی کی خاتمیت'' نے ذمہ داری کے بھاری بوجھ کو تمہارے کاندھوں پر ڈال رکھا ہے۔

اے آگاہ انسان! خدا کے جانشین، پیغمبروں کے وارث، اے وہ کہ جسے چاہئے کہ وہ رسولؐ کو اپنی مثال بنائے تاکہ لوگ اسے اپنی مثال بنائیں

اے بنائے ''امت'' کے ذمہ دار ''کتاب''، ''ترازو'' اور ''لوہے'' کے مذہب کے پروکار!

اے زمین پر ''قائم بالقسط''، اے ظالم کے دشمن اور مظلوم کے دوست، اے مسلمان مجاہد!

اے ''زمین پر کمزور بنا دیے جانے والوں'' کی پکار پر لبیک کہنے والے کہ زمین کو ''سفیانی'' جباروں کے جور، قارونی خزانہ داروں کے ظلم، اور ایک ''دجالی'' آنکھ کی نظر بندی کی سازش کے ظہور نے بھر دیا ہے اور زمانے کے آخری موعود کے نجات، انتقام، حق، عدل اور صلح پر مبنی قیام کے جذبہ نے ذمہ دار روشن خیال لوگوں اور دردمند عوام کے ضمیر کی گہرائی میں اپنے ''ظہور کے علائم'' کا آغاز کر دیا ہے۔

اے ''خلق و خوئے خدا پر اپنی تعمیر کرنے والے'' ''وارث انبیاءؑ''، ''بنی

اسرائیل کے پیغمبروں سے برتر'' محمدی صفات کے حامل انسان کہ جسے چاہئے کہ وہ اپنے زمانے کے حق کا شاہد اور تمام دنیا کی مخلوق کا شہید ہو'' خدا کے صالح بندے'' کہ جسے چاہئے کہ وہ اس فطرت میں خدائی کرے، اے وہ نسل حنیف کہ جو طواف عشق سے، سعی آب سے منزل آگاہی وخودآگاہی سے، تثلیث شرک کی رمی کے میدان اور اسماعیلؑ کی شہادت سے لوٹ رہے ہو اور ابراہیمؑ کی توحید کا نجات بخش پرچم، قرآن کا پیغام اور علیؑ کی ذوالفقات تمہارے ساتھ ہے اور تم زم زم کا پانی بھی تحفہ میں اپنے ساتھ لائے ہو! قبل اس کے کہ تم عزت اور روپوشی اختیار کرو اور اپنے گھر کے تاریک غار میں گھس پڑو اور تمہاری زندگی کا حریص مگرمچھ کہ جو ایک مہینے سے تم سے دور تھا اور اب بھوک سے بے تاب منہ کھولے تمہاری طرف بڑھ رہا ہے تاکہ تمہیں یونسؑ کی طرح نگل لے اور تمہیں اس غرقاب میں لے جائے جہاں تم مرمر کر جیو، تو تم لمحہ بھر کے لیے رک جاؤ اور اپنے ایمان اور پیمان کو ذہین میں لاؤ اور اپنے آپ کو، اپنے زمانے کو، اپنی نسل کو اور زمین وآسمان کے چہرے کو دیکھو اور ہماری دنیا کے آگاہ ضمیروں کی فریاد کو سنو کہ کس طرح وہ ''وسواس خناس'' کے شر سے نالہ وزاری کر رہے ہیں۔

''ٹائن بی'' بشری تمدن کو ''اندرونی دشمنوں'' کے نرغے میں دیکھتا ہے خرچ، خرچ اور خرچ کا دیوانہ وار ہجوم اور اس کے گراف کی ذہن کو معطل کر دینے والی بلندی!

''مارکوزہ'' خطرے کا اعلان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انسان اوزار کی طرح ''یک بعدی'' یا ''ایک جہتی'' ہو گیا ہے۔

''اریش فروم''،بستی بستی،مگر''بجھے ہوئے چراغ''کے ساتھ اس شہر کے گرد چکر لگا رہا ہے اور صحیح مفہوم سے متصف انسان کو نا امیدی کے عالم میں ڈھونڈ رہا ہے۔

''کامو''چیخ رہا ہے کہ''اران''کے شہر (اس عہد کے مدینہ تمدن) میں ''طاعون''کے گھر کر لیا ہے،اور اس شہر کے''معبد''میں''معصوم بچے''وجہ جانے بغیر اس پر اسرار اور ہولناک بیماری سے مر رہے ہیں۔

''جان ایزولہ''،''ایک مسلح شہزادے''کی بات کرتا ہے کہ جو سر سے پاؤں تک اسلحہ اور سونے میں غرق ہے مگر ایک ایسے نامعلوم اور جانکار درد میں مبتلا ہے کہ جس کی کوئی دوا نہیں۔

ہالینڈ کے آگاہ مجسمہ سازوں نے''رتر دام''کے نو ساختہ شہر کے میدان میں ایک ایسے انسانی پیکر کی تخلیق کی ہے کہ جو پتھر جیسی سختی کا حامل ہے لیکن اس کے اعضاء باہم اس طرح ہیں کہ گویا ابھی ٹوٹ کر گرنے والے ہیں!

''الیوت و جولیس،تر زی''نے اساطیر سے ایک ایسے یونانی دیوتا کو لیا ہے کہ جو مخنث ہے،نہ مرد ہے اور نہ عورت اور اسے آج کے انسان کے مخصوص خدا کی صورت دی ہے۔

''اوژنی یونسکو''انسانی المیہ کو بتاتا ہے کہ خناس نے اس میں حلول کیا ہے اور وہ ''گینڈا''بن گیا ہے۔

''کافکا''نے آدم زاد کے ہولناک اور رقت بار چہرے کو کہ جسے فطرت میں جانشین خدا ہونا چاہیئے تھا اور خدا نے اسے اپنا جیسا بنایا تھا کینوس پر اتارا ہے اور

بتایا ہے کہ وہ کس طرح ''مسخ'' ہو گیا ہے۔

بے شک ''دوریان گری'' کی تصویر آسکر وائلڈ کی تصویر نہیں آج کے جن زدہ انسان کی تصویر ہے۔

فلق میں بھاگ نکلو، اے المیہ کے آگاہ قتیل!

اس لیے کہ سیاہ رات نے ہر طرف ڈیرا ڈال لیا ہے،

اس لیے کہ فنکار جادوگر گانٹھوں پر پھونک رہے ہیں،

اس لیے کہ ''دل میں حسد کا پھپھولہ رکھنے والے رات کے ساحروں کا کھلونا بن گئے ہیں اور دوست دشمن کام''

''خدائے فلق'' کی پناہ میں جاؤ تا کہ وہ شب کے گریبان کو چاک کر کے صبح کی اجلی سفید نہر کو اس ''منی'' میں جاری کرے۔

اور خوف کھاؤ کہ وہ تین طاغوت، بے حساب سپاہیوں اور پوشیدہ اسلحوں کے ساتھ نقاب اوڑھ کر بڑی دلیری سے واپس آ گئے ہیں۔

اے ''پدر کشتہ طالب قصاص''! ''ہابیل کے وارث''!

قابیل مرا نہیں ہے

اے ''وارث آدم''! ''مسجود ملائک''

ابلیس تم سے انتقام کے در پے ہے۔

اس ''تین چہرے، سات رنگ، سات سو نام، سات ہزار ہتھکنڈوں'' اور ''بار بار لوٹ کر نا محسوس طور پر فسون سازی کرنے والے وسوسہ گر'' سے بچو کہ جو لوگوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

خدا سے پناہ مانگو،

محمدؐ کی طرح

''خدائے فلق'' سے

''لوگوں کے مالک سے''

''لوگوں کے ملک سے''

''لوگوں کے معبود سے''

اور تم اے حاجی۔۔۔۔!

''عید قربان'' کے بعد بھی،

اسی طرح منیٰ میں باقی رہو!

اور ہر روز،

تین طاغوتوں کو، پیاپے، رمی کرو،

سات بار،

اور ہر بار،

سات گولیاں!

اس لیے کہ ہر روز تشریق ہے، عید قربان کے بعد کے تین دن

اور ہر مہینہ، ذی الحجہ،

اور ہر زمین، منیٰ

اور انسان، تاریخ اور۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔زندگی، حج ہے

☆☆☆☆☆

نتیجہ

اب منیٰ میں وقوف کا وقت ختم ہو گیا ہے، حج مکہ کی دیوار کی پشت پر اختتام کو پہنچا ہے۔

مگر ابھی ایک طواف اور ایک سعی باقی ہے، کہتے ہیں کہ ذی الحجہ کے آخر تک کسی وقت بھی تم اسے انجام دے سکتے ہو، حتیٰ کہ۔۔۔ اگر کوئی ضرورت درپیش ہو تو۔۔۔۔۔عرفات سے پہلے بھی اس کام سے فارغ ہو سکتے ہو!

پس حج، یہاں اختتام پذیر ہوا،

یہی سب جو آپ نے کیا حج تھا

اب اس سے جب تم منیٰ کو چھوڑ رہے ہو، تم نے حج کی آخری منزل طے کر لی ہے،

اپنی انفرادی تکراری زندگی اور روزانہ کے باطل معمول کو ابراہیمؑ کی دعوت پر تم نے حاطل کر دیا اور موقع پر ''میقات'' میں حاضری دی ''وحی کنندہ'' کے فرمان پر اپنی انفرادی زندگی کے لباس کو اتار کر تم نے موت کے سفید لباس کو زیب تن کیا، اپنے خودی کے فرش سے قدم اٹھا کر تم نے ایمان کی سرزمین پر۔۔۔۔جہاد کے لیے اور فرش خدا پر مہمان بن کر۔۔۔۔قدم رکھا، اللہ کے سید ھے ہاتھ پر بیعت کی، گرداب عشق میں اتر گئے، طائف کے لوگوں میں اپنی نفی کی، زندگی کے غبار کو اپنے سے دھو کر اور اپنے اوپر چڑھے ہوئے زنگ کو اتار کر تم ''خود'' تک پہنچے، تم

نے گرداب سے اپنا سر نکالا اور حیرت و پیاس بھرے کوہستان کے اندر ''پانی'' کی تلاش میں جستجو کی اور پھر مکہ سے سیدھے عرفات میں ہبوط کیا اور پھر وہاں سے منزل بہ منزل خدا کی طرف رجعت کی اور پوری ''آگہی'' سے۔۔۔۔۔آفتاب عرفات کے اجالے میں۔۔۔۔۔''خود آگاہی'' کے ساتھ، شعور حرام کی پاکیزہ روشنی میں ظلمت کی حکومت اور شب کی تنہائی میں اسلحہ جمع کیا، اور حدود وقت میں سب کے ساتھ منیٰ کے محاذ سے گزرے اور میدان حرب میں یورش کی اور پہلے حملہ میں آخری مرکز کو تباہ کیا اور فارغ ہوئے اور عشق و ایمان کی سرزمین کو ابلیس کی حکومت سے پاک کیا، ابراہیمیؑ مقام پر پہنچے اور اس بلند چوٹی کو سر کیا جو ''شہادت سے برتر'' تھی، اور آخر میں جا کر تم نے گوسفند کو ذبح کیا!

اس عظیم ترین روحانی سفر اور بلند ترین انسانی معراج کے اختتام پر، نیز توحید، ایثار، جہاد، شہادت اور خلقت کی خطرناک ترین منزلوں اور معرکوں سے گزر کر، ابلیس سے جنگ اور منزل عشق کی راہ کو سر کرنے کے بعد تم کہاں پہنچتے ہو؟ کیا کرتے ہو؟

ذبح، ایک ''دنبے'' کو ذبح!

کیوں؟ یہ کیا فلسفہ ہے؟ کیا راز ہے؟ اس حج کے اختتام پر کہ جس میں پورا ایمان سمایا ہوا ہے دنبے کے ذبح کا مقصد کیا ہے؟

مجھے کہنے کی جرأت نہیں، ہمارے لیے، ہمارے مذہبی جذبے کے لیے شاید میری بات مناسب نہ ہو اور شاید کوئی اس پر یقین بھی نہ کرے۔

مگر ذرا رک جاؤ کہ خدا خود اس سوال کا جواب دے اور بتائے کہ: کیوں؟

''فکلو منھا، واطعمو القانع المعتر''

تا کہ تم خود بھی اسے کھاؤاور ان لوگوں کو بھی کھلاؤ کہ جو مفلس مجاہد، خاموش مسکین اور مظلوم دادخواہ ہیں۔

اور پھر ارشاد ہوتا ہے

''فکلو منھا، واطعمو البائس الفقیر''

تا کہ تم لوگ اس سے کھاؤاور انہیں بھی کھلاؤ کہ جو زمانے کے محتاج اور مارے ہوئے لوگ ہیں!

یعنی غربت سے جنگ،

اور اختتام راہ میں ایک لقمے سے۔۔۔۔۔۔۔۔جس سے کہ تم خود کھاتے ہو۔۔۔۔ایک بھوکے کی بھوک سے نجات، ایک ستم دیدہ کی دستگیری،

اور بس!!

☆☆☆☆☆

بازگشت

اے حاجی! اب تم کہاں جا رہے ہو؟ گھر۔۔۔۔۔۔؟ زندگی کی طرف۔۔۔۔؟ دنیا۔۔۔۔۔؟

حج سے تمہارا واپس آنا اسی طرح ہے جس طرح کہ تم آئے تھے؟

ہرگز نہیں!

اے وہ کہ جس نے اس اسٹیج پر ''ابراہیمؑ کے کردار'' کو اشاریہ میں ادا کیا،

ایک اچھا اداکار اس شخصیت میں جس کا وہ رول ادا کر رہا ہے سما جاتا ہے اور اگر اس نے اچھا پارٹ ادا کیا تو اسٹیج کا کام ختم ہو جاتا ہے مگر اس کا کام ختم نہیں ہوتا ایسے آرٹسٹوں کا وجود رہا ہے کہ جس کردار کو انہوں نے ادا کیا ہے پھر اس سے واپس نہیں نکلے ہیں اور اسی میں انہوں نے قضا کی ہے۔

اور تم، اے کہ جس نے ابراہیمؑ کے کردار کو اپنے ذمہ لیا، کھیل میں نہیں، عبادت میں، عشق میں، خدا کے گھر سے اپنے گھر واپس نہ لوٹو، ابراہیمؑ کے کردار سے اپنے کردار پر نہ آؤ،

لوگوں کے گھر کو ترک نہ کرو، دوبارہ اپنے فرش پر پیر نہ دھرو، احرام کو تن سے نکال کر اپنا لباس نہ پہنو۔۔۔۔۔۔!

منیٰ سے مکہ لوٹ آؤ، اپنے اسمعیل کے ساتھ!

اس ابراہیمؑ کی طرح جو تاریخ کا ایک عظیم بت شکن اور عالم میں توحید کا بانی تھا، جس کے روش پر قوم کی ہدایت کی ذمہ داری تھی، جو دنیائے کفر کا ایک نافرمان، اور گویا فتنہ جو بربا در حادی تھا، ایک ایسا پیغمبر تھا کہ جس کے جان وتن میں درد والم، دل میں عشق، سر میں نور اور۔۔۔۔

ہاتھ میں تبر تھا!

قلب کفر سے ایمان کا نکھار، شرک کی بدبودار کیچڑ سے توحید کا ابال۔۔۔۔۔۔،

ابراہیمؑ۔۔۔۔۔۔آزر کے اس گھر کا نکلا ہوا عالم بشریت کا بت شکن کہ جو اپنے قبیلے کا بت تراش تھا!

بت شکن، نمرود شکن، جہل و جور کو کچلنے والا، نیند کا دشمن، ذلت کی آسودگی اور ظلم کی امنیت کا فتنہ گر، قبیلے کا دھتکارا ہوا، حیات، حرکت، جہت، امید و آرزو اور ایمان و توحید کی تحریک کا رہنما،

ابراہیمؑ کی طرح آگ میں کود پڑو: آتش جور و جہل میں تاکہ خلق خدا کو اس آگ سے نجات دو۔

اس آگ میں کہ جو ہر اس انسان کی سرنوشت میں ہے کہ جو نور و نجات کا ذمہ دار ہے۔

لیکن۔۔۔۔خدائے توحید، نمرودیوں کی آگ کو ابراہیمیوں پر گلزار کر دیتا ہے!

جلو گے نہیں، راکھ نہیں ہو گے، مقصد یہ تھا کہ تم راہ جہاد میں ''آگ'' تک پہنچو۔۔۔

تاکہ آگ سے خلق خدا کی نجات کی راہ میں اپنے آپ کو آگ کے حوالے کرو۔

''دردناک ترین شہادت تک پہنچو''!

ابراہیمی صورت سے اپنے اسماعیل کو قربان کرو، اپنے دونوں ہاتھوں سے چھری اس کے گلے پر رکھو،

تاکہ خلق خدا کے گلے سے چھری ہٹا سکو، ان لوگوں کے گلے سے کہ جو ہمیشہ صاحبان قوت کے محلوں کے سامنے، لوٹ کے خزانوں اور ضرار و ذلت کے معبدوں کے آستانے پر ذبح ہو رہے ہیں۔ تیغ کو اپنے اسماعیل کے گلے پر رکھو

تا کہ تم میں وہ توانائی آئے کہ تم تیغ کو جلاد کے ہاتھ سے چھین سکو!

لیکن۔۔۔ ابراہیمؑ کا خدا، خود اسمٰعیلؑ کے فدیہ کو بھیجتا ہے، تم ذبح نہیں کرو گے، اپنے اسماعیل کو اپنے ہاتھ سے نہیں دو گے، مقصد یہ ہے کہ تم ایمان کی راہ میں ''اپنے اسماعیل کو اپنے دونوں ہاتھ سے ذبح کرنے'' کی منزل تک آگے بڑھو۔

اس منزل تک کہ جو ''شہادت سے زیادہ دردناک ہے''!

اور اب، اے وہ کہ جو طواف عشق سے آ رہے ہو، ''مقام ابراہیمؑ'' پر کھڑے ہو، اس مقام پر تمہاری رسائی ہوئی ہے!

ابراہیمؑ بھی یہاں پہنچے تھے، تمام پر کشمکش زندگی کے ہفت خوان سے گزر کر، بت شکنی سے، نمرود شکنی سے، عذاب کے منجنیق اور آگ کے خرمن سے، ابلیس کے خلاف جنگ سے، ذبح اسمٰعیلؑ سے، اور۔۔۔ ہجرتوں، دربدریوں، تنہائیوں، مشقتوں اور نبوت سے امامت تک کے سفر سے!

''فردیب'' سے ''جمعیت'' تک اور ''بت تراش آزر کے فرزند خانہ'' سے خانہ توحید کے بانی'' تک کے عمل سے!

ان تمام منزلوں سے گزر کر اب وہ یہاں کھڑے ہیں، بڑھاپے کی برف ان کے سر پر جمی ہوئی ہے، عمر کے اس آخری حصے میں کہ جو پوری ایک تاریخ ہے اب گھر کی بنیاد ڈالی جا رہی ہے، حجر الاسود کی تنصیب ہو رہی ہے، خانہ خدا دست خدا سے بن رہا ہے، اسمٰعیلؑ ان کے ہم دست ہیں کہ جو پتھر ڈھوڈھو کر اپنے باپ کو دے رہے ہیں، باپ، اس پتھر پر کھڑا گھر کی دیواروں کو بلند کر رہا ہے اور گھر کی تعمیر ہو رہی ہے!

کتنی عجیب منزل ہے، اسماعیلؑ اور ابراہیمؑ کعبے کے بانی مبانی! ابراہیمؑ آگ سے گزرے اور اسماعیلؑ قربانی کی منزل سے، اور اب یہ دونوں مامور خدا ہیں، مسئول خلق ہیں، زمین پر معبد توحید کے قدیم ترین معمار ہیں، اس گھر کے معمار کہ جو تاریخ میں ''گروہ انسانی کا پہلا گھر'' ہے آزادی کا ''آزاد گھر'' کعبہ عشق، کعبہ پرستش، حرام! ''سراپردہ ستر و عفاف وملکوت'' کا ایک اشاریہ۔

اور تم، اس وقت وہاں کھڑے ہو جہاں ابراہیمؑ کھڑے تھے۔۔۔۔صعود ابراہیمؑ کی سیڑھی کے آخری پلہ پر، ابراہیمؑ کی معراج کے بلند ترین اوج پر،

تقریب میں ابراہیمؑ کے نزدیک ترین فاصلے پر:

''مقام ابراہیمؑ پر''!

اس کی منزل پر کہ جو کعبہ کا بانی تھا، آزادی کے گھر کا معمار تھا، توحید کا بانی مبانی تھا، جو فرض شناس، عاشق، آگاہ، بت شکن اور قبیلے کا ٹھکرایا ہوا تھا، جو جور نمرود، جہل شرک، اور اس ابلیس کے وسوسہ سے نبرد آزما تھا کہ جو ''خناس ہے اور لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے''!

تم نے وطن سے دوری کی سختی جھیلی، سفر کی مصیبتیں برداشت کیں، تم آگ اور اپنے اسمعیل کی ذبح کے خطرے سے گزرے مگر اب یہ نہیں ہونا چاہئے کہ تمہیں صرف اپنے گھر اور اپنے اسماعیل کی فکر ہو، بلکہ ان لوگوں کی سوچو کہ جو بے آسرا ہیں، جن کے پاس رہنے کے لیے گھر نہیں ہے، جو ظلم و جور کی چکی میں پس رہے ہیں، جو بے سہارا ہیں اور دست ظلم سے چھپتے پھر رہے ہیں، جن کا تعاقب ہو رہا ہے، جو زخمی شکار ہیں اور بے گھر و بے در پوری زمین پر خون آلود حالت میں

ہراساں بھاگتے پھر رہے ہیں اور انہیں کوئی ٹھکانا نہیں مل رہا ہے اس لیے کہ ہر جگہ نمرودان کے تعاقب میں ہے۔

تمہیں چاہیۓ کہ ظلمت کی اس شب یلدا میں تم ان کے لیے ایک مشعل بن جاؤ،

اور ظلم کی اس شب میں ان کی فریادرسی کرو!

اور انسان کے لیے، خاندان خدا کے لیے۔۔۔۔ لوگوں کے لیے۔۔۔۔۔ ایک پاک اور آزاد حرم امن بنو، ایک حریم بنو، اس لیے کہ ہر جگہ شرمناک ہے اور نا امن، کیونکہ زمین کو ایک بڑا اور بے حرمت قحبہ خانہ بنا دیا گیا ہے اور وہ قتل گاہ کہ جس میں سوائے زیادتی، ہتک عزت اور ناروا جانبداری کے باقی ہر چیز حرام ہے، اور تم، اے وہ کہ جو ابراہیمؑ کے کردار میں ظاہر ہوئے ہو، ابراہیمؑ کے مقام پر کھڑے ہو، ابراہیمؑ کے قدم پر اپنے قدم سنبھالے ہوئے ہو اور ابراہیمؑ کے خدا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ بغرض بیعت رکھ چکے ہو،

ابراہیمؑ کی طرح زندگی گزارو اور اپنے عہد میں کعبہ ایمان کے معمار بنو، اپنی قوم کو منجمد زندگی کے کیچڑ سے، مردہ حیات سے، خواب راحت سے، ذلت جور سے اور ظلمت جہل سے باہر لاؤ، ان کے نصیب کو جگانے کے لیے انہیں حج کی دعوت دو، طواف پر لاؤ،

اور تم اے ''ہم پیان'' خدا، اے ہمگام ابراہیمؑ، اے وہ کہ جو طواف سے آ رہے ہو اور رامر جحت کو طواف النساء کے ساتھ اختتام پر لائے ہو، خلقت طائف میں اپنی فنا سے ابراہیمؑ کی صورت میں ابھرے ہو اور معمار کعبہ، اور مدینہ حرم کے

بانی کی جگہ کھڑے ہو اور تمہارا رخ اپنے ''ہم پیان'' ۔۔۔۔خدا۔۔۔۔کی طرف ہے!

اپنی سرزمین کو منطقہ حرم کرو!

اس لیے کہ تم منطقہ حرم میں ہو،

اپنے عہد کو عصر حرام بناؤ،

اس لیے کہ تم عصر حرام میں ہو،

اور زمین کو، مسجد الحرام میں بدل دو،

اس لیے کہ تم مسجد الحرام میں ہو،

یوں کہ: ''زمین مسجد خدا ہے''

اور تم دیکھ رہے ہو کہ:

''نہیں ہے''!

☆☆☆☆☆

برتر از حج

شہادت

حسینؑ نے اپنی شہادت سے زیادہ بڑا ایک درس ہمیں دیا ہے اور وہ حج کو ادھورا چھوڑ کر شہادت کی طرف جانا ہے۔

وہ اس حج کو، جس کے احیاء کے لیے ان کے تمام اسلاف واجداد نے، ان کے والد نے، ان کے جد نے جہاد کیا ادھورا چھوڑ کر شہادت کا انتخاب کرتے ہیں، حج کے مراسم کو پورا نہیں کرتے۔۔۔۔۔

تا کہ تاریخ کے تمام حج کرنے والوں، نماز پڑھنے والوں اور سنت ابراہیمؑ پر ایمان رکھنے والوں کو یہ سمجھا دیں کہ۔۔۔

اگر امامت نہ ہو۔۔۔۔۔۔ اگر رہبری نہ ہو۔۔۔۔۔۔ اگر ھدف نہ ہو۔۔۔۔۔اگر حسینؑ نہ ہو۔۔۔۔۔

اور اگر ''یزید'' ہو تو، خدا کے گھر کے گرد طواف اور بت خانے میں کوئی فرق نہیں۔

جس لمحہ حسینؑ نے حج کو ادھورا چھوڑا اور کربلا کا عزم کیا، جن لوگوں نے ان کے غیاب میں اپنا طواف جاری رکھا وہ ان لوگوں کے برابر ہیں جو اسی حال میں معاویہ کے سبز محل کے گرد محو طواف تھے۔

''حج''! بت شکن ابراہیمؑ کی سنت

''لوگوں کے گھر'' یا ''خدا کے گھر'' ۔۔۔۔۔ جو بھی کہیے ۔۔۔۔۔ میں اس سال صورت حال کیا ہے؟

ہجوم خلائق کا ایک گرداب، بڑی بھیڑ اور جوش وخروش کے ساتھ محو طواف ہے، چہرے شوق میں دمکے ہوئے ہیں، دل عشق سے گداختہ ہیں، سب نے اللہ کی دعوت پر لبیک کہا ہوا ہے، ایمان کا جوش، اسلام کے جذبے، خدا کا خوف، عذاب آخرت کی وحشت، عقاب دوزخ کا ڈر اور عبادت کا شوق، امت کے برگزیدہ لوگوں کو مقدس محیط میں گردش دے رہا ہے۔

ان چہروں میں:

اصحاب پیغمبرؐ، اسلام کے پیشرو، جہاد کے سورما، کفر کی سرزمینوں کے فاتح، زمین کے بت خانوں کو تباہ کرنے والے، حامیان توحید، حافظان قرآن، سنت پر سختی سے عمل کرنے والے، دین حنیف کے علماء سب کے سب گردش کر رہے ہیں، سب کے سب ابراہیمؑ کے ساتھ تجدید عہد کر رہے ہیں۔

اس دنیائے دنی، اس جہان خاکی اور اس پست زمین پر واقع ہونے والی ہر چیز سے بیگانہ وفارغ ہو کر سب نے اپنا دل خدا سے وابستہ کر رکھا ہے۔

سب گھوم رہے ہیں، بہشت ان کی آنکھوں میں رقص کر رہا ہے۔۔۔۔۔ حوران جنت ان کے پارسا چہروں پر اپنی آنکھوں سے اشارے کر رہی ہیں، فرشتے عرش کے طاق نما کٹے ہوئے طاقچوں سے شور شوق بلند کر رہے ہیں، اور جبرائیل نے ان کے طواف کرنے والے قدموں کے نیچے اپنے پروں کو بڑی محبت وشفقت سے پھیلایا ہوا ہے!

مگر یہ کون ہے۔۔۔۔

کہ جو بگڑے انداز میں، پرعزم صورت سے، مسلمانوں کے پر ہجوم طواف کے گرداب کو کاٹ کر باہر آرہا ہے اور اس ''حرمت والے، امنیت والے، اور بزرگی والے'' شہر کو پس پشت چھوڑ رہا ہے؟

ایک ایسے وقت میں کہ جب سارے مسلمانوں کا رخ کعبہ کی طرف ہے اس نے کہاں کا ارادہ کیا ہے؟

کیوں کچھ دیر کے لیے پیچھے کی طرف نہیں لوٹتا کہ دیکھے کس طرح اس گھومنے والے دائرہ میں خلق خدا کو۔۔۔نمرود کے ارادے سے۔۔۔ابراہیمؑ کے گھر کے گرد گھمایا جارہا ہے، انہیں صفاومروہ میں اپنی بے ہودہ سعی پر دوڑایا جا رہا ہے، عرفات سے۔۔۔۔کہ جو آغاز تاریخ ہے اور زمین پر آدم وحوا کی ملاقات کی پہلی جگہ۔۔۔شب کی ظلمت میں انہیں اپنے مشعرالحرام میں لایا جارہا ہے اور شعور کی سرزمین حرام میں۔۔۔۔کہ جس میں ان شب و جہل کے بندوں کا داخلہ حرام ہے۔۔۔۔انہیں سلایا جا رہا ہے تا کہ سحر کے آنے کی چاپ آتے ہی۔۔۔ اغنام اللہ کے اس ریوڑ کو حرکت دے کر منیٰ کی سمت ہنکایا جائے اور وہ۔۔۔۔ تثلیث کے ان نحس بتوں کی سرزمین میں۔۔۔۔۔۔۔ابراہیمؑ کے ساتھ ازروئے مذاق اور اللہ کے ساتھ دھوکے کی صورت میں اپنے دائمی تین خداؤں کو آدم سے آخرالزمان تک جھوٹ موٹ کی رمی کریں اور سات خوبصورت رنگارنگ اور ظریف کنکریوں کو اپنے نرم ہاتھوں کے ساتھ اپنے تین زمین و زمان کے خداؤں کے سفید قامت پر بڑی طنازی اور عاشقانہ اطوار سے نثار کریں اور گو

سفندوں کو اپنی ذلت بار سرنوشت کے عنوان سے ذبح کریں، اس لیے کہ یہ ''اغنام اللہ'' ہیں اور وہ خدا کے تین دائمی نمائندے،

انہوں نے ان کے اون، دودھ اور گوشت پوست سے اپنی شان بڑھائی ہے اور پیٹ آباد کیے ہیں، اس لیے کہ ہمیشہ سے ان کی قربانی یہی ہیں اور ہمہ جا ''بے زبان'' ذی روح۔

وہ اپنے نفس کی راہ میں انہیں ذبح کرتے ہیں اور ان کا سرخ لہو ''سبز محل''، ''مسجد ضرار'' اور قارون کے بیت المال کی رگوں میں دوڑتا ہے، اور آخر میں۔۔۔

ان ''جمرات ثلاثہ'' کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے عنوان سے ان کا سر تڑشواتے ہیں اور اس عنوان سے کہ ''عمل جور کا آلہ کار، جہل ہے''

اور۔۔۔

''یہ مصلحت پرست لوگ ہیں کہ جن کے ہاتھ حقیقت کے خون سے رنگین ہیں۔۔۔''

اور یہی وہ لوگ ہیں کہ جو ہر عہد میں اور ہر نسل میں ''اپنی غیبت'' سے ''انسان کی شہادت'' کی راہ ہموار کرتے ہیں اور اس تقویٰ و تقدس کے نقاب کے پیچھے، بد خواہ اور بد نہاد لوگ پنہاں ہیں،

اور یہی حج کرنے والے لوگ ہیں کہ جو ہمیشہ اور ہر جگہ ان تین بتوں کے وسوسوں سے اپنے اسماعیل کو نمرود کے قدموں میں ذبح کرتے ہیں۔۔۔

''انسان کی قربانی'' کے دن اور ''زمانے کے اسماعیل کی ذبح'' کا ان سے جشن منواتے ہیں اور پھر انہیں اس کیفیت میں لے آتے ہیں کہ وہ۔۔۔۔

کعبہ سے منہ موڑ کر ذلت کے قبلے کا رخ کرتے ہیں اور ''آخرت کی جنت'' کو ''دنیا کے دوزخ'' کے عوض خرید کر اپنے سرپرست کے باورچی خانے کی گرم راکھ پر عافیت کے نشے میں مست سو رہتے ہیں،

اور ـ ـ ـ ـ ـ ـ

لوٹ کے دستر خوان کے بچے کھچے ٹکڑوں کو مزے لے لے کر کھاتے ہیں ـ ـ ـ ـ ـ ـ!

''ڈاکٹر علی شریعتی''

☆☆☆☆☆

ختم شد ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ The End

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006